مُفتیٰ بہ مسائل کا مدلّل مجموعہ

خزینۃُ الفقہ

فی مسائلِ

النِّکاح

جلد اوّل

تالیف

مُفتی محمّد کوثر علی سُبحانی مظاہری
شیخ الحدیث جامعہ اشرف العلوم الور

شائع کردہ
جامعۃ الفلاح دار العلوم الاسلامیہ
بائی پاس روڈ فاربس گنج، ارریہ (بہار) الہند

نام کتاب : خزینۃ الفقہ فی مسائل النکاح
مصنف : مولانا مفتی محمد کوثر علی سبحانی
کمپیوٹر کتابت : بشری کمپوزنگ سینٹر، دہلی 09811389611
سن طباعت : ۲۰۰۴ء بمطابق ۱۴۲۴ھ
دوسرا ایڈیشن : ۲۰۰۵ء بمطابق ۱۴۲۶ھ
صفحات : ۳۳۴
قیمت : مبلغ ایک سو پچاس روپے
ناشر : جامعۃ الفلاح دار العلوم الاسلامیہ
بائی پاس روڈ، فاربس گنج، ضلع ارریا بہار (الہند)
طباعت : جید پریس، بلیماران، دہلی

ملنے کے پتے

مدرسہ اشرف العلوم داؤد پور الور، راجستھان فون: 0144-2371652
مدرسہ حمیدیہ انجمن حمایت ملت پالولی بھروچ گجرات، فون 02646-274151
مکتبہ رشیدیہ متصل مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور
سنابل کتاب گھر، نزد چھتہ مسجد دیوبند
کتب خانہ عزیزیہ اردو بازار جامع مسجد دہلی
کتب خانہ رشیدیہ اردو بازار جامع مسجد دہلی

صاحب کتاب ایک نظر میں

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله الذی وفّق من اراد به الخير للتفقه فی الدين و الصلوة والسلام علی سيدنا محمد خاتم النبيين و المرسلين الذی قال من يرد الله به خيرا يفقهه فی الدين و علی آله و صحبه اجمعين اما بعد!

کسی کتاب کے ہاتھ میں آتے ہی فطری طور پر صاحب کتاب کے تعارف کی جستجو ہوتی ہے کہ اس کا مصنف کون اور کس حیثیت کا آدمی ہے اگر چہ فقہ وفتاوی کا یہ مجموعہ ہی مصنف کے تعارف کیلئے کافی ہے لیکن بعض رفقاء کی رائے ہوئی کہ اس جیسی فقہ وفتاوی کی کتاب پر اعتماد بحال ہونے کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ مصنف کی ذہانت وفطانت ان کے خط وخال، افکار وخیالات، فقہ وفتاوی سے لگاؤ اور ورع وتقویٰ کے نقوش کی تھوڑی نشاندہی ہوجائے کیونکہ صاحب کتاب بالخصوص انتہائی گمنام ہیں۔ ورنہ محض مدح وتوصیف کے کلمات دہرانا مقصود نہیں۔ بنابریں میں نے جناب مفتی صاحب سے فرمائش بھی کی۔ لیکن چونکہ موصوف شہرت اور نمائش کو پسند نہیں کرتے اس لئے انھوں نے سختی کیساتھ یہ کہہ کر منع فرمادیا کہ وثوق واعتماد کیلئے بزرگوں کی تقاریظ ہی کافی ہیں مگر میں نے بڑے اصرار کیساتھ عرض کیا کہ کم سے کم اس بہانے ہمارے بھی چند جملے شامل کتاب ہونے دیجئے تو بالآخر مفتی صاحب نے میری دلداری کیلئے بادل نخواستہ میری درخواست قبول فرمالی (جزاہ اللہ عنی احسن الجزاء)

حضرت مولانا مفتی محمد کوثر علی صاحب سبحانی ضلع ارریا بہار کے مشہور سرحدی شہر فاربس گنج سے جانب جنوب بارہ کیلومیٹر کے فاصلہ پر ایک چھوٹی سی مسلم بستی گھبھا میں ۴؍مارچ ۱۹۷۳ء عیسوی میں پیدا ہوئے آپ کے والد محترم جناب مولوی محمد کلیم صاحب دعوت وتبلیغ اور خانقاہ رحمانی مونگیر سے تعلق رکھنے والے متواضع، صاحب

ثروت، حق گو اور نیک خصلت انسان ہیں، سنا اور دیکھا بھی ہے کہ حضر ہو یا سفر ان کی تہجد کی نماز بھی قضا نہیں ہوتی، مفتی صاحب ان کے مجھلے فرزند ہیں۔ مفتی صاحب نے مسلم گھرانوں کے عام دستور کے مطابق اپنے آبائی گاؤں کے مدرسہ تعلیم القرآن گوکھلا پور میں اپنے والد محترم ہی سے تعلیم کا آغاز کیا دینیات اور ناظرہ قرآن کی تکمیل کے بعد ۱۹۸۳ء میں بورڈ کے ایک مدرسہ مصباح العلوم سوالدہ مجھوا ضلع ارریا میں مکمل پانچ سال وسطانیہ دوم تک تعلیم پاکر ۱۹۸۸ء میں مدرسہ مطلع العلوم کمن گڈھا بنارس میں داخل ہوکر عربی دوم تک پڑھنے کے بعد ۱۹۹۰ء میں ہندوستان کی عظیم درسگاہ جامعہ مظاہر علوم وقف سہارنپور میں داخلہ لیکر عربی سوم مکمل کرنے کے بعد یہ سچا طالب علم جامعہ گلزار حسینیہ اجراڑہ میرٹھ کی تعلیمی شہرت سنکر وہاں داخل ہوئے، شرح جامی اور مختصر المعانی کا نصاب مکمل کرنے کے بعد پھر ۱۹۹۲ء کو جامعہ مظاہر علوم جدید سہارنپور میں داخل ہوکر چار سال تک اپنے اکابر اور بزرگان ملت سے اکتساب فیض کیا وہاں انہیں بڑی صعوبتیں اور مشقتیں جھیلنی پڑیں باتوں بات میں جب وہ اپنے زمانۂ طالب علمی کی جفا کشی کے یقینی واقعات سناتے ہیں تو آنکھوں میں آنسو آجاتا ہے مختصر یہ کہ اساتذہ کی درسی تقاریر لکھنے کے لئے کاغذ کے بھی ان کے پاس پیسے نہ ہوتے بارہا کھانا بیچ کر کاغذ خریدتے خود ایک وقت بھوکے رہتے اور چوبیس گھنٹے کے بعد کھاتے مگر ساتھ میں رہنے والوں کو کبھی اس کا احساس تک نہیں ہونے دیتے اسی کیساتھ محنت ولگن اور تمام طلبہ سے یکسو ہوکر شبانہ روز کتب بینی، تکرار ومطالعہ کے ذریعہ اپنی علمی لیاقت وصلاحیت کا لوہا منوا چکے تھے جامعہ مظاہر علوم میں آپ کی تکرار کا شہرہ تھا، تقریر وتحریر میں بھی آپ کو اسی وقت سے مہارت تھی اسی وجہ سے اپنی ضلعی انجمن کے صدر اور مظاہر علوم کی صدر انجمن فخر الدین لائبریری کے جنرل سکریٹری اور چار سال تک شعبۂ مناظرہ کے ناظم رہے موصوف نے بطور مشق کے بہت سارے موضوع پر مناظرے کئے اور کرائے۔ کبھی جب اس سلسلے میں گفتگو کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اس فن میں بھی کتنی گہرائی

ہے انہیں خصوصیات کیوجہ سے اپنے اساتذہ کے منظور نظر تھے۔اسی جدو جہد کا نتیجہ تھا کہ ہر امتحان میں امتیازی نمبرات سے کامیاب ہوتے رہے۔

مفتی صاحب نے ۱۹۹۴ء میں جامعہ مظاہر علوم ہی سے سند فراغت حاصل کرنے کے بعد وہیں ایک سال مشق افتاء کیا اور اس سے فراغت کے فوراً بعد جامعہ محمدیہ جامنگر گجرات کے سابق ذمہ دار جناب مولانا سیف الدین صاحب اسلام پوری (جو فعال اور صالح عالم دین ہیں مفتی صاحب کو آج بھی ان سے والہانہ تعلق ہے اللھم زد فزد) نے سہارنپور جا کر مفتی صاحب کو اپنے جامعہ کیلئے تدریسی خدمات کی دعوت دی چنانچہ ۱۹۹۶ء میں وہاں آپ کی مدرسِ اول کی حیثیت سے تقرری ہوئی آپ ہی سے مشکوۃ شریف، جلالین شریف، بیضاوی شریف وغیرہ کتب حدیث وتفسیر کا آغاز ہوا۔ دورۂ حدیث شروع ہونے پر مسلم شریف، ابوداؤد شریف، مشکوۃ شریف اور کافیہ وغیرہ کتب کے اسباق آپ سے متعلق ہوئے دوسال کے بعد ابوداؤد کے بجائے ترمذی شریف سپرد تدریس ہوئی مکمل پانچ سال کے بعد ۲۰۰۱ء میں جامعہ ابن عباس سرخیز احمد آباد میں موصوف کی تقرری استاد حدیث وتفسیر اور دارالافتاء کے مفتی کی حیثیت سے ہوئی وہاں بھی آپ سے متعلق اونچے اسباق تھے۔آپ کا اصل ذوق تدریس ہے اسلئے جس کتاب کو لیتے ہیں اسکا حق ادا کرتے ہیں۔ میں نے آپ کے شاگردوں سے سننے کے علاوہ آپ کے درس میں حاضر ہو کر تجربہ بھی کیا ہے کہ جب آپ حدیث کی کتاب پڑھاتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ کتنی ساری کتابوں کے مطالعے کے بعد درس دیرہے ہیں آواز بھی صاف ہے اور لمبی بحث کو مرتب ومختصر اور مدلل بیان کرنے کا مزاج ہے غرض تدریسی دور کے ۱۰ سال کے عرصے میں اول سے آخر تک خصوصاً دورۂ حدیث شریف کی تمام کتابوں کا درس دے چکے ہیں یہی وجہ ہے کہ حضرت مولانا احمد حسین صاحب سابق شیخ الحدیث ومہتمم جامعہ ابن عباس (جو اپنے وقت کے اونچے پائے کے محدث ہیں (آپ کی علمی قابلیت اور تدریسی اہلیت کے بڑے مداح اور قدرداں تھے

ان کی دوررس نگاہ نے مفتی صاحب کو بھانپ لیا۔اور اپنی بخاری شریف ثانی کا درس جو وہ خود پڑھاتے تھے مفتی صاحب کے سپرد کیا چنانچہ دو سال تک احمد آباد میں بخاری شریف بھی پڑھانے کی سعادت آپ کو حاصل ہوئی۔ پھر ۲۰۰۴ء کے اخیر میں حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند کے مشورے سے جامعہ اشرف العلوم الور کے شیخ الحدیث کے عہدے پر فائز ہوئے۔ بہر حال حضرت مفتی سبحانی صاحب تجربہ کار مدرس بھی ہیں اور کہنہ مشق مفتی بھی۔ اور کامیاب و بااثر مقرر بھی، اپنے مفوضہ تمام امور کو کما حقہ انجام دینے کے ساتھ تصنیف وتالیف کا سلسلہ بھی قائم کئے ہوئے ہیں چنانچہ معاشرتی ومعاملاتی اہم مسائل پر خزینۃ الفقہ کی تین جلدوں کا کام کر چکے ہیں آگے سلسلہ جاری ہے (جو ترتیب وار طبع ہوکر منظر عام پر آتی رہیں گی) انشاءاللہ۔

مگر ان گوناں گوں خوبیوں کے باوجود عجب وتعلّی سے پاک نہایت خلیق وحلیم اور صاحب وقار ایسے سنجیدہ جس میں غضب وکبر کی ملاوٹ نہیں، ایسے متواضع اور منکسر المزاج جس میں ذلت اور کمزوری کا دخل نہیں، بڑوں کا احترام، بزرگوں کیساتھ عقیدت، چھوٹوں پر شفقت انکا خاص مزاج ہے، زہد وتقوی انکا وصف ہے جامعہ مظاہر علوم کے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب جونپوری دامت برکاتہم سے آپ کا اصلاحی تعلق ہے انہیں کی ہدایت کے مطابق اوراد ووظائف کا اہتمام ہے۔

نیز شروع سے ہی اپنے علاقہ کی دینی فکر ان پر سوار ہے زمانۂ طالب علمی ہی سے غریب بچوں کو اپنے ساتھ سفر میں لانا اور داخلہ کرا کے پورے سال تعلیمی وتربیتی نگرانی کرنا (جس کا سلسلہ آج بھی جاری ہے) ان کا ذوق ہے۔ ماشاءاللہ ان کی فکر سے سیکڑوں بچے عالم دین اور حافظ قرآن بنے۔ نیز انھوں نے جامنگر ہی کے قیام کے دوران اپنے گاؤں میں ایک مکتب بھی قائم کیا اور قرب وجوار کے کئی مدارس ومکاتب کا تعلق وہاں سے جوڑا اساتذہ کو تنخواہیں اور خصوصی تعاون دلا کر صحت قرآن کیلئے نورانی

قاعدہ کا سلسلہ شروع کیا، ان دنوں جو اس علاقے میں گجرات کے طرز پر نورانی قاعدہ کی تعلیم کا سلسلہ جاری ہے وہ مفتی صاحب کی دین ہے۔

اب تو ماشاء اللہ ہم جیسے نوجوان علماء کی ایک تنظیم آل انڈیا الفلاح ایجوکیشن فاؤنڈیشن کے نام سے رجسٹرڈ بھی کرا چکے ہیں۔ الحمد اللہ پورے نظم ونسق کے ساتھ اس ادارے کے تحت ہند و نیپال کے سرحدی علاقے میں کئی مکاتب قرآنیہ چل رہے ہیں اور مشہور سرحدی شہر فاربس گنج میں کافی وسیع زمین خرید کر جامعۃ الفلاح دار العلوم الاسلامیہ اور الفلاح اسلامک اکیڈمی اسکول کا بھی آغاز کیا گیا ہے بفضلہٖ تعالیٰ خاموشی کے ساتھ یہ ادارہ اپنے مقصد میں ترقی کی سمت رواں دواں ہے۔

بس اخیر میں اللہ سبحانہ تعالیٰ سے دعاء گو ہوں کہ وہ مفتی صاحب کی عمر میں برکت، اور ان کو تحقیقی وتخلیقی خدمات کا شوق وذوق اور جذبۂ اخلاص عطا فرمائے آمین ثم آمین۔

تعریف سب سے پہلے خدا کی بیاں کروں — جتنے ہیں نام اس کے ورد زباں کروں

آخر میں میری آپ سے اتنی ہے التجا — شمس وکوثر کے حق میں آپ ذرا کیجئے دعاء

صلی اللہ تعالی علیہ وعلی آلہ واصحابہ اجمعین

شمس تبریز قاسمی
ناظم جامعۃ الفلاح
دار العلوم الاسلامیہ

فہرست خزینۃ الفقہ

صفحہ	مضامین
۷۹	**ولایت نکاح**
۷۹	شریعت میں ولایت نکاح کی حقیقت
۸۱	نکاح میں کن لوگوں کو ولی ہونے کا حق ہے
۸۳	ولایت کی شرطیں
۸۴	ولایت نکاح کی قسمیں
۸۴	ولایت اجبار کا مطلب
۸۴	ولایت اجبار کا مدار
۸۴	ولایت استحباب کا مطلب
۸۵	ولایت استحباب کا مدار
۸۵	نابالغ لڑکا لڑکی پر ولایت اجبار کا حق صرف باپ دادا کو ہے
۸۵	بالغ ہونے کے بعد نکاح فسخ کرانے کا حکم
۸۶	نابالغ کا نکاح باپ دادا کے علاوہ نے کیا
٦۸	اختیار فسخ کی صورتیں
۸۷	ولایت اجبار کی مصلحت
۸۸	ولایت اجبار کے شرائط
۸۸	ولی قریب کے ہوتے ہوئے ولی بعید کا نکاح کرانا
۸۹	ولی قریب کی موجودگی میں ولی بعید کے نکاح کرنے کی صورتیں
۸۹	مناسب رشتہ کا ولی قریب اگر انکار کرے
۸۹	ولی قریب میں ولایت کی اہلیت ختم ہو جائے
۹۰	دو برابر کے ولی ہوں تو کیا حکم ہے
۹۰	ولی کے گریز کرنے پر قاضی نکاح کا ولی ہوگا

صفحہ	مضامین
۱۳۶	**محرمات رضاعیہ**
۱۳۸	حرمت سے کچھ رشتے مستثنیٰ ہیں
۱۳۹	حرمت رضاعت بسبب زنا
۱۴۰	حرمت رضاعت کے شرائط
۱۴۱	رضاعت کی مدت اور اسکا حکم
۱۴۳	دودھ کو کسی سیال چیز میں ملا کر پلانے کا حکم
۱۴۳	دو عورت کا دودھ باہم مل جائے
۱۴۳	دودھ کو جامدات میں ملا کر پلائے
۱۴۴	دودھ کا دہی اور پنیر وغیرہ بنا کر کھلانے کا حکم
۱۴۴	حرمت رضاعت کے ثبوت کے لئے گواہ شرط ہے
۱۴۵	احتیاط کا تقاضا
۱۴۵	کسی عورت نے دو چھوٹی بچی کو جو آپس میں سوکن ہیں دودھ پلا دیا
۱۴۶	بغیر شوہر کی اجازت کے کسی بچہ کو دودھ نہ پلائے
۱۴۶	تفریق قضاءِ قاضی کے ذریعہ ہو سکتی ہے
۱۴۶	خون چڑھانے سے حرمت کا مسئلہ
۱۴۷	حرمت موقتہ کے کئی اسباب ہیں
۱۴۷	(۱) مالک ہونا
۱۴۸	(۲) مملوکہ ہونا
۱۴۸	(۳) تعلق مع الغیر یعنی کسی کی منکوحہ ہو و معتدہ ہو
۱۴۹	اگر غیر کی منکوحہ سے نکاح کرلیا
۱۴۹	(۴) اختلاف مذہب یعنی غیر مسلم سے نکاح
۱۵۰	اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ سے نکاح

صفحہ	مضامین
۱۶۶	ایک بیوی پر اکتفا کرنے میں عافیت ہے
۱۶۶	عورتوں کو چند شوہر کرنے کی اجازت نہ دینا عین حکمت ہے
۱۶۸	آپ ؐ کے متعدد نکاح کرنے کی حکمتیں
۱۶۸	پہلی حکمت
۱۷۰	دوسری حکمت
۱۷۱	تیسری حکمت
۱۷۱	حضرت عائشہ کی طرف قلبی میلان کی وجوہ
۱۷۱	پہلی وجہ
۱۷۲	دوسری وجہ
۱۷۲	تیسری وجہ
۱۷۲	آنحضرتؐ کی خوشگوار زندگی کے اپنی بیویوں کیساتھ چند واقعے
۱۷۳	پہلا واقعہ
۱۷۳	دوسرا واقعہ
۱۷۴	تیسرا واقعہ
۱۷۵	عورت کی غلطیوں پر چشم پوشی کرنے کی وصیت
۱۷۶	عورتوں کو مارنے کا کیا حکم ہے
۱۷۷	بیویوں کو چند ہی غلطیوں پر معمولی مار مارنے کی اجازت ہے
۱۷۸	مرد عورتوں کا ذمہ دار اور حاکم ہے
۱۸۱	مرد وعورت کے مابین مساوات کا نعرہ
۱۸۲	حقوق زوجہ
۱۸۳	مہر کی تعریف
۱۸۳	مہر کی شرعی اہمیت

مضامین	صفحہ

انتساب واستدعا

میں اپنی اس پہلی کاوش کو مشفق والدین خصوصا محترمہ والدہ مرحومہ (جن کی شفقت ومحبت اور تعلیم وتربیت اور ان کی دعاؤں کے طفیل میں اس علمی خدمت کے لائق ہوا) کی طرف منسوب کرتے ہوئے قارئین سے درخواست کرتا ہوں کہ دعاء کریں کہ اللہ تعالی والدہ مرحومہ کی مغفرت فرما کر ان کی قبر کو اپنے انوار سے بھردے اور جنت میں انہیں بلند مقام عطا فرمائے

اور

مادر علمی جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کی طرف بھی منسوب کرنے میں فرحت محسوس کرتا ہوں جس کے بزرگ اساتذہ اور اکابر ملت کی تربیت کے طفیل بندہ اس قابل ہوا

دعائیہ کلمات

فدائے ملت امیر الہند

حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحب دامت برکاتہم

صدر جمعیتِ علماء ہند

کتاب خزینۃ الفقہ کو مختلف مقامات سے دیکھ کر بیحد مسرت ہوئی۔ قرآن وحدیث اور فقہی دلائل اور علماء کرام ومفتیان عظام کی تصدیقات نے کتاب کو اعتبار بخشا ہے۔

میری دعاء ان کے ساتھ ہے اللہ رب العزت قبولیت سے نوازے۔ اور علمی ودینی تمام کاموں میں اخلاص وبرکت عطا فرمائے۔

والسلام

اسعد مدنی غفرلہ

صدر جمعیۃ علماء ہند

ا رمحرم الحرام ۱۴۲۶ھ

تقریظ

فقیہ الاسلام محدث کبیر حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب مظاہریؒ

سابق ناظم اعلیٰ جامعہ مظاہر علوم وقف سہارنپور۔ یوپی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً و مسلماً

پیش نظر کتاب ''خزینۃ الفقہ'' عزیز مکرم مولوی مفتی محمد کوثر علی سبحانی مظاہری کی تالیف ہے جس میں نکاح کے متعلق بہت سے مسائل کا اچھا ذخیرہ جمع کیا ہے، مظاہر علوم سہارنپور، ان کا مادر علمی ہے، یہاں رہ کر انہوں نے ایک عرصہ تک اپنے اکابر اور بزرگان دین سے اکتساب فیض کیا ہے۔ فراغت کے بعد ہی سے تعلیمی فرائض انجام دے رہے ہیں۔ تعلیم وتدریس کے ساتھ تصنیف وتالیف کا ذوق بھی رکھتے ہیں، پیش نظر کتاب اسی ذوق کا نتیجہ ہے۔ عزیز موصوف نے جن کتابوں سے اس تالیف میں مدد لی ہے وہ بذات خود اس تالیف کے اعتبار کے لئے ضمانت ہیں میں اپنی مصروفیت اور علالت کے سبب بالاستیعاب نہیں دیکھ سکا، تاہم معتبر مآخذ ومراجع سے ماخوذ ومستفاد ہونا اور بعض معتبر مفتیان عظام اور علمائے کرام کا بالاستیعاب نظر غائر سے دیکھنا انشاء اللہ ہر طرح سے کافی ووافی سند اعتبار ہے، میں بصدق دل خداوند قدوس سے دعا گو ہوں کہ وہ اس تالیف کو شرف قبولیت سے نوازے۔ مؤلف کی عمر میں برکت، دینی خدمت کا شوق وذوق، اخلاص اور جذبۂ عمل عطا فرمائے۔

ایں دعاء از من واز جملہ جہاں آمین باد فقط

العبد محمد مظفر حسین المظاہری

۱۴رشوال ۱۴۲۲ھ

تقریظ

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صاحب مدظلہ العالی

مرتب فتاوی دارالعلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ و کفی وسلام وصلوۃ علی عبادہ الذین اصطفی

یہ دیکھ کر دلی مسرت ہے کہ نئی نسل میں لکھنے پڑھنے کا ذوق وشوق شباب پر ہے علماء کرام کی جماعت میں تصنیف وتالیف کا حوصلہ اور جذبہ قابل صد مبارکباد ہے۔ ہر سال مختلف دینی احکام ومسائل پر نوجوان علماء کی کتابیں چھپ کر آرہی ہیں اور پڑھنے والے اس سے برابر استفادہ میں مشغول ہیں۔

مولانا محمد کوثر علی سبحانی فاضل مظاہر علوم سہارنپور کی نئی کتاب (خزینۃ الفقہ فی مسائل النکاح) خاکسار کے ہاتھوں میں ہے یہ ان کی پہلی تالیف ہے جوانہوں نے نکاح کے مسائل پر مرتب کی ہے۔ ماشاءاللہ نکاح سے متعلق تمام مسائل پر بحث کی ہے جیسے مہر۔ ولایت۔ کفالت۔ رضاعت۔ حضانت۔ میاں بیوی کے ایک دوسرے پر حقوق اور نفقہ وغیرہ اور جو کچھ لکھا ہے کتابوں کے حوالہ سے لکھا ہے نکاح کی غلط رسومات پر بھی روشنی ڈالنے کی سعی کی ہے۔ مختصر یہ کہ مولانا موصوف نے کافی محنت کی ہے۔ امید ہے کہ آئندہ مؤلف کا قلم زیادہ رواں دواں ہوگا۔ اور امت کو مولانا کے قلم سے زیادہ فائدہ پہونچے گا۔ میں اپنی طرف سے موصوف کی ان کی اس محنت پر مبارک باد پیش کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالی ان کی اس محنت کو قبول فرمائے اور آئندہ ترقی کا زینہ بنائے۔ **ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم**

طالب دعاء
محمد ظفیر الدین مفتی دارالعلوم دیوبند
۳ ر ذی الحجہ ۱۴۲۲ھ

تقریظ

فقیہ الملت حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمیؒ

سابق صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم امابعد!

''خزینۃ الفقہ'' نامی اس مجموعہ میں فقہ کی مختلف کتابوں سے نکاح اور اس سے متعلق منتشر جزئیات، نیز مسائل واقوال وفتاوی کو جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے، توقع ہے کہ فقہی روایات کا یہ مجموعہ اردو داں حلقہ کے لئے مفید ثابت ہوگا (باقی مؤلف کے تمام نقول سے اتفاق ضروری نہیں ہے)۔

دعاء ہے کہ اللہ تعالی مرتب مجموعہ کی اس تالیفی جدو جہد کو قبول فرمائے اور انہیں دیگر فقہی موضوعات پر تحقیقی وتخلیقی کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

والسلام

مجاہد الاسلام قاسمی

۲رجنوری ۲۰۰۲ء

تقریظ

بحرالعلوم محدث وقت حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی

استاذ حدیث دار العلوم دیو بند

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمدلله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد المرسلين وعلى آله واصحابه اجمعين امابعد!

مفتی محمد کوثر علی سبحانی فاضل مظاہر علوم سہارنپور نے ''خزینۃ الفقہ'' کے نام سے فقہ کے مختلف ابواب کے مفتیٰ بہ مسائل کو جمع کرنے کی کوشش کیا ہے میرے سامنے ''خزینۃ الفقہ'' کی پہلی جلد موجود ہے جو نکاح سے متعلق مفتی بہ مسائل اور اس کے دلائل پر مشتمل ہے نکاح ایک ایسی عبادت ہے کہ اس کا وجود دنیا کے ساتھ آخرت اور جنت میں بھی ہے۔ اور اسی کے ذریعہ جملہ حقوق العباد اور معاشرتی مسائل وجود پذیر ہوتے ہیں۔ اور یہی خاندان کی بنیاد ہے۔ شریعت اور اس کے احکام عین فطرت انسانی کے مطابق ہیں اس کی اہمیت کے پیش نظر احادیث میں جہاں اس کی تفاصیل بیان کی گئی ہیں وہیں قرآن میں بھی نکاح اور نکاح سے متعلق مسائل کو تفصیل سے بیان کیا ہے فقہاء نے بھی قرآن اور حدیث کے پیش نظر تفصیل کے ساتھ اس کے جزئیات کو بیان کیا ہے۔

موصوف نے اپنی اس کتاب میں نکاح کی اہمیت اس کے فوائد اس کے ارکان اور شرائط اور اس کے متعلق مہر ولایت نکاح کفاءت محرمات اور نکاح کے سنت طریقے، زوجین کے حقوق نفقہ، سکنی، رضاعت، جہیز، رسومات نکاح اور اس کا شرعی جائزہ زمانۂ جاہلیت کے رائج نکاح کے طریقے اور اس کا اسلام سے موازنہ غرض نکاح کے ہر قسم کے مسائل موجود ہیں... اور بڑی خوبی کی بات یہ ہے کہ جگہ جگہ قرآنی آیات اور احادیث پیش کرنے کیساتھ ہر مسئلہ کو فقہ اور فتاوی کی معتبر اور مستند کتابوں کے حوالے سے مدلل کیا ہے جس سے کتاب کی اہمیت وافادیت اور بڑھ جاتی ہے اسلئے یہ کتاب ہر طبقہ کیلئے مفید ہے۔ دعاء ہے کہ اللہ تعالی اس کتاب کو قبولیت عطاء فرمائے اور مصنف کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے آمین۔ وما ذلک علی الله بعزیز

محمد نعمت اللہ

خادم التدریس دار العلوم دیو بند، سہارنپور (الہند)

تقریظ

متکلم الاسلام محدث زمانہ حضرت مولانا محمد سلمان صاحب مدظلہ
ناظم اعلی جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

باسمہ سبحانہ وتعالی

نحمده ونصلي على رسوله الكريم

امابعد! ہمارے مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے فارغ التحصیل نوجوان صالح فاضل عزیزم محترم مولانا مفتی کوثر علی صاحب نے عنوان نکاح پر اس سے متعلقہ اہم مسائل اور مفتی بہ اقوال پر ایک مجموعہ مرتب فرمایا ہے۔ مجھے اس کو مفصل طور پر مطالعہ کرنے کا موقع نہیں مل سکا مگر دیگر علمائے کرام نے اس خدمت کو پسند فرمایا ہے۔ اور یقیناً اپنے عنوان کی اہمیت کے پیش نظر یہ ایسی علمی خدمت ہے جس کا فائدہ نقد ہے کیونکہ ہر مسلمان کو عموماً ان مسائل سے واسطہ رہتا ہے اور ہمہ وقت وہ رہبری کا محتاج ہے۔ اللہ تعالی اس مجموعہ کو مفید اور نافع فرمائے۔ اور مسلمانوں کو شریعت الٰہیہ اور سنت نبویہ کے مطابق زندگی کی یہ اہم ترین ضرورت پوری کرنے کی سعادت عطا فرمائے۔

فقط والسلام

محمد سلمان

ناظم مدرسہ مظاہر علوم

تقریظ

حضرت مولانا عبدالقادر صاحب مظاہری، ندوی

استاذ حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدلله و کفی و سلام علی عباده الذین اصطفی امابعد!

عزیزم مکرم مولانا مفتی محمد کوثر علی سبحانی کی تصنیف خزینۃ الفقہ فی مسائل النکاح اس لحاظ سے ایک خاص اہمیت رکھتی ہے کہ اس موضوع پر اگرچہ متعدد کتابیں کتب خانوں میں موجود ہیں۔ مگران کی تعداد بہت ہی کم ہے مفتی صاحب چونکہ مفتی کیساتھ مدرس بھی ہیں اس وجہ سے ہر وقت علمی اشتغال رہتا ہے اور علم تازہ رہتا ہے جس کا اثر تصنیف پر پڑنا لازمی ہے۔ اسی وجہ سے بڑے بڑے حضرات حضرت قاضی مجاہد الاسلام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب مرتب فتاوی دارالعلوم دیوبند جیسے اکابر نے مہر تصدیق ثبت فرمائی ہے۔

چونکہ مفتی صاحب کی یہ پہلی کاوش منظر عام پر آرہی ہے اس لئے ابھی ترقی کی گنجائش ہے اور امید کی جاسکتی ہے کہ انشاء اللہ آئندہ بھی وقت کی ضرورت کی بہت سی علمی کاوشیں موصوف کی منظر عام پر آکر مفید عام وخاص ہوتی رہیں گی۔

وفقنا الله جميعا الى الحق والصواب وهو ولى التوفيق

عبدالقادر غفرلہ

۱۳/۸/۱۴۲۳ھ

تقریظ

مجاہد ملت حضرت مولانا اسرار الحق صاحب قاسمی

صدر آل انڈیا تعلیمی وملی فاؤنڈیشن، دہلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً ومصليا امابعد!

فعال اور صالح نوجوان جناب مولانا مفتی محمد کوثر علی سبحانی فاضل مظاہر علوم سہارنپور نے اپنی تالیف خزینۃ الفقہ کی پہلی جلد کا مسودہ براہ حسن ظن پیش کیا اور مجھے مطالعہ کے بعد چند جملے لکھنے کو کہا مصروفیت کی وجہ سے پورے طور سے تو نہیں دیکھ سکا مگر سرسری فہرست پر نظر ڈال کر کتاب کے چند مقامات کو دیکھا۔ ماشاءاللہ کتاب بہت ہی اہمیت کی حامل ہے۔ کیونکہ موصوف نے اس کتاب میں نکاح کے تمام تر مفتی بہ مسائل کو بڑی تحقیق وجستجو کے بعد فقہ اور فتاوی کی معتبر کتابوں کی عربی عبارتوں سے مدلل کیا ہے جس سے کتاب کی افادیت ہر عام وخاص کے لئے ظاہر ہے۔ یہ کتاب اس لائق ہے کہ مفتیان کرام بھی اس سے استفادہ کر سکتے ہیں کیونکہ بہت سے علماء ومفتیان کرام نے اس خدمت کو سراہا ہے کتاب دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی اس لئے تہہ دل سے دعاء کرتا ہوں کہ اللہ رب العزت اس کتاب کو شرف قبولیت بخشے اور مؤلف کی عمر دراز کر کے دینی، علمی، عملی، ملی، قومی خدمات کا شوق وجذبہ عطا فرمائے اور تمام تر خدمات میں اخلاص کی دولت سے مالا مال فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ وما توفيقى الا بالله

فقط

محمد اسرار الحق قاسمی

یکم جنوری ۲۰۰۲ء

کلمات تقدیم

حضرت ہردوئی دامت برکاتہم کے خلیفۂ مجاز

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالاحد صاحب قاسمی تاراپوری
صدر آل انڈیا ملی کونسل گجرات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہمارے ایک نوجوان عالم مولانا مفتی محمد کوثر علی سبحانی مظاہری نے اپنی ترتیب دی ہوئی تالیف ''خزینۃ الفقہ فی مسائل النکاح'' کا مسودہ براہ حسن ظن مجھے مطالعہ کے بعد چند کلمات تقدیم لکھنے کیلئے حکم فرمایا میں نے فہرست پر نظر ڈالی اور ایک مرتبہ سرسری طور پر بالاستیعاب دیکھا۔ موصوف ایک سنجیدہ کم گو صاحب علم فاضل ہیں، اس کے ساتھ تحقیق وجستجو اور لکھنے کا ذوق بھی رکھتے ہیں۔

عزیز القدر موصوف نے بڑی ہی تحقیق وجستجو کے بعد مسائل نکاح کا جو مجموعہ ترتیب دیا ہے وہ موضوع سے متعلق تمام ضروری جزئیات کو حاوی ہے مثلاً نکاح کے فوائد وفضائل واحکام کے بعد ولایت، کفالت، کفاءت، پیغام نکاح، منگنی، طریقۂ نکاح، رسوم نکاح، ولیمہ، جہیز، مہر، محرمات نکاح کے اقسام، حقوق زوجین، حضانت، پرورش، رضاعت وغیرہ مسائل کی موصوف نے سیر حاصل تشریح پیش کی ہے اور احکام پر تقریباً تین سو ذیلی عنوان قائم کر کے کتاب کو تین سو سے زائد صفحات پر عمدگی سے ترتیب دیا ہے۔

خوبی کی بات یہ ہے کہ ہر مسئلے کو حوالے سے مدلل کیا ہے اور اکثر مقامات پر مسئلہ کو ثابت کرنے کے لئے معتبر ومستند فقہ وفتوی کی عربی عبارتوں سے کتاب کی وقعت

وافادیت کواور بڑھایا ہے۔

نکاح ایک ایسی ممتاز عبادت ہے جو عبادت مالیہ وبدنیہ کے ساتھ حقوق معاشرت اور عائلی مسائل پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ایسی عبادت بن جاتی ہے جو دوسری عبادتوں کی طرح وقتی اور تحدیدی نہیں ہے، بلکہ نکاح کے مقدس رشتہ میں جڑ کر حقوق کی ادائیگی اور حسن معاشرت سے شب وروز زندگی گزرانے والے دو جنس کو زندگی کے آخری سانس تک اس عبادت کا اجر وثواب ملتا رہتا ہے۔

مولانا موصوف نے فقہی انداز وترتیب سے ان تمام مسائل کو گویا قیمتی دانوں کو خوبصورت تسبیح میں پرودیا ہے جس کی ضرورت ہر خاص وعام مرد وعوت کو ہمیشہ پڑتی ہے۔

یہ کتاب اس قابل ہے کہ ہر پڑھے لکھے مرد وعورت کے ہاتھ میں ہو بلکہ ہر شہر قصبہ کے اہل علم، واعظین کرام، ائمہ مساجد، مدرسین مکاتب اس سے بھرپور استفادہ کرسکتے ہیں۔

بارگاہ الٰہی میں دعا ہے کہ حق تعالیٰ مؤلف موصوف کی اس کتاب کو قبول عام فیض رساں بنا کر اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت سے نواز کر صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین۔

راقم الحروف

عبدالاحد قاسمی تاراپوری

خادم حدیث دارالعلوم تاراپور

مدیر ماہنامہ صوت القرآن احمد آباد

۸؍رجب المرجب ۱۴۲۲ھ

حرفے چند	تائید وتوثیق
صاحب المکتفی بحل المجتبیٰ
حضرت مولانا احمد حسین صاحب	جناب مولانا مفتی امتیاز صاحب
مظاہری پٹنی	احمد آبادی
مہتمم جامعہ کنز العلوم احمد آباد	مہتمم جامعہ دار القرآن، سرخیز احمد آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدلله رب العالمین والصلوة والسلام علی سید المرسلین وعلی آله واصحابه واهل بیته اجمعین امابعد!

انسان کو اللہ رب العزت نے اشرف المخلوقات بنایا ہے اور تمام ضرورتوں کے پورا کرنے میں اللہ تعالی نے اس کیلئے بہتر سے بہتر طریقہ متعین فرمایا ہے کھانا ساری مخلوقات کھاتی ہیں لیکن حضرت انسان کیلئے طیبات کو منتخب فرمایا اور کھانے کے طریقے کو تمام مخلوقات سے اچھا اور بہتر طے فرمایا کہ بیٹھ کر کھائے داہنے ہاتھ سے کھائے مل جل کر ساتھ بیٹھ کر کھائے ایک دوسرے کی رعایت کیساتھ کھائے۔

اسی طرح اس کی ایک ضرورت ایک عمر کو پہنچ کر فطری جذبات ہیں عام جانوروں کیلئے کوئی طریقہ کوئی نہج نہیں اپنے فطری جذبات جہاں اور جس جگہ چاہیں اور جس طریقہ سے چاہیں پوری کرلیں۔ لیکن حضرت انسان کیلئے روز اول سے اللہ سبحانہ وتعالی نے ایک طریقہ متعین فرمادیا ہے کہ یہ اپنے جذبات کی تسکین ضرور کریگا لیکن اسی انداز اور طریقہ سے جیسے اللہ سبحانہ تعالی نے بتلایا ہے۔ جہاں چاہے اور جب چاہے جیسے چاہے نہیں کرسکتا بلکہ اس کے لئے حدود متعین فرمایا اور محارم کی ایک مستقل فہرست قرآن اور حدیث میں پیش کردی گئی ہے نیز غیر محارم سے استمتاع میں نکاح یا ملک یمین کی شرط لگادی۔ اس میں بھی بعض وقتوں کو مستثنیٰ کر کے حالت حیض ونفاس میں

بچنے کی تاکید کی گئی ہے۔اور ان تمام شرائط کے باوجود بے انتہا اخفاء کا حکم فرمایا یہاں تک کہ زوجین کی باہمی بات چیت تک کے افشا کو بدترین گناہ ارشادفرمایا۔ چونکہ نکاح اور نقض نکاح یعنی طلاق اور خلع وغیرہ ایسے ضروری مسائل اور پیش آنے والی چیزیں ہیں کہ ان کو جتنا کھول کھول کر اور صاف صاف بیان کیا جائے اتنا ہی بہتر ہے بلکہ انسانیت کی سخت ضرورت کی چیز ہے۔ الحمدللہ ہمارے فاضل محترم عزیز گرامی القدر مولانا مفتی محمد کوثر علی سبحانی زید مجدہ نے اس باب میں اور اس جیسے مختلف ضروری ابواب پر قلم اٹھایا ہے اور ان ابواب کے مسائل کو قرآن وحدیث اور اقوال فقہاء کے ذریعہ مدلل طریقہ سے جمع فرمایا ہے اس وقت پیش کردہ خصوصی کتاب نکاح کے سلسلے میں ہے جس کو بندہ نے خوب دیکھا بلکہ بہت سی جگہ تصحیح بھی کی نکاح کے باب میں بہت ہی مفصل اور مدلل کتاب ہے امید کرتا ہوں کہ اللہ سبحانہ تعالی امت مسلمہ کیلئے اسے مفیدتر بنائے۔ فاضل محترم کی محنت ومشقت جان فشانی اور اس سلسلہ میں اپنے اکابر کی طرف رجوع نے اس کے فائدہ کو دو چند کردیا ہے اخیر میں اللہ تعالی سے دعا گوہوں کہ اسے قبول فرما کر مفتی صاحب اور دیگر ہم تمام رفقاء کے لئے سعادت دارین کا ذریعہ بنائے۔ آمین

احمد حسین پٹنی
خادم جامعہ کنز العلوم احمد آباد
۱۲/۱اکتوبر ۲۰۰۲ء

محمد امتیاز احمد آبادی
خادم دار القرآن
۱۴/شعبان المعظم ۱۴۲۳ھ

پیش لفظ

الحمدلله رب العالمین الرحمن الرحیم مٰلک یوم الدین والصلوۃ والسلام علی رسوله الکریم سید الانبیاء والمرسلین وعلی آله واصحابه الطیبین الطاهرین وعلی مجتهدی ملته واتباعه الی یوم الدین امابعد!

یہ عاجز ودر ماندہ قلم۔ خدائے واحدہٗ لاشریک لہ کے سامنے سر بسجود ہے کہ اس نے مجھ جیسے ظلوم وجہول اور تہی دامن کو وادیٔ قرطاس وقلم میں اتار کر اِس حقیر سی علمی خدمت کو پیش کرنے کی توفیق وسعادت بخشی۔ اس میں تو شک نہیں کہ فقہ اسلامی پر اردو زبان میں متعدد کتابیں موجود ہیں۔ ان کتابوں کے ہوتے ہوئے بھی مجھ جیسے کم علم اور قلیل البضاعت نے ایک اور کتاب لکھنے کی جرأت کی ہے اس کی ضرورت تھی یا نہیں اہل علم حضرات خود تعریض وتنقید سے قطع نظر کر کے نگاہ عمیق اور پرعدل تدبر سے بالاستیعاب اس کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد فیصلہ کر سکتے ہیں کیونکہ اس کے علاوہ دیگر کتابوں میں اتنی بسط وتفصیل کیساتھ اصولی وفروعی مسائل پر بحث نہیں کی گئی ہے اور نہ ان کتابوں کو قرآن وحدیث اور فقہ وفتاوی کی مستند ومعتبر کتابوں کے حوالہ جات سے اتنا مدلل ومستند کیا گیا ہے جتنا کہ اس کو کیا گیا ہے۔

زیرنظر کتاب "خزینة الفقه" کا آغاز نکاح اور اس سے متعلقہ مسائل سے کیا گیا ہے کیونکہ نکاح ہی کے ذریعہ دنیا کی آبادی کا آغاز ہوا حضرت آدم وحوا کا باہمی تعلق جنت میں نکاح ہی کے ذریعہ قائم ہوا اور انہیں دونوں سے دنیاوی خلافت ونظامت کا اجراء ہوا اور انہیں دونوں سے پیدا ہونے والی اولاد یعنی بھائیوں اور بہنوں کے درمیان اللہ تعالی نے مناکحت کو جائز قرار دیکر نسل انسانی اور دنیا کی آبادی کا دائرہ وسیع کیا اور انہیں انسانوں سے دنیاوی نظام کو مضبوط ومستحکم فرماتے ہوئے اخیر میں ہادی عالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا آپؐ نے زندگی کے ہر شعبہ کو خدائی قانون سے

مکمل فرمایا آپؐ کے بعد صحابہ کرام تابعین وتبع تابعین ائمہ مجتہدین ومحققین نے اس نسل انسانی کی رہنمائی کا کما حقہ فریضہ انجام دیا اور آج تک دیتے آرہے ہیں۔ پھر زمانہ جس قدر آگے بڑھتا گیا انسانی زندگی میں اتنا ہی بگاڑ پیدا ہوتا گیا آج کے اس دور میں عقائد کی پختگی، معاملات کی درستگی، اخلاق وعادات کی پاکیزگی ناپید ہوتی جارہی ہے۔ خصوصاً نکاح اور طلاق اور دیگر معاشرتی مسائل کو بدعات ورسومات وخرافات نے پورے طور سے جکڑ لیا ہے آئے دن ایسے تشویشناک حالات رونما ہورہے ہیں کہ شریعت وسنت عنقاء بن چکی ہے ایسے بے راہ روی کے دور میں ضرورت تھی کہ معاشرتی ومعاملاتی مسائل کے ہر ایک باب پر ایسی کتابیں مرتب ہوں جو مفتی بہ جزوی وکلی مسائل کو حاوی ہوں اور کتاب وسنت اور فقہ وفتاوی کی عبارتوں سے آراستہ ہوں۔

چنانچہ زیر نظر کتاب "خزینۃ الفقہ" کی جلد اول کی ترتیب اسی غرض سے اس نہج پر ہوئی ہے اس میں نکاح اور اس سے متعلق عام اصول اور ہر اصول کے تحت بہت سی جزئیات کو مدلل پیش کیا گیا ہے مثلاً نکاح کے فضائل وفوائد، ارکان واقسام، شرائط واحکام، ولایت نکاح، کفاءت وکفالت، نکاح کے سنت طریقے، محرمات نکاح کے اقسام، تعدد نکاح اور اس پر کی جانے والی تنقیدات کا دفاع، حضورؐ کے تعدد نکاح کی حکمتیں، حقوق زوجین، مہر، نفقہ، سکنی، رضاعت وحضانت، جہیز، رسومات نکاح اور ان کا شرعی جائزہ، مانع حمل ادویہ کا استعمال اور اسقاط حمل کا حکم، زمانہ جاہلیت کے رائج نکاح اور اس کی شکلیں۔ یہود ونصاری اور ہندو دھرم میں نکاح کے طریقے اور اس کا اسلام سے موازنہ وغیرہ کو خارجی ترتیب کا لحاظ کرتے ہوئے سلیقہ کے ساتھ پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ جہاں ضرورت محسوس ہوئی اکثر مسائل کی حکمتیں اور مصلحتیں بھی بیان کی گئی ہیں۔ اور ہر باب کے شروع میں اس باب سے متعلق اسلام کی اصولی ہدایات اور شریعت کے عمومی مزاج ومذاق پر بھی تفصیل کیساتھ روشنی ڈالی گئی ہے۔

نیز مسائل کے ساتھ قرآن وحدیث سے اس کے متعلق فضائل اور ترغیبات بھی

بیان کی گئی ہیں۔ سادہ زبان اور عام فہم اسلوب اختیار کیا گیا ہے تا کہ عام طور سے لوگ اس سے فائدہ اٹھائیں۔ اگر چہ اردو ادب اور محاورات کے سلسلے میں مجھ جیسے نا اہل سے خطاو غلطی کا احتمال ہی نہیں بلکہ اس کے وقوع کا معترف ہوں۔

الفاظ کے پیچوں میں الجھتے نہیں دانا
غواص کو مطلب ہے گہر سے نہ صدف سے

تاہم قارئین سے مؤدبانہ التماس ہے کہ اسقام وتسامحات پر اس تہی دامن کو آگاہ فرمادیں تو آپ کا بیحد مشکور ہونگا تا کہ آئندہ اس کی اصلاح کی جاسکے۔

یا باری تعالی میری اس حقیر سی محنت کو قبول فرما کر دنیا وآخرت کی ذلت ورسوائی سے نجات کا ذریعہ بنائے۔ آمین یارب العالمین

العبد محمد کوثر علی سبحانی مظاہری ارریاوی

ہدیہ تشکر وامتنان

من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ (الحدیث)

ہم اپنے رحیم وکریم آقا ومولیٰ خالق ومالک رب العالمین کے سامنے سجدۂ شکر کے بعد ان تمام بزرگوں کے مخلصانہ کرم فرمائیوں پر جذباتی حد تک ممنون ومشکور ہیں جنہوں نے صرف اپنی قیمتی تقریظات سے ہی اس حقیر سی تالیف کی قدر افزائی نہیں فرمائی بلکہ اپنے دست کرم کا ہاتھ میرے سر پر رکھ کر داد تحسین اور خوب خوب دعائیں دیں ان بزرگوں کی ذرہ نوازی سے میرا حوصلہ بڑھا اور اہلیت وصلاحیت نہ ہونے کے باوجود آگے تحقیقی وتخلیقی خدمات کی ہمت ہوئی ان حضرات کے الطاف وعنایات سے جہاں میں اپنی علمی بے بضاعتی اور ذاتی کمزوریوں کو محسوس کر کے شرمندہ ہو رہا تھا وہیں اس بات کا احساس بھی ہو رہا تھا کہ حقیقت میں یہ مخلصین حضرات جمود وتعصب سے پاک علمی ودینی خدمات کی قدر دانی اور ادنی سا بھی کام کرنے والے سے محبت فرما کر اور لطف وکرم کا ہاتھ پیٹھ پر رکھ کر آگے بڑھانا چاہتے ہیں۔ خواہ کام کرنے والا کسی ملک اور کسی صوبہ کا رہنے والا ہو ورنہ

کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل نسیم صبح تیری مہربانی

بعدہ محبّ گرامی ہمارے کرم فرما برادرم حضرت مولانا مفتی امتیاز صاحب احمد آبادی مدفیوضہم کے ہم تہہ دل سے شکر گزار ہیں جنھوں نے اس تالیفی مراجع کے لئے اپنے جامعہ دار القرآن سر خیز احمد آباد کی کتابوں سے فائدہ اٹھانے کا خوب موقع دیا اور گاہے بگاہے نیک مشورہ سے نوازتے رہے ان کی عنایات ہمیشہ میرے ساتھ ہیں مفتی صاحب کی وسعت ظرفی ہے کہ جب ہم لوگوں نے نیپال بہار سرحدی مسلمانوں کی خستہ حالی اور جہالت وغربت کی وجہ سے بددینی کا احساس دلایا تو انھوں نے ہم چند نوجوان علماء کا ٹرسٹی ادارہ الفلاح ایجوکیشن فاؤنڈیشن کی صدارت قبول فرما کر اسکے تحت سرحدی علاقوں میں مکاتب قرانیہ اور فاربس گنج شہر میں جامعۃ الفلاح اور اسلامی اسکول وغیرہ کا سلسلہ شروع فرما کر ہم لوگوں کو علمی دینی قومی خدمات کا موقع دیا اور اس کی رہنمائی فرما رہے ہیں ان چیزوں میں حضرت مولانا احمد حسین صاحب مظاہری پٹنی مدظلہ بھی برابر کے شریک ہیں ان کے اہتمام میں مجھے علمی ودینی خدمات کا خوب موقع ملا۔ اللہ ان حضرات کے فیوض کو عام ودائم فرمائے۔

خیر! حضرت مولانا مفتی جمال الدین صاحب خلیق وہمدرد اور عمر رسیدہ بزرگ ہیں ہر اعتبار سے ہم سے بڑے ہیں مگر ہمارے ساتھ بیحد قدر اور عزت کا معاملہ فرماتے ہیں ان کی ہی

توجہ اور ذرہ نوازی سے دونوں جلدوں کی طباعت کا کام ہمارے لئے آسان ہوا ہے۔ بڑی احسان فراموشی ہوگی اگر حضرت مولانا عبدالاحد صاحب تاراپوری اور حضرت مولانا قاری عبدالحمید صاحب پانولی مدظلہما کا شکریہ ادا نہ کروں جنہوں نے بغیر میرے مطالبہ کے پہلی طباعت میں کچھ تعاون فرما کر ہمیں سہارا دیا تھا اللہ ان تمام حضرات کا سایہ تادیر بایں ہمہ فیوض وبرکات قائم دائم رکھے۔

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر اس موقع پر حضرت مولانا خلیل الرحمٰن صاحب قاسمی نیپالی زیدمجدہ (شیخ الحدیث جامعہ الفضل جوہاپوری احمد آبادی) کا شکریہ ادا نہ کروں جنھوں نے ہمہ تن مشغول ہوکر میری اس کتاب (خزینۃ الفقہ) کی دونوں جلدوں پر گہری نظر فرمائی اور کافی حد تک اردو محاورات وغیرہ کی اصلاح وترمیم کی (جزاہ اللہ عنی احسن الجزاء) ان کے علاوہ مولانا مہتاب عالم صاحب قاسمی شیخ الحدیث جامعہ الفضل احمد آباد و مولانا صدیقی ندوی پٹنی اور یہاں کے مدرس مفتی آفتاب عالم صاحب قاسمی و مفتی ثناء اللہ صاحب قاسمی اور قاری جہانگیر صاحب وغیرہ نے بھی ایک نظر ڈالی (فجزاھم اللہ عنی جمیعا) اور جہاں تک ہوسکا میں نے بھی ازسرنو دیکھا۔ بہرکیف جلد اول کا دوسرا ایڈیشن کچھ مسائل کے اضافہ کے ساتھ اور جلد ثانی کا پہلا ایڈیشن الغرض دونوں جلدیں کافی حد تک غلطیوں سے صاف ستھرا ہوکر منظر عام پر آرہی ہے تاہم پھر بھی غلطیوں کے رہ جانے کا احتمال ہے اس لئے قارئین سے درخواست ہے کہ اس تہی دامن کو آگاہ فرمادیں تو آپ کا بیحد شکر گزار ہونگا۔

سب سے زیادہ شکریہ کے مستحق ہمارے محترم برادر عزیز جناب مولانا شمس تبریز قاسمی زیدمجدہ ہیں جنھوں نے کتاب کی کمپوزنگ وطباعت کی ساری ذمہ داریاں لیکر ہم کو فارغ کردیا ہے اللہ ان کی محنت کا ان کو بہترین بدلہ عطا کرے۔ نیز مولانا افتخار حسین صاحب مدنی دہلی و مولانا محمد شریف صاحب پٹنی نے بھی اس سلسلہ میں ہماری رہنمائی کی ہے (حفظھم اللہ وجزاھم عنا خیر الجزاء)

نیز ہمارے شاگرد رشید عزیزان مولوی عبیداللہ عباسی رنوجوی و مولوی بشیر عباسی اسلام پوری نے بڑی سعادت مندی کے ساتھ تسوید وتبیض میں حصہ لیا۔ (زادھم اللہ علما وتوفیقاً)

ان کے علاوہ ان تمام احباب کے بھی ہم شکرگزار ہیں جنھوں نے کسی طرح کا بھی تعاون فرما کر خلوص ومودت کا نذرانہ پیش کیا ہے۔ (فجزاھم اللہ عنی جمیعا) فقط

العبد

محمد کوثر علی سبحانی مظاہری

الحمدلله رب العالمین و الصلوة و السلام علی سید المرسلین محمد و اله و اصحابه أجمعین

اللهم انّی احمدک واستعینک علی الجمع و التالیف

نکاح کے معنی

لغت میں نکاح کے متعدد معنی ہیں۔مل جانا، جماع کرنا، شادی کرنا۔اور شریعت میں اس کا مطلب ہے،عورت ومرد کے درمیان ایجاب وقبول کے ذریعہ ایسا خاص عقد ومعاہدہ جس کے تحت دونوں (مرد وعورت) ازدواجی زندگی میں بندھ جائیں اوران کے بیچ میاں بیوی کا تعلق قائم ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے سے منافع حاصل کرنا جائز اوران سے پیدا ہونے والی اولاد کا نسب شرعاً ثابت ہوجائے۔[1]

شریعت میں نکاح کی اہمیت

انسان بچپن کی زندگی گزار کر جب زمانۂ شباب کو پہنچتا ہے تو اس کے اندر جنسی خواہشات خودبخود پیدا ہوجاتی ہیں۔ جوان ہونے کے بعد مرد وعورت کا اجتماع یہ انسان کا طبعی وفطری تقاضا ہوتا ہے۔مگر اس فطری تقاضے کی تکمیل کے لئے ہر شریعت اور مہذب قوم نے انسان کو ایک خاص معاہدہ کا پابند بنایا ہے جس کو شادی بیاہ کا عقد کہا جاتا ہے۔اس عقد ومعاہدہ کے بغیر مرد وعورت کا یکجا ہوکر جنسی خواہشات کی تکمیل تمام مذاہب ومعاشرہ میں حرام اور گناہ کبیرہ ہی نہیں بلکہ انسانی سطح سے گرا ہوا گھناؤنا فعل

---

[1] هو...... عقد یفید ملك المتعة ای حل استمتاع الرجل من امرأة لم یمنع من نكاحها مانع شرعی...... قصدا (قوله ای حل استمتاع الرجل) ای المرأة انه عقد یفید حكمه بحسب الوضع الشرعی وفی البدائع ان من احكامه ملك المتعة وهو اختصاص الزوج بمنافع بضعها وسائر اعضائها استمتاعاً (درمختار مع الشامی صفحه ۵۹ جلد۴) اما النكاح الصحیح فله احكام بعضها اصلی وبعضها من التوابع اما الاصلیة فمنها حل الوط ء ـ ومنها ثبوت النسب (بدائع الصنائع ص ٦٤٤ تا ٦٤٦ جلد ٢)

سمجھا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تک جتنی شریعتیں اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اتاری ہیں سب میں نکاح کو نہایت اہمیت حاصل رہی ہے۔ چنانچہ صاحب درمختار فرماتے ہیں۔

لیس لنا عبادة شرعت من عهد آدم الی الآن ثم تستمر فی الجنة الا النکاح والایمان [۱]	کہ جو عبادتیں ہمارے لئے مشروع ہیں ان میں نکاح اور ایمان کے علاوہ کوئی ایسی عبادت نہیں جو کہ حضرت آدمؑ سے لیکر جنت تک مشروع ہو؟

صاحب مرقاۃ ملا علی قاری فرماتے ہیں (هو اقرب الی العبادات الخ) یعنی نکاح معاملات کے مقابلے میں عبادت سے زیادہ قریب ہے حتی کہ نکاح میں مشغول ہونا محض نفلی عبادت کیلئے تخلیہ وتنہائی اختیار کرنے سے بہتر ہے۔[۲]

ایک حدیث میں ہے کہ تین صحابیؓ نے حضور ﷺ کی غیر موجودگی میں ازواج مطہرات میں سے کسی کے پاس آ کر حضور ﷺ کی عبادتوں کا حال دریافت کیا اور آپؐ کی عبادات کو کم سمجھ کر آپس میں گفتگو کرتے ہوئے تینوں نے کہا کہ ہم کہاں اور کہاں جناب آقا ﷺ (یعنی ہمارے اور آپؐ میں کیا نسبت) کیونکہ آپ کے تو اگلے پچھلے گناہ معاف کردیئے گئے ہیں۔ چنانچہ ان میں سے ایک صاحب نے تمام رات جاگ کر نماز میں مشغول رہنے کا عہد کرلیا تو دوسرے شخص نے مسلسل روزہ رکھنے اور کبھی افطار نہ کرنے کی نیت کرلی اور تیسرے نے کہا میں تو عورتوں سے الگ رہوں گا کبھی نکاح ہی نہیں کرونگا جب آپ ﷺ کو ان تینوں کا حال معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے ان لوگوں کو تہدیدی انداز میں خطاب فرمایا کہ۔

---

۱ (درمختار علی شامی صفحه ۵۷ جلد ٤)
۲ مرقاة المفاتیح شرح مشکوة المصابیح جلد٤ ص ۷

اما والله انی لاخشاکم لله واتقاکم له لکنی اصوم وافطر واصلی وارقد واتزوج النساء فمن رغب عن سنتی فلیس منی متفق علیه[۱]

کان کھول کر سن لو خدا کی قسم میں تم لوگوں سے زیادہ اللہ تعالی سے ڈرتا ہوں اور ان کی نافرمانی سے بچتا ہوں اس کے باوجود میں کبھی نفلی روزہ بھی رکھتا ہوں اور کبھی نہیں رکھتا رات کے ایک حصہ میں نماز میں مشغول ہوتا ہوں تو کبھی زیادہ حصہ رات کا سونے میں گذارتا ہوں اور میں نے عورتوں سے شادی بھی کی ہے پس جو میری سنت سے اعراض کرے وہ مجھ سے نہیں۔

ایک مرتبہ آپ نے نوجوانوں کو مخاطب کر کے فرمایا۔

یا معشر الشباب من استطاع منکم الباء ة فلیتزوج فانه اغض للبصر واحصن للفرج ومن لم یستطع فعلیه بالصوم فانه له وجاء متفق علیه[۲]

اے جوانوں کی جماعت تم میں سے جو شخص مجامعت (اور اس کے لوازمات نان نفقہ) کی قدرت رکھتا ہو تو اسے نکاح کر لینا چاہئے کیونکہ نکاح کرنا نظر کو نیچی کرتا ہے اور شرمگاہ کو بہت محفوظ رکھتا ہے اور جو (مجامعت ونان نفقہ) کی قدرت نہیں رکھتا تو اس کو چاہئے کہ وہ روزہ رکھے کیونکہ روزہ اس کے لئے شہوت شکن (ہتھوڑا) ہے۔

نکاح کرنا آدھا دین ہے

عن انس رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ اذا تزوج العبد فقد استکمل نصف الدین فلیتق الله فی النصف الباقی[۳]

حضرت انسؓ راوی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے نکاح کیا اس نے آدھا دین مکمل کر لیا اب اسے چاہئے کہ آدھے دین

[۱] بخاری شریف صفحه ۷۵۷ جلد۲ [۲] (مشکوة صفحه ۲۶۷ جلد ۲ کتاب النکاح)
[۳] (مشکوة صفحه ۲۶۸ جلد ۲ کتاب النکاح)

کے سلسلے میں خدا سے ڈرے۔

(فائدہ): انسانی جسم میں دوایسے اعضاء ہیں جن سے اکثر گناہوں کا صدور ہوتا رہتا ہے ایک شرمگاہ اور دوسرا پیٹ جب نکاح کرلیا تو ایک قسم کے گناہ سے حفاظت ہوگئی تو اب اسے چاہئے کہ حلال کمائی ہی کے ذریعہ اپنی اور اپنے اہل وعیال کی معیشت کا انتظام کرے اور حرام مال استعمال کرنے میں اللہ تعالی سے ڈرتا رہے۔

نیک بخت عورت دنیا کا بہترین سامان ہے

عن عبدالله بن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الدنيا كلها متاع وخير متاع الدنيا المرأة الصالحة [1]

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے منقول ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ پوری دنیا ایک متاع (یعنی تھوڑی دیر فائدہ حاصل کرنے کا سامان ہے) اور دنیا کی بہترین متاع نیک بخت عورت ہے۔

شادی کرنے والوں کیلئے فراخیٔ رزق کا وعدہ ہے

اللہ تبارک وتعالی نے قرآن کریم میں انسانوں کو شادی کا حکم دیتے ہوئے فراخیٔ رزق کا وعدہ فرمایا ہے کہ

وَاَنْكِحُوْ الاَيَامىٰ مِنْكُمْ وَالصَّالِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَاءِ كُمْ اَنْ يَكُوْنُوْا فُقَرَاء يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِه وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ [2]

اے لوگو! تمام غیر شادی شدہ (آزاد) افراد اور پاکدامن غلام اور باندیوں کی شادی ضرور کردیا کرو اگروہ نادار اور مفلس ہوں گے تو اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی بنادیگا اللہ تو بہت وسعت والا اور بہت زیادہ جاننے والا ہے۔

---

[1] مشكوة ص ٢٦٧ ج ٢ كتاب النكاح) [2] (سورة النور آيت ٣٢)

(فائدہ): شادی بیاہ کرنے سے محتاجی نہیں بلکہ خوشحالی پیدا ہوتی ہے بہت سارے لوگ شادی سے قبل آرام طلبی سستی، کاہلی اور لاابالی پن میں اپنا وقت ضائع کرتے ہیں اس کے برخلاف شادی کے بعد بیوی بچے کا بار محسوس کر کے محنت کرنے والے خوش حال بن جاتے ہیں یہ بات صرف تجربہ ہی کی نہیں بلکہ شادی کے بعد فراخیٔ رزق کا قرآن میں وعدہ ہے اور احادیث وآثار سے اس کا ثبوت ہے۔[1]

نکاح کے فوائد

(۱) نکاح کا سب سے بڑا فائدہ نسل انسانی کی بقاء اور توالد وتناسل کا جاری رہنا ہے۔ (۲) انسان کے اندر جنسی ہیجان اور خواہشات نفسانی بہت بڑا ہلاکت خیز مرحلہ ہوتا ہے جو نکاح کرنے سے ٹھنڈا پڑ جاتا ہے۔ (۳) ہر آدمی اپنا گھر بسا کر اہل وعیال کیساتھ سکون سے رہنا چاہتا ہے جو نکاح سے حاصل ہوتا ہے۔ (۴) ہر آدمی کا اپنا ایک کنبہ اور بڑا خاندان ہوتا ہے جس کی حمایت سے اپنے آپ کو مضبوط اور محفوظ محسوس کر کے معاشرہ میں اپنے حقوق کے تحفظ کیلئے اپنا رعب داب قائم رکھنا چاہتا ہے جو نکاح سے حاصل ہوتا ہے۔ (۵) نکاح کرنے سے آدمی گھربار اہل وعیال کی خبر گیری اور اس کی پرورش کے سلسلے میں برابر محنت کر کے اپنے نفس کو مجاہدہ کا عادی بنا کر لاپرواہی کی زندگی سے دور رہتا ہے اور یہ صرف دنیوی اعتبار سے ہی نفع بخش نہیں بلکہ اخروی اعمال میں بھی اس کی وجہ سے چستی وفکرمندی کی عادت پڑ جاتی ہے۔ (۶) نکاح کے ذریعہ نیک وصالح اولاد پیدا ہوتی ہے جو صرف دنیا ہی میں اطمینان وسکون، عزت اور نیک نامی کا ذریعہ نہیں بلکہ اخروی طور سے بھی فلاح وسعادت کا سبب ہوتی ہے۔ (۷) ان سب فوائد کیساتھ اجر وثواب کا بھی مستحق ہوتا ہے کیونکہ میاں بیوی کا پاس بیٹھ کر محبت وپیار کی باتیں کرنا، ہنسی دل لگی میں دل بہلانا بھی نفل نماز سے بہتر ہے۔[2]

[1] معارف القرآن ص۴۱۲ ج۶ [2] اقتباس شلمی، مظاھر حق، بھشتی زیور

نکاح کے احکام

نکاح کا حکم سب کے حق میں یکساں نہیں ہے شریعت نے انسان کے مختلف حالات کی رعایت کی ہے علامہ ابن نجیم مصری بحر الرائق میں فرماتے ہیں (وصفته فرض وواجب وسنة وحرام ومکروه ومباح) یعنی نکاح کرنے کا حکم انسانی حالات کے اعتبار سے چھ قسم پر ہے۔

(۱) نکاح فرض:- اس وقت ہوتا ہے جبکہ مرد کی قوت مردانگی اور جنسی ہیجان اس قدر غالب ہو کہ نکاح نہ کرنے کی صورت میں زنا میں مبتلا ہو جانے کا یقین ہو اس کے ساتھ بیوی کے مہر اور اس کے نان نفقہ کی ادائیگی پر بھی قدرت ہو نیز یہ خوف بھی نہ ہو کہ بیوی کیساتھ اچھا سلوک کرنے کے بجائے اس کے ساتھ ظلم وزیادتی کا برتاؤ ہوگا تو ایسے حالات میں نکاح کرنا فرض ہوتا ہے نہ کرنے پر گناہ گار ہوگا۔

(۲) نکاح واجب:- اس صورت میں ہوتا ہے جبکہ جنسی ہیجان کا غلبہ تو ہو مگر اس قدر نہ ہو کہ زنا میں مبتلا ہو جانے کا یقین ہو۔ نیز مہر اور نفقہ کی قدرت کیساتھ ظلم کرنے کا خوف بھی نہ ہو تو ایسے حالات میں نکاح کرنا واجب ہے نہ کرنے سے گناہ گار ہوگا۔ ہاں! جنسی ہیجان کا غلبہ تو ہو مگر مہر اور نفقہ پر قادر نہیں تو پھر نکاح نہ کرنے سے گناہ گار نہ ہوگا۔

(۳) نکاح سنت مؤکدہ:- اس وقت ہوتا ہے جبکہ حالت اعتدال کی ہو یعنی مردانگی قوت اور جنسی ہیجان غالب تو نہ ہو لیکن بیوی کیساتھ مجامعت ومباشرت کی قدرت رکھتا ہو اور مہر ونفقہ کی بھی استطاعت ہو کہ صحیح طور پر حقوق زوجہ ادا کر سکے۔ نیز سنت مؤکدہ ہونے کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ نکاح کیوجہ سے ترک فرائض وواجبات اور سنن کا خوف نہ ہو۔ تو اس وقت نکاح کرنا سنت مؤکدہ ہے اور سنت کی نیت سے

نکاح کرنے والا اجر وثواب سے نوازا جائے گا نہ کرنے سے گناہ گار ہوگا۔

(۴) نکاح مکروہ:۔ اس وقت ہوتا ہے جبکہ بیوی پر ظلم کرنے کا خوف ہو کہ میرا مزاج بڑا سخت اور تیز ہے جس کی وجہ سے خطرہ ہے کہ میں بیوی پر ظلم وزیادتی سے نہیں بچ سکونگا تو ایسی حالت میں نکاح کرنا مکروہ ہے نکاح کرنے سے گناہ گار ہوگا۔

(۵) نکاح حرام:۔ اس وقت ہوتا ہے جبکہ بیوی پر ظلم کرنے کا خوف ہی نہیں بلکہ یقین ہو کہ مزاج کی سختی اور تندی کیوجہ سے بیوی کیساتھ اچھا سلوک قطعاً نہیں کرسکتا بلکہ ظلم کرنا یقینی ہے اور اس کے حقوق بھی ادا نہیں کرسکتا تو نکاح کرنا حرام اور گناہ کبیرہ ہوگا ایسے شخص کو نکاح سے بچنا لازم ہے۔

(۶) نکاح مباح:۔ اس وقت ہوتا ہے جبکہ مرد اپنے ان فرائض وحقوق کو جو بیوی کیلئے ہیں فی الحال تو نہیں آئندہ ادا نہ کرنے کا گمان رکھتا ہو تو ایسی حالت میں نکاح کرنا صرف مباح اور جائز ہے کرلے تو فبہا ورنہ کوئی گناہ نہیں۔[۱]

---

[۱] اوصفته فرض وواجب وسنة حرام ومكروه ومباح اما الاول فبأن يخاف الوقوع فى الزنا لو لم يتزوج بحيث لا يمكنه الاحتراز عنه الا به لأن ما لا يتوصل الى ترك الحرام الا به يكون فرضا واما الثانى فبأن يخافه لا بالحيثية المذكورة اذ ليس الخوف مطلقا مستلزما بلوغه الى عدم التمكن وبه يحصل التوفيق بين قول من عبر بالافتراض وبين من عبر بالوجوب وكل من هذين القسمين مشروط بشرطين الاول ملك المهر والنفقة فليس من خافه اذا كان عاجزا عنهما آثما بتركه كما فى البدائع الثانى عدم خوف الجور فان تعارض خوف الوقوع فى الزنا لو لم يتزوج وخوف الجور لو تزوج قدم الثانى فلا افتراض بل مكروه كما افاده فى فتح القدير ولعله لان الجور معصية متعلقة بالعباد والمنع من الزنا من حقوق الله تعالى وحق العبد مقدم عند التعارض لا حتياجه وغنى المولى تعالى واما الثالث فعند الاعتدال وسيأتى بيانه واما الرابع فبان يخاف الجور بحيث لا يمكنه الاحتراز عنه لأنه انما شرع لمصلحة من تحصين النفس وتحصيل الثواب وبالجور يأثم و يرتكب المحرمات فتنعدم المصالح لرجحان هذه المفاسد واما الخامس فبان يخافه لا بالحيثية المذكور وهى كراهة تحريم ومن اطلق الكراهة عند خوف الجور فراده القسم الثانى من القسمين واما السادس فبان يخاف العجز عن الأيفاء بمواجبه كذا فى المجتبى يعنى فى المستقبل (بحر الرائق صفحه ۱۴۰ ج ۳)

نکاح کے ارکان

نکاح کے دو رکن ہیں ایجاب اور قبول عاقدین میں سے جس کا کلام مقدم ہو مثلاً مرد یا عورت نے پہلے کہا کہ میں نے اپنا نکاح تم سے کیا تو اس کو ایجاب کہا جاتا ہے پھر اسی مجلس میں دوسرا یہ کہے کہ میں نے قبول کیا تو یہ قبول ہے ایجاب وقبول کے وقت عاقدین میں سے ہر ایک کیلئے دوسرے کا کلام سننا ضروری ہے۔ اور ایجاب وقبول کے سننے کی تین صورتیں ہیں۔ ا۔ بالاصالت یعنی زوجین خود سنیں۔ ۲۔ بالوکالۃ یعنی عاقدین کا وکیل سنے (توکیل بالنکاح کی پوری تفصیل آگے آرہی ہے)۔ ۳۔ بالولایۃ یعنی زوجین کا ولی سنے (ولایت کی بحث بھی آگے آرہی ہے)

ایجاب وقبول کا بلفظ ماضی ہونا

ایجاب وقبول میں سے ہر ایک ماضی کے صیغے سے ہونا چاہئے یعنی ایسا لفظ استعمال کیا جائے جس سے یہ بات سمجھی جائے کہ نکاح ہو چکا جیسے عورت خود یوں کہے کہ میں نے اپنے آپ کو تمہاری زوجیت میں دیا یا عورت کا ولی مرد سے کہے کہ میں نے اپنی بیٹی یا فلاں عورت کو جس کا نام فلاں ہے تمہاری زوجیت میں دیا یا کسی وکیل نے اپنی موکلہ کے متعلق کہا کہ میں نے اس کا نکاح تم سے کیا اس کے جواب میں مرد نے کہا کہ میں نے قبول کیا تو نکاح صحیح ہو جائے گا۔

ایجاب وقبول دونوں میں سے کوئی ایک ماضی ہو

دوسری صورت یہ ہے کہ ایجاب وقبول میں سے کوئی ایک ماضی کا صیغہ ہو خواہ دوسرا حال یا استقبال ہو تو بھی نکاح ہو جائے گا جیسے عورت نے کہا کہ تم مجھ سے نکاح کرلو یا عورت کا ولی مرد سے کہے کہ تم میری بیٹی سے یا فلاں عورت سے نکاح کرلو یا وکیل نے کہا کہ میری مؤکلہ سے نکاح کرلو اس کے جواب میں مرد نے کہا کہ میں نے قبول کیا تو نکاح صحیح ہو جائے گا یا اس کے برعکس مرد کہے کہ میں نے تمہارے ساتھ اپنا

نکاح کرلیا اس کے جواب میں عورت نے کہا کہ میں منظور کرتی ہوں تو بھی نکاح درست ہوجائے گا۔ اور اگر مرد عورت سے یوں کہے کہ کیا تم نے اپنے آپ کو میرے نکاح میں دیا اور اس کے جواب میں عورت۔ میں نے قبول کیا کے بجائے صرف ہاں کہدے تو بھی نکاح ہوجائیگا۔

البتہ گواہوں کے سامنے صرف اس اقرار سے کہ ہم دونوں میاں بیوی ہیں نکاح نہیں ہوگا۔[1]

ایجاب وقبول کے الفاظ صریحہ وکنایہ

ماضی کے صیغے کی طرح ایجاب وقبول میں نکاح وتزویج کا لفظ صراحۃً استعمال کرنا بھی ضروری ہے مثلاً مرد یا عورت ایجاباً کہے کہ میں نے تم سے نکاح کیا یا تزویج کیا یا نکاح اور تزویج کے ہم معنی کوئی ایسا لفظ استعمال کرے جس سے نکاح کا مطلب صراحۃً سمجھ میں آتا ہو جیسے مرد نے کہا کہ میں نے تمہیں اپنی بیوی بنالیا یا یوں کہا کہ میں تمہارا شوہر ہوگیا، یا تو میری بیوی ہوگئی تو نکاح ہوجائے گا۔

اور اگر اس نے ایسا لفظ استعمال کیا جس سے کنایۃً نکاح کا مفہوم نکلتا ہو اور اس کو گواہ وغیرہ بھی سمجھ رہے ہوں تو بھی نکاح صحیح ہوجائیگا بشرطیکہ اس لفظ سے فی الحال پوری ملکیت مراد لی جاتی ہو جیسے ہبہ، صدقہ، تملیک، بیع، شراء وغیرہ۔ مگر اس میں نکاح کی نیت کرنا اور نکاح ہو رہا ہو اس پر کسی قرینہ کا پایا جانا اور پھر اس کو گواہ اور خود عاقدین کا سمجھنا شرط ہے۔ نیز ان کلمات کا ترجمہ یا مفہوم عربی کے علاوہ کسی دوسری زبان میں

[1] وينعقد ملتبسا بايجاب من احدهما وقبول من الاخر وضعا للمضى لان الماضى ادل على التحقيق كزوجت نفسى او بنتى او موكلتى منك ويقول الاخر تزوجت وينعقد ايضا بما اى بلفظين وضع احدهما له للمضى والاخر للاستقبال او للحال فالاول الامر الخ ولا بالاقرار على المختار خلاصة كقوله هى امرأتى الخ (درمختار على حامش الشلمى صفحه ٦٩ تا ٧٤ جلد ٤)

بھی ادا کر دیا تو بھی نکاح منعقد ہو جائے گا۔[۱]

اگر مرد اور عورت دونوں وہاں موجود ہوں اور ولی یا وکیل یا نکاح خواں نے اشارہ سے کہا کہ میں نے تمہارا نکاح اس کیساتھ کر دیا تو بھی نکاح ہو جائے گا نام لینے کی ضرورت نہیں۔ ہاں اگر زوجین وہاں موجود نہیں تو پھر انکا اور انکے باپ کا بھی نام لینا ضروری ہے۔[۲]

بذریعۂ خط ایجاب وقبول سے نکاح

مرد نے عورت کو یوں لکھا کہ تم مجھ سے اپنا نکاح کر لو پھر عورت نے دو گواہوں کے سامنے مرد کے اس تحریری پیام کو نقل کرتے ہوئے یوں کہا کہ گواہ رہو میں نے اس مرد سے اپنا نکاح کر لیا تو نکاح منعقد ہو جائے گا۔ اگر عورت نے اس تحریر کو گواہ کے سامنے پڑھ کر نہیں سنایا اور صرف یہ کہا کہ میں نے اپنا نکاح فلاں مرد سے کیا تو نکاح منعقد نہیں ہوگا۔[۳]

(تنبیہ): تحریر کے ذریعہ صرف ایجاب یا صرف قبول ہوسکتا ہے دونوں تحریری ہی ہوں مثلاً ایک نے ایجاب لکھ کر بھیجا دوسرے نے بھی تحریری قبول بھیج دیا کہ میں نے قبول کیا اور گواہ وغیرہ اس تحریر پر نہیں بنایا یا تحریر گواہوں کے سامنے پڑھ کر نہیں سنایا تو

---

[۱] وانما یصح بلفظ تزویج ونکاح لانهما صریح وما عداهما کنایة هو کل لفظ وضع لتملیك عین کاملة فلا یصح بالشرکة فی الحال الخ کهبة وتملیك وصدقة وعطیة ... وکل ما تملك به الرقاب بشرط نیة او قرینة فهم الشهود المقصود (درمختار علی حاشیہ شامی صفحہ ۷۸ تا ۸۳ جلد ٤)

[۲] ان کانت المرأة حاضرة فاشار الیها عند التزویج کفی اما ان کانت غائبة حیث لایسمعون کلامها وعقدلها وکیلها فکفی ذکر اسمها لو کان الشهود یعرفونها والا فذکر اسمها واسم والدها وجدها بالصراحة لازم (ردالمختار ص ۲۷۲ ج ۲(بحوالہ حاشیہ بہشتی زیور ۲ حصہ ٤

[۳] ینعقد النکاح بالکتاب کما ینعقد بالخطاب وصورته ان یکتب الیها یخطبها فاذا بلغها االکتاب لحضرت الشهود وقرأته علیهم وقالت زوجت نفسی منه او تقول ان فلانا کتب الیّ یخطبنی فاشهدوا انی زوجت نفسی منه اما لو لم تقل بحضرتهم سوی زوجت نفسی من فلان لا ینعقد لان سماع الشطرین شرط صحة النکاح وباسماعهم الکتاب او التعبیر عنه منهما قد سمعوا الشطرین (شامی صفحہ ۷۳ جلد٤)

نکاح نہیں ہوگا۔

نیز ایجاب کی تحریر میں لڑکا یا لڑکی (یعنی ایجاب بھیجنے والے) کا نام مع ولدیت پتہ نشان اور مہر کا تذکرہ ضروری ہے۔ نیز تحریری ایجاب وقبول کیلئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ تحریر لکھنے والا مجلس عقد میں موجود نہ ہو ورنہ پھر زبانی ایجاب وقبول ضروری ہوگا۔

ٹیلیفون کے ذریعہ نکاح

ٹیلیفون پر ایجاب وقبول کرنے سے نکاح صحیح نہیں ہوگا کیونکہ ایجاب وقبول کرنے والے عاقدین کی مجلس متحد نہیں ہے ہاں اگر ٹیلی فون پر وکیل بنادیا جائے تو درست ہے مثلاً لڑکی یا لڑکے نے کسی کو ٹیلیفون پر وکیل بناتے ہوئے یوں کہا کہ میرا نکاح فلاں سے کردیجئے یا ولی مثلاً باپ نے کسی کو وکیل بنایا کہ میرے لڑکے یا لڑکی کا نکاح فلاں سے کردو پھر وکیل نے دوشرعی گواہ کے سامنے ایجاب وقبول کرادیا تو نکاح منعقد ہوجائے گا جیسے کوئی شخص امریکہ میں ہے اور وہ وہیں سے ہندوستان میں کسی لڑکی سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو اس کی صورت یہ ہے کہ ٹیلیفون وغیرہ سے کسی کو ہندوستان میں اپنا وکیل بنادے کہ وہ اس کی طرف سے فلاں لڑکی کے نکاح کو قبول کرلے پھر یہاں مجلس نکاح منعقد کی جائے اور قاضی صاحب یا لڑکی کے والد وغیرہ جو بھی نکاح پڑھائیں وہ کہیں کہ میں نے فلاں لڑکی کا نکاح فلاں شخص سے جو امریکہ میں ہے کیا اس کے بعد وکیل کہے کہ میں نے اس لڑکی کو فلاں کے نکاح میں قبول کیا تو اس طرح نکاح منعقد ہوجائے گا۔[1]

گونگا کے نکاح کا طریقہ

اگر گونگا لکھنا جانتا ہو تو اس کو ایجاب کے کلمات لکھ کردیئے جائیں اور وہ قبول کو تحریراً پیش کرے اور اگر لکھنا نہیں جانتا ہے تو جس طرح اور چیزوں کو اشارہ سے سمجھایا

---

[1] (فتاویٰ محمودیہ صفحہ ۱۶۲ تا ۱۶۳ جلد ۱۱)

جاتا ہے اسی طرح نکاح کے ایجاب کو بھی اشارہ سے سمجھایا جائے اور جب وہ سر یا ہاتھ سے قبول کیلئے اشارہ کردے تو نکاح صحیح ہوجائے گا۔[۱]

نابینا اور بہرے کا نکاح

ایک آدمی نابینا بھی ہو اور بہرہ بھی تو اس کے نکاح کا طریقہ یہ ہے کہ جس طرح اور ضروریات اس کو سمجھائی جاتی ہیں اور دریافت کی جاتی ہیں اسی طرح نکاح کے ایجاب کو بھی اس کا ہاتھ وغیرہ پکڑ کر سمجھایا جائے اور پھر وہ اشارہ میں قبول کرلے تو نکاح درست ہوجائے گا۔[۲]

اکراہ کے سبب نکاح

کسی مرد یا عورت سے کسی نے کہا تم اپنا نکاح مجھ سے یا فلاں سے قبول کرلو ورنہ جان سے مار ڈالوں گا اب اگر لڑکا یا لڑکی بخوف جان اس ایجاب کو قبول کرلے تو نکاح صحیح ہوجائے گا۔ نیز اسی طرح اگر ان کے اولیاء کو کسی نے دھمکایا کہ تم اپنی نابالغ لڑکی یا لڑکے کا نکاح مجھ سے قبول کرلو ورنہ زندگی سے ہاتھ دھونا پڑیگا اب اگر اولیاء ڈر کی وجہ سے اس نکاح کے ایجاب کو قبول کرلیتے ہیں تو نکاح درست ہوکر منعقد ہوجائیگا۔[۳]

ولی کی طرف سے جبراً نکاح کرنے کی دو صورتیں

ولی کو ولایت اجبار کن عورتوں پر ہے اس کا بیان باب الولایت میں تفصیل کے ساتھ آرہا ہے مگر یہاں جبراً نکاح کی دو صورتوں کو ذکر کردیا جارہا ہے وہ یہ کہ ولی نے

---

[۱] فان کان الاخرس لا یکتب وکان له اشارة تعرف فی طلاقه ونکلحه وشرائه وبیعه فهو جائز الخ فقد رتب جواز الاشارة علی عجزه عن الکتابة فیفید انه ان کان یحسن الکتابة لاتجوز اشارته (شامی صفحه ۵۸٤ جلد ۲ ماخوذ فتاوی دارالعلوم صفحه ٦٠ جلد۷)

[۲] وینبغی ان لا یختلف فی انعقادة بالاصمین اذا کان کل من الزوج والزوجة اخرس لان نکاحه کما قالو ینعقد بالاشارة حیث کانت معلومة (شامی صفحه ۲۷۳ جلد ۲ نعمانیه بحواله فتاوی محمودیه صفحه ۳۲۳ جلد ۱٠) [۳] اذ حقیقة الرضا غیر مشروطة فی النکاح لصحة مع الاکراه والهزل (شامی صفحه ۸٦ جلد٤ زکریا)

ڈرادھمکا کر دولڑکیوں کا نکاح جبراً کرایا کہ ان میں سے ایک بالغہ اور دوسری مراہقہ ہے لڑکی نے وحشت کے مارے دبی زبان میں نکاح کو قبول کرتے ہوئے ہاں کہا مگر لڑکی شوہر کے بچہ ہونے یا کسی اور وجہ سے اس نکاح سے انکار کردے تو اس کا حکم یہ ہے کہ بالغہ کا نکاح تو اس کے قبول کرنے سے بہر صورت لازم ہو چکا اب بجز موت یا طلاق کے علیحدگی کی کوئی صورت نہیں رہی نابالغہ مراہقہ کا نکاح جبراً اولیا میں سے باپ دادا نے کیا ہے تو اس کا حکم بھی پہلے جیسا ہے کہ نکاح لازم ہو چکا بجز شوہر کی موت اور طلاق کے چھٹکارا کی کوئی صورت نہیں ہاں اگر باپ دادا کے علاوہ کسی اور ولی نے یہ نکاح جبراً کیا تو پھر لڑکی کو بالغ ہوتے ہی اس نکاح کو فسخ کرانے کا اختیار ہوگا کسی مسلمان حاکم یا قاضی کی عدالت میں مقدمہ دائر کر کے اپنا نکاح فسخ کرا سکتی ہے۔[1]

ہنسی مذاق سے نکاح

دو شرعی گواہوں کی موجودگی میں بلا قصد وارادہ ہنسی مذاق میں بھی ایجاب وقبول ہو گیا تو نکاح منعقد ہو جائے گا مثلاً دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کے سامنے مذاقاً لڑکے نے لڑکی سے کہا میں نے تم سے اپنا نکاح کیا۔ یا ولی نے اپنے نابالغ لڑکے یا لڑکی کے متعلق کسی سے مذاقاً کہا کہ میں نے اس کا نکاح تم سے کر دیا اور دوسرے نے اس کو قبول کر لیا تو نکاح ہو جائے گا اور لڑکے لڑکی کے مابین زوجیت کا رشتہ قائم ہو جائے گا کیونکہ حضور ﷺ کی حدیث ہے۔

ثلاث جدھن جد وھزلھن جد النکاح والطلاق والرجعۃ[2] کہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ ان کا قصد کرنا بھی قصد ہے اور ہنسی مذاق میں منہ سے نکالنا بھی قصد ہے وہ نکاح، طلاق اور رجعت ہے۔

ہاں اگر ایجاب کرنے والا دوسرے کے قبول کرنے سے قبل مجلس بدل دے یا کسی ایسے کام میں مشغول ہو جائے جس سے اعراض معلوم ہوتا ہو تو پھر

[1] (جواہر الفقہ صفحہ ١٠٦ جلد ٤) [2] ترمذی شریف صفحہ ٢٢٥ جلد ١

نکاح منعقدنہیں ہوگا۔[۱]

انشاءاللہ کیساتھ ایجاب وقبول سے نکاح

انشاءاللہ کے ساتھ ایجاب وقبول سے نکاح صحیح نہیں مثلاً لڑکی نے ایجاب میں کہا کہ میں نے انشاءاللہ اپنے آپکوتمہاری زوجیت میں دیا۔ یالڑکی کے ولی نے کہا کہ انشاءاللہ میں نے اپنی لڑکی کا نکاح تم سے کیا۔ یالڑکے ہی نے قبول کرتے ہوئے کہا کہ انشاءاللہ میں نے اس نکاح کوقبول کیاتو نکاح منعقدنہیں ہوگا کیونکہ لفظ انشاءاللہ کیساتھ عقدنکاح کاتحقق نہیں ہوتا۔[۲]

نکاح کے اقسام

نکاح کی اولاً دوقسمیں ہیں (۱) نکاح صحیح (۲) نکاح غیرصحیح۔[۳]

نکاح صحیح کی تعریف

نکاح صحیح وہ جس میں نکاح کے تمام ارکان وتمام شرائط پائے جائیں۔
ارکان توگزرچکےاورشرائط حسب ذیل ہیں۔

نکاح صحیح کے شرائط

(۱) ایجاب وقبول دونوں ایک ہی مجلس میں ہوں یعنی ایجاب وقبول کے

---

[۱] ومن شرائط الایجاب والقبول اتحاد المجلس ... ولا یشترط العلم بمعنی الایجاب والقبول فیما یستوی فیه الجدل والهزل اذ لم یحتج لنیة به یفتی (درمختار) فلو لختلف المجلس لم ینعقد فلو اوجب لحدهما فقام الاخر او اشتغل بعمل اخر بطل الایجاب (شامی مع در مختار صفحه ۷٦ تا ۷۸ جد ٤)

[۲] هو ...... عقد یفید ملك المتعة (درمختار) العقد مجموع ایجاب احد المتکلمین مع قبول الاخر او کلام الواحد القائم مقلمها (شامی صفحه ۵۹ جلد٤ زکریا) وینعقد بایجاب وقبول وضعا للمضی لان الملضی ادل علی التحقیق (درمختار) وقوله علی التحقیق ای تحقیق وقوع الحدث (شامی صفحه ٦۹ جلد٤ زکریا) وظاهر ان لا تحقیق مع استثناء (بحواله فتاوی دارالعلوم صحفه ٦۲ جلد۷)

[۳] فالنکاح لایخلو اما ان یکون صحیحا واما ان یکون فاسدا بدائع الصنائع ۳۳۱ جلد ۲

درمیان کوئی ایسا کام نہ ہو جس سے ایجاب کا غیر اہم اور نا منظور ہونا سمجھا جائے۔[۱]

(۲) عاقدین میں سے ہر ایک کا (اصالۃً یا ولایۃً یا وکالۃً) ایجاب وقبول کے وقت دوسرے کا کلام سننا شرط ہے۔

(۳) ایجاب وقبول کے وقت ایسے دو گواہ کا ہونا شرط ہے جو مسلمان، آزاد، عاقل، بالغ ہوں دونوں گواہ مرد ہوں یا ایک مرد اور دو عورتیں (لہٰذا صرف عورتوں کی گواہی سے نکاح منعقد نہیں ہوگا اگرچہ عورتیں چار ہوں)۔[۲]

نیز دونوں گواہ عاقدین سے واقف ہوں۔ گواہوں کا پرہیز گار ہونا شرط نہیں صرف مستحب ہے البتہ نزاع کے وقت فاسق کی گواہی معتبر نہیں ہوگی۔ گواہوں کا بینا ہونا شرط نہیں نابینا بھی گواہ ہوسکتا ہے۔ اسی طرح گواہوں کا زوجین کا رشتہ دار نہ ہونا شرط نہیں رشتہ دار بھی گواہ ہوسکتے ہیں خواہ زوجین کے بیٹے ہی کیوں نہ ہوں مگر ان کی گواہی بھی نزاع کے وقت معتبر نہیں ہوگی۔ (۴) دونوں گواہوں کا ایک ساتھ ایجاب وقبول کا سننا اور سمجھنا شرط ہے یعنی دونوں گواہ یہ سمجھ رہے ہوں کہ یہ نکاح کا ایجاب وقبول ہو رہا ہے اگرچہ لفظ کے معنی نہ جانتے ہوں اگر دونوں گواہوں نے دونوں کے الفاظ سننے کے بجائے صرف ایجاب کے الفاظ کو سنا یا ایک گواہ نے صرف ایجاب اور دوسرے نے صرف قبول کو سنا یا دونوں گواہوں نے متفرقاً علیحدہ علیحدہ دونوں کے ایجاب وقبول کو سنا تو ان تمام صورتوں میں نکاح صحیح نہیں ہوگا۔ (۵) عاقدین (خواہ اصیل ہوں یا ولی یا وکیل) کا عاقل وبالغ ہونا ضروری ہے لہٰذا بچہ اور مجنون خود سے اپنا نکاح نہیں کرسکتا (اسکی تفصیل آگے آرہی ہے)۔[۳]

---

[۱] ومن شرائط الایجاب والقبول اتحاد المجلس (درمختار) فلو اختلف المجلس لم ینعقد فلو اوجب احدهما فقام الاخر او اشتغل بعمل اخر بطل الایجاب (شامی صفحه ۷٦ جلد ٤)

[۲] ولا ینعقد بشهادة المرأتین بغیر رجل وکذا الخنثیین اذا لم یکن معهما رجل (عالم گیری صفحه ۲٦۷ تا ۲٦۸ جلد ۱

[۳] وشرط سماع کل من العاقدین لفظ الاخر لیتحقق رضاهما وشرط حضور شاهدین حرین او حر وحرتین مکلفین سامعین قولهما معا علی الاصح فاهمین انه نکاح علی المذهب بحر مسلمین لنکاح مسلمة ولو فاسقین او محدودین فی قذف او اعمیین او ابنیی الزوجین او ابنیی احدهما (درمختار) قلنا انعقد بحضور الفاسقین والاعمیین والمحدودین فی قذف وان لم یتوبا وابنیی العاقدین وان لم یقبل اداؤهم عند القاضی (شامی صفحه ۹۳ جلد٤)

(٦) نکاح کے صحیح ہونے کے لئے زوجین میں نکاح کی اہلیت کا پایا جانا شرط ہے مثلاً جس عورت سے نکاح کیا جائے وہ محرمات میں سے نہ ہو (محرمات کا بیان آگے آرہا ہے) (۷) اسی طرح نکاح کے لئے یہ شرط ہے کہ زوجین ہم جنس ہوں یعنی انسان کا نکاح انسان ہی سے ہوسکتا ہے کسی انسان کا نکاح دوسری مخلوق مثلا جنات یا پانی کے انسان سے نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح انسان مرد کا نکاح انسان عورت سے ہوگا مرد کا نکاح مرد سے جائز نہیں۔[1]

(۸) نکاح کیلئے یہ بھی شرط ہے کہ نکاح کسی وقت کیساتھ مؤقت کئے بغیر مطلقاً کیا جائے اگر کسی وقت کیساتھ مقید کر کے مثلاً دو گواہوں کی موجودگی میں کسی نے صرف دس دن کیلئے نکاح کیا تو یہ نکاح حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک باطل ہے مگر امام زفر کے یہاں یہ نکاح صحیح اور لازم ہوگا اور شرطِ فاسد باطل ہوجائے گی علامہ شامی نے امام زفر ہی کے قول کو ترجیح دیا ہے اور حنفیہ کے یہاں اسی قول پر فتوی بھی ہے۔[2]

(۹) نکاح کے ایجاب وقبول سے فوراً انعقادِ نکاح کا معلوم ہوجانا شرط ہے لہٰذا اگر ایجاب وقبول کو آئندہ زمانہ کی طرف منسوب کیا مثلاً کسی نے یکم شعبان کو ایجاب کرتے ہوئے کہا کہ میں نے اپنی لڑکی کو تمہاری زوجیت میں دی فریق ثانی نے کہا کہ میں نے دو شعبان کو قبول کیا یا کسی نے ایسے کام پر نکاح کو معلق کیا جس کا آئندہ پیش آنے کا امکان ہو مثلاً قبول کرتے ہوئے کہا کہ مجھے یہ نکاح منظور ہے بشرطیکہ میرے والد کو بھی پسند ہو، تو ان صورتوں میں نکاح منعقد نہیں ہوگا۔[3]

(۱۰) عاقدین کا ہوش میں ہونا شرط ہے کہ دونوں سمجھ رہے ہوں کہ کیا کہہ

---

[1] هو عند الفقهاء عقد يفيد ملك المتعة اى حل استمتاع الرجل من امرأة لم يمنع من نكاحها مانع شرعى فخرج الذكر والخنثى مشكل والوثنية لجواز نكورته والمحارم والجنية وانسان الماء لاختلاف الجنس (درمختار على حامش شامى صفحه ٥٩ تا ٦١ جلد ٤)

[2] والنكاح الموقت باطل مثل ان يتزوج امرأة بشهادة شاهدين عشرة ايام وقال زفر هو صحيح لازم لان النكاح لا يبطل بالشروط الفاسد (هدايه صفحه ٣١٣ جلد ٢) ثم رجع قول زفر بصحة الموقت على معنى انه ينعقد مؤبدا ويلغوا التوقيت (شامى صفحه ١٤٩ جلد٤

[3] ومن شرائط الايجاب والقبول الخ ان لايكون مضافا ولا معلقا كما سيجئ (درمختار) قوله وان لايكون مضافا كتز وجتك غدا ولا معلقا اى على غير كائن كتزوجتك ان قدم زيد (شامى صفحه ٧٧ ج ٤)

رہے ہیں لہٰذا معطل الحواس یعنی بے ہوشی کی حالت میں ایجاب وقبول کرانے سے نکاح صحیح نہیں ہوگا۔[۱]

(۱۱) عقد نکاح کے وقت مہر کا صراحۃً تذکرہ کردینا ضروری ہے اگر مہر کی تصریح وتعیین نہیں کی گئی تو بھی نکاح صحیح ہوجائیگا مگر مہر مثل لازم ہوگا بشرطیکہ شوہر نے بیوی سے وطی کرلی ہو یا زوجین کے مابین خلوت صحیحہ پائی گئی ہو یا زوجین میں سے کوئی مرجائے ورنہ بغیر وطی اور خلوت صحیحہ یا موت کے صرف متعہ ملے گا۔ (مہر کے بیان میں تفصیل آرہی ہے)۔[۲]

(۱۲) طے شدہ قول وقرار کے مطابق ایجاب وقبول کا ہونا نکاح کیلئے شرط ہے یعنی جتنے مہر پر نکاح ہونا طے پایا ہے اتنے ہی مہر پر عقد نکاح ہو لہٰذا اگر مرد نے ایک متعینہ مہر (مثلاً دو ہزار روپئے) پر ایجاب کیا لیکن عورت نے مہر کی مقدار میں (ایک ہزار) اضافہ کرکے (تین ہزار روپئے پر) نکاح کو قبول کیا یا عورت نے ایک متعینہ مقدار (مثلاً تین ہزار روپئے) پر ایجاب کیا لیکن مرد نے اس میں (ایک ہزار) کم کرکے (دو ہزار روپئے پر) نکاح کو منظور کیا تو نکاح منعقد نہیں ہوگا کیونکہ یہ ایجاب کرنے والے کے منشاء کے خلاف قبول ہے جس پر اس کی رضامندی نہیں پائی گئی۔ ہاں اگر اس کا برعکس ہو کہ عورت نے مرد کے ذکر کردہ مہر میں کمی کردی یا عورت کے ذکر کردہ مہر میں مرد نے اضافہ کردیا تو نکاح منعقد ہوجائے گا کیونکہ اس میں ایجاب کرنے والے کا نقصان کے بجائے فائدہ ہے جو اس کے منشاء کے بالکل موافق ہے گویا نکاح تو متعینہ مقدار ہی پر ہوا۔ مگر عورت نے اس میں اپنی طرف سے معاف کردیا یا مرد نے اپنی طرف سے تبرعاً کچھ بڑھادیا۔[۳]

---

[۱] واما شروطه فمنها العقل والبلوغ والحرية فى العاقد الا ان الاول شرط الانعقاد فلا ينعقد نكاح المجنون والصبى الذى لا يعقل الخ منها سماع كل من العاقدين كلام صاحبه (عالم گیر صفحه ۲٦۷ جلد۱) [۲] ويصح النكاح وان لم يسم فيه مهر الخ قال وان تزوجها ولم يسم لها مهرا اوتزوجها على ان لا مهر لها فلها مهر مثلها ان دخل بها اومات عنها (هداية صفحه ۳۲۳تا ۳۲٤ جلد۲)

[۳] ومن شرائط الايجاب والقبول ... ان لا يخالف الايجاب القبول كقبلت النكاح لا المهر نعم يصح الحط كزيادة قبلتها فى المجلس (درمختار) قوله نعم يصح الحط) اى اذا قال تزوجتك بالف فقالت قبلت بخمسمأة يصح ويجعل كانها قبلت الألف حطت عنه خمس مائة بحر ولايحتاج الى القبول منه لان هذا اسقاط الاراء بخلاف الزيادة كما لو قالت زوجت نفسى منك بالف فقال الزوج قبلت بألفين صح النكاح بألف الا ان قبلت فى المجلس فيصح بالفين على المفتى به (شامى ۷۷ جلد٤)

(۱۳) نکاح کے منعقد ہونے کیلئے ایجاب کے مکمل ہونے کے بعد قبول کرنا شرط ہے لہٰذا ایجاب کے کلمات مکمل ہونے سے قبل ہی قبول کرلیا تو نکاح صحیح نہیں ہوگا مثلاً کسی نے کہا میں نے اپنی بیٹی تیری زوجیت میں دی اور لفظ دی کہنے سے قبل فریق ثانی نے کہا کہ میں نے قبول کیا تو یہ قبول معتبر نہیں ہوگا۔[۱]

(۱۴) زوجین کا ہم مذہب یعنی مسلمان ہونا شرط ہے۔ (اسکی پوری تفصیل محرمات کے بیان میں اختلاف مذاہب میں آرہی ہے)۔

نکاح میں شرط لگانا

مقتضائے عقد کے خلاف یا شرعاً حرام شرط پر نکاح ہوا تو شرط باطل ہوجائے گی اور عقد صحیح ہوجائے گا مثلاً زوجین نے اس شرط پر نکاح کیا کہ ہم دونوں آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہیں ہونگے یا شوہر نے کہا کہ ہمارے اوپر نفقہ کی ذمہ داری نہیں ہوگی یا متعین مقدار نفقہ پر نکاح کیا تو اس کا کچھ اعتبار نہیں ہوگا میاں بیوی دونوں آپس میں وارث ہوں گے اور شوہر پر نفقہ کی ذمہ داری ہوگی، عورت کو عام دستور کے مطابق ہی نفقہ ملے گا۔[۲]

نکاح صحیح کی قسمیں

نکاح صحیح کی چار قسمیں ہیں (۱) نکاح نافذ (۲) نکاح موقوف (۳) نکاح لازم (۴) نکاح غیر لازم

نکاح نافذ وموقوف کی تعریف

جس نکاح میں مندرجہ ذیل شرائط پائے جائیں وہ نکاح صحیح نافذ ہوگا اور شرائط

---

[۱] واذا وصل الایجاب بالتسمیة للمهر كان من تمامه ای الایجاب فلو قبل الاخر قبله لم يصح لتوقف اول الكلام على آخره (درمختار على حامش شامى صفحه ۷۵ جلد ٤)

[۲] وما لا يبطل بالشروط الفاسدة ستة وعشرون ... والنكاح لايصح تعليقه ولا اضافته لكن لا يبطل بالشرط ويبطل الشرط (فتح القدير صفحه ۲۱۹ ج۵ ماخوذ مجموعه قوانين اسلامى) رجل تزوج امرأة على ان ينفق عليها فى كل شهر مائة دينار قال ابو حنيفة رحمة الله تعالى النكاح جائز ولها نفقة مثلها بالمعروف، رجل تزوج امرأة على الف درهم على ان لاترثه ولا يرثها جاز النكاح ويتوارثان (فتاوى قاضى خان على حامش الهندية صفحه ۳۳۱ جلد ۱)

کے مفقود ہونے کی صورت میں نکاح موقوف کہلائے گا۔

نکاح نافذ کی شرطیں

(۱) نکاح کے ایجاب وقبول کرنے والے عاقدین (خواہ اصیل ہوں یا وکیل) عاقل بالغ ہوں۔لہٰذا اگر کسی ہوشمند نابالغ لڑکے یا لڑکی نے اپنا ایجاب وقبول خود کیا تو نکاح ولی کی اجازت پر موقوف رہے گا۔اگر مجنون یا مجنونہ نے کیا تو نکاح منعقد ہی نہیں ہوگا۔[۱]

(۲) نابالغ یا مجنون لڑکا لڑکی کے نکاح کے نافذ ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ ان کا نکاح کرنے والے ولی اقرب ہو لہٰذا اگر ولی اقرب کی موجودگی میں ولی ابعد نے کردیا تو یہ نکاح ولی اقرب کی اجازت پر موقوف رہے گا۔[۲]

(۳) نابالغ یا مجنون لڑکا لڑکی کے دو برابر کے ولی ہونے کی صورت میں نکاح کے نافذ ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ نکاح دونوں کے مشورہ سے ہو اگر بغیر مشورہ کے کسی ایک نے کردیا تو نکاح دوسرے ولی کی اجازت پر موقوف رہے گا۔ (تینوں شرطوں کی تفصیل ولایت نکاح میں آرہی ہے)

(۴) وکیل اپنے مؤکل کے دئے ہوئے اختیارات کے موافق نکاح کریگا تو نکاح نافذ ہوگا ورنہ مؤکل کی اجازت پر موقوف رہے گا۔[۳] (وکالت نکاح میں اس کی تفصیل آرہی ہے)۔

---

[۱] اما شرط الانعقاد فنوعان نوع يرجع الى العاقد ونوع يرجع الى مكان العقد بالفعل فلا ينعقد نكاح المجنون والصبى الذى لايعقل لان العقل من شرائط اهلية التصرف فاما البلوغ فشرط النفاذ عندنا لاشرط الانعقاد على ما نذكر ان شاء الله تعالى (بدائع الصناع ص ٢٣٤ جلد٢) فان نكاح الصبى وان كان منعقدا على اصل اصحابنا فهو غير نافذ ونفاذه يتوقف على اجازة وليه (بدائع الصناع ص ٢٣٣ جلد٢)

[۲] فلو زوج الابعد حال قيام الاقرب توقف على اجازته (درمختار على هامش شامى ص ١٩٩ جلد٤

[۳] اذا وكل رجلا بان يزوجه فلانة بالف درهم فزوجها اياه بالفين ان اجاز الزوج جاز وان رد بطل (فتاوى قاضيخاں على هامش الهنديه ص ٣٤٧ جلد١)

نکاح لازم وغیر لازم کی تعریف

نکاح کے بعد زوجین میں سے کسی کو یا ان کے اولیاء کو نکاح ختم کرانے کا اختیار نہ ہوتو وہ نکاح لازم ہوگا اگر فسخِ نکاح کا اختیار ہوتو وہ نکاح غیر لازم کہلائے گا۔

نکاح لازم کی شرطیں

(۱) نابالغ لڑکا لڑکی کے نکاح کے لازم ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ ان کا نکاح باپ یا دادا کرے اسی طرح مجنون اور مجنونہ کا بھی نکاح باپ یا دادا یا بیٹا کرے۔ ان کے علاوہ اولیاء نے کیا تو یہ نکاح غیر لازم ہوگا اگر چہ کفو میں مہر مثل کے ساتھ کیا ہو۔ لڑکا لڑکی کو بلوغ کے بعد اور مجنون ومجنونہ کو جنون سے افاقہ کے بعد فسخ نکاح کا اختیار ہوگا۔[1]

(۲) بغیر اجازت ولی بالغہ عاقلہ لڑکی کے خودسرانہ نکاح کے لازم ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ اپنا نکاح کفو میں کرے ورنہ ولی قضاءِ قاضی کے ذریعہ نکاح فسخ کرا سکتا ہے۔ اسی طرح عاقلہ بالغہ اپنا نکاح مہر مثل پر کرے ورنہ ولی کو حق ہوگا کہ شوہر سے مہر مثل پورا کرنے کا مطالبہ کرے اور شوہر کے انکار کی صورت میں ولی قضاءِ قاضی کے ذریعہ نکاح فسخ کرا سکتا ہے۔[2] (ولایت نکاح میں تفصیل آرہی ہے)

(۳) نکاح کے لازم ہونے کی تیسری شرط یہ ہے کہ عورت اور اس کے ولی کو کفائت نکاح کے بارے میں دھوکا نہ دیا گیا ہو اگر شوہر نے دھوکا دہی سے کام لیا تو پھر

---

[1] وان كان المزوج غيرهما اى غير الاب وابيه لايصح النكاح من غير كف او بغبن فاحش اصلا... وان كان من كف و بمهر المثل صح ولكن لهما اى لصغير وصغيرة وملحق بهما خيار الفسخ ولو بعد الدخول بالبلوغ او العلم بالنكاح بعده.... بشرط القضاء للفسخ (درمختار على هامش شامى ص۱۷۳ جلد٤) المعتوه والمعتوهة والمجنون والمجنونة كالصغير والصغيرة فللولى انكاحهما اذا كان الجنون مطبقا الخ وابن المجنونة لم يعرف منهما سوء الاختيار مجانة وفسقا وان عرف لايصح النكاح اتفاقاً ... وان كان المزوج غيرهما اى غير الاب وابيه الخ لا يصح النكاح من غير كف او بغبن فاحش اصلا.... وان كان من كفو وبمهر المثل صح ولكن لهما اى لصغير وصغيرة وملحق بهما خيار الفسخ (درمختار على هامش شامى ٤١٧ تا ٤٢٠ جلد٢ نعمانيه)

[2] فنفذ نكاح حرة مكلفة بلارضا ولى ... وله اى للولى اذان كان عصبة الاعتراض فى غير الكفو (درمختار) (قوله فى غير الكفو) اى فو تزويجها نفسها من غير كفو وكذا له الاعتراض فى تزويجها نفسها باقل من مهر مثلها حتى يتم مهر المثل او يفرق القاضى (شامى ٤٠٧ تا ٤٠٨ جلد٢ نعمانيه)

عورت اور ولی دونوں کو قضاءِ قاضی کے ذریعہ نکاح فسخ کرانے کا اختیار ہوگا۔[۱]

نکاح غیر صحیح کی تعریف

نکاح کے ارکان میں سے کوئی ایک رکن اور تمام شرائطِ نکاح میں سے کوئی ایک شرط مفقود ہو تو وہ نکاح صحیح نہیں۔

نکاح غیر صحیح کی قسمیں

نکاح غیر صحیح کی دو قسمیں ہیں (۱) نکاح باطل (۲) نکاح فاسد

نکاح باطل کی تعریف

نکاح باطل یہ ہے کہ ارکان نکاح ایجاب وقبول کے صحیح نہ ہونے اور عاقدین میں اہلیت نکاح مفقود ہونے کی وجہ سے شرعاً منعقد ہی نہ ہو۔

نکاح باطل کی صورتیں

(۱) سرے سے ایجاب وقبول ہی نہ ہو یا ایجاب وقبول میں کوئی ایسی خامی ہو جس کی وجہ سے ایجاب وقبول اپنے شرائط کے مطابق صحیح نہ ہو (ایجاب وقبول کے بیان میں تفصیل گزر چکی)

(۲) ایجاب وقبول کے الفاظ ادا کرنے والے میں ضروری اہلیت (مثلاً عقل، بلوغ، حریّت وغیرہ) موجود نہ ہو۔[۲]

(۳) ایسی خاتون سے نکاح کرنا جو نکاح کے لائق نہیں مثلاً عورت محرمات میں سے ہو یا کسی کی منکوحہ ومعتدہ ہو یا خود نکاح کرنے والے کی مطلقہ ثلاثہ بغیر حلالہ کے ہو یا موجودہ بیوی کے ساتھ اس کا جمع کرنا حرام ہو جیسے بیوی کی بہن وغیرہ سے یا چار بیویوں کی موجودگی میں پانچویں سے یا ایسی عورت سے جو نہ مسلمان ہے نہ کتابیہ

---

[۱] لوتزوجته على انه حر او سنى او قادر على المهر والنفقة فبان بخلافه او على انه فلان ابن فلان فاذا هو لقيط او ابن زنا كان لها الخيار (درمختار علی ہامش شامی ص ۶۷۱ جلد ۵)

[۲] واما مشروطه فمنها العقل والبلوغ والحرية فى العاقد الا ان الاول شرط الانعقاد فلا ينعقد نكاح المجنون والصبى الذى لا يعقل (عالم گیری صفحہ ۲۶۷ جلد ۱)

(شرائط نکاح اور محرمات کے بیان میں اس کی تفصیل موجود ہے)

(۴) مرد وعورت میں سے کوئی ایک مرتد ہو یا مرد غیر مسلم اور عورت مسلمان ہو (اخیر کتاب میں مسائل متعلقہ کے تحت تفصیل آرہی ہے)

نکاح فاسد کی تعریف

ارکانِ نکاح اور عاقدین میں اہلیت نکاح تو موجود ہو مگر شرائط نکاح میں سے کوئی شرط مفقود ہو تو وہ نکاح فاسد ہے۔ باطل کے علاوہ جتنی صورتیں ہیں وہ سب نکاح فاسد ہیں دخول سے قبل اس کا حکم وہی ہے جو باطل کا ہے یعنی احکام نکاح میں سے کوئی حکم اس پر مرتب نہیں ہوگا۔ البتہ دخول کے بعد نکاح کے کچھ احکام اس پر مرتب ہوجاتے ہیں۔[1]

نکاح فاسد میں وطی کے بعد مرتب ہونے والے احکام

مہر متعینہ جس کی مقدار مہر مثل سے کم ہو نکاح اور وطی کرنے والے مرد پر واجب ہوگا اگر بوقت نکاح مہر مقرر نہیں ہوا تھا تو مہر مثل میں سے جو کم ہو واجب ہوگا۔[2]

اولاد کا نسب ان شرائط کے ساتھ ثابت ہوگا جو خزینۃ الفقہ جلد ثانی کے نسب کے بیان میں مذکور ہے۔[3]

تفریق یا متارکت کے بعد عورت پر عدواجب ہوگی۔[4]

(خزینۃ الفقہ جلد ثانی میں عدت کے بیان میں تفصیل آرہی ہے)

نکاح کی سنتیں اور مستحبات

(۱) جب نکاح کا ارادہ ہو تو پیغام دینے سے قبل ایک دوسرے کے حالات

---

[1] اما النكاح الفاسد فلا حكم له قبل الدخول (بدائع الصنائع صفحہ ۳۳۵ جلد ۲)

[2] وان كان قد دخل بها فلها الاقل مما سمیٰ لها ومن مهر مثلها ان كان ثمه مسمیٰ وان لم يكن ثمه مسمیٰ فلها مهر المثل بالغا ما بلغ (فتاویٰ عالم گیری صفحہ ۳۳۰ جلد ۱)

[3] ويثبت نسب الولد المولود فی النكاح الفاسد وتعتبر مدة النسب من وقت الدخول عند محمد وعليه الفتویٰ (فتاویٰ عالم گیری صفحہ ۳۳۰ جلد ۱)

[4] وتجب العدة بعد الوطی لاالخلوة للطلاق لاللموت من وقت التفريق او متاركة الزوج وان لم تعلم المرأة بالمتاركة فی الاصح (درمختار علی هامش شامی صفحه ٤٨١ تا ٤٨٤ جلد٢)

واطوار اوران کے گھر کے ماحول وغیرہ کی اچھی طرح تحقیق کرلے۔(۲) جس عورت سے نکاح کا ارادہ ہو اسے پہلے ایک نظر دیکھ لے۔ (مخطوبہ کے دیکھنے کی تفصیل آگے آئے گی)۔(۳) لڑکا لڑکی کے انتخاب میں دینداری کو ترجیح دینی چاہئے۔(۴) منگنی کے بعد جو تاریخ طے کی جائے وہ جمعہ کا دن ہو جمعہ یا عصر کی نماز کے بعد ہو تو زیادہ بہتر ہے۔(۵) نکاح مسجد کے اندر ہو مسجد چھوڑ کر شادی ہال میں نکاح کرنا خلاف اولیٰ ہے خاص طور سے عورت کا اجتماع ہو تو ناجائز ہے۔(٦) نکاح کی مجلس اعلانیہ طور سے منعقد کی جائے جس میں طرفین کے رشتہ دار واحباب اور بعض نیک لوگ بھی ہوں مجلس نکاح میں علماء وصلحاء کا جتنا زیادہ مجمع ہو بہتر ہے تاکہ انکی دعائیں بھی شامل حال ہوں جو رحمت وبرکت کے نزول کا باعث ہے۔(۷) نکاح سے قبل خطبۂ مسنون کا پڑھنا سنت ومستحب ہے۔[1]

(۸) نکاح عالم دین یا نیک آدمی پڑھائے۔ (۹) اگر لڑکی کا ولی نکاح پڑھانے کا طریقہ سنت کے مطابق جانتا ہو تو خود نکاح پڑھائے جیسا کہ حضورؐ نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کا نکاح خود پڑھایا تھا اگر نکاح پڑھانا نہیں جانتا تو کسی کو اختیار دیدے مگر ایجاب وقبول کے وقت وہاں موجود رہے اگر ولی نہیں تو اسکا وکیل موجود رہے۔ (۱۰) گواہ نیک اور پرہیز گار آدمی کو بنایا جائے (اگرچہ فاسق آدمی کی گواہی بھی معتبر ہے جیسا کہ گذر چکا)۔(۱۱) عقد نکاح کے بعد مجلس ہی میں اگر وسعت ہو تو چھوہارے تقسیم کرادیئے جائیں۔(۱۲) نکاح کے بعد بلا کسی تکلف کے دولہن کو دولہا کے گھر بھیج دیا جائے دولہا شب زفاف منا کر سنت کے مطابق ولیمہ کرلے۔(۱۳) نکاح کے بعد دوست واحباب مبارکبادی دیں جس کیلئے حدیث پاک میں یہ دعاء آئی ہے۔(بارک الله لک وبارک علیکما وجمع بینکما فی خیر)[2]

نکاح پڑھانے کا طریقہ

نکاح سے قبل مہر کی مقدار، مؤجل ومعجل یا مہر مطلق کی وضاحت کے بعد دو

---

[1] ویندب اعلانه وتقدیم خطبة وکونه فی مسجد یوم جمعه (درمختار برحاشیه شامی صفحه ٦٦ جلد٤) [2] مشکوة شریف صفحه ٢١٥

شرعی گواہ اور پوری مجلس کی موجودگی میں نکاح پڑھانے والا مسنون خطبہ پڑھے اور دولہا کی طرف متوجہ ہوکر لڑکی اور اس کے باپ کا نام بلند آواز سے لے تاکہ حاضرین میں سے کچھ لوگ کم سے کم دو مرد اچھی طرح سن لیں اسی کے ساتھ مہر کی مقدار اور گواہوں کا نام لیکر قبول کرائے مثلاً یوں کہے کہ زید کی صاحبزادی فاطمہ کو بعوض گیارہ سو اکاون روپئے سکۂ رائج الوقت دین مہر بگواہ جناب عبدالمجید وعبدالرحیم صاحبان اور پورے حاضرین مجلس کی موجودگی میں آپ کی زوجیت میں دی گئی کیا آپ نے قبول کیا (یہ ایجاب ہوا) اس کے بعد دولہا کو چاہئے کہ بغیر شرماتے ہوئے بلند آواز سے کہے کہ میں نے قبول کیا اس کے بعد زوجین اور ان کے خاندان کے مابین محبت وتعلقات قائم دائم رہنے کی دعاء ہو اولاد کیلئے اس وقت زور سے دعاء کرنا مناسب نہیں ہے۔

نابالغ بچوں کے نکاح کا طریقہ

نابالغ بچے کا کیا ہوا عقد چونکہ معتبر نہیں مانا جاتا کیونکہ عاقدین کا آزاد، عاقل، بالغ ہونا شرط ہے اس لئے نکاح خواں بچہ اور بچی کے بجائے ان کے باپ سے ایجاب وقبول کرائے مثلاً۔ پہلے نابالغہ بچی کے باپ سے مخاطب ہوکر یوں کہے کہ آپ نے اپنی لڑکی جس کا نام فلاں ہے بعوض گیارہ سو اکاون روپئے مہر فلاں صاحب کے فلاں لڑکے کے نکاح میں دی۔ اس پر وہ کہے کہ میں نے دی (یہ ایجاب ہوا) اس کے بعد نکاح پڑھانے والا نابالغ بچہ کے باپ سے مخاطب ہوکر یوں کہے کہ آپ نے فلاں صاحب کی فلانہ بچی کو اتنے مہر کے عوض اپنے فلاں بچہ کے نکاح میں قبول کی اس پر نابالغ کا باپ کہے گا کہ میں نے قبول کیا تو نکاح منعقد ہو جائے گا۔[1]

(نکاح کا خطبۂ مسنون)

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا (وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا) مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ

[1] اقتباس فتاوی رحیمیه صفحه ٢٤٧ جلد ٥)

هَادِیَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ (اَمَّا بَعْدُ) (یَا یُّهَاالنَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِیْراً وَّنِسَاءً وَّاتَّقُوْاللّٰهَ الَّذِیْ تَسَاءَ لُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَیْكُمْ رَقِیْباً) یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اتَّقُوْاللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اتَّقُوااللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَولاً سَدِیْداً یُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَیَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوزاً عَظِیْماً [۱] قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلنِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِیْ (وَقَالَ) فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ وَصَلَّی اللّٰهُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً كَثِیْراً كَثِیْراً.

نکاح میں خطبہ کا حکم

نکاح میں خطبہ پڑھنا مسنون ہے رکن اور شرط نہیں نکاح اگر چہ بغیر خطبہ کے بھی ہو جائے گا مگر وہ نکاح بے برکت رہتا ہے حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ **كل خطبة ليس فيها تشهد فهی كاليد الجذماء** [۲] جس خطبہ میں تشہد (یعنی خدا کی حمد وثنا) نہ ہو وہ کٹے ہوئے ہاتھ کی طرح ہے۔صاحب مظاہر حق فرماتے ہیں کہ اسی طرح خطبہ کے بغیر نکاح بھی بے فائدہ اور خیر وبرکت سے خالی رہتا ہے۔[۳]

خطبۂ نکاح بیٹھ کر پڑھے یا کھڑے ہوکر

نکاح کا خطبہ بیٹھ کر اور کھڑے ہوکر دونوں طرح سے پڑھنا جائز ہے مسلم شریف اور الادب المفرد میں ایک حدیث آئی ہے کہ حضور ﷺ نے ایک خطبہ بیٹھ کر پڑھا۔شراح حدیث نے اس مقام پر تحریر کیا ہے کہ یہ خطبۂ جمعہ نہیں نکاح کا خطبہ تھا حضرت مفتی محمود صاحب قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں کہ اس خطبہ کا کھڑے ہوکر پڑھنا

---

[۱] یہ خطبہ عبداللہ ابن مسعود کی روایت سے منقول ہے مشکوۃ صفحہ ۲۷۲ جلد ۲) [۲] مشکوۃ شریف جلد ۲ صفحہ ۲۷۲
[۳] ماخوذ ومستفاد مظاهر حق صفحه ٤٨ جلد ٤ وفتاوى دارالعلوم ١٥٩ جلد٧)

کسی کتاب میں نہیں دیکھا بیٹھ کر پڑھنے کا ہی معمول ہے۔[1]

ایک مجلس میں کئی نکاح ہو تو ایک خطبہ کافی ہے

اگر ایک مجلس میں چند دولہوں کا نکاح ہو رہا ہو تو صرف ایک مرتبہ خطبہ پڑھ کر سب سے ایجاب وقبول کرانا کافی ہے الگ الگ ہر ایک کیلئے مستقل خطبہ پڑھنا ضروری نہیں ہے۔[2]

خطبۂ نکاح کے سننے کا حکم

خطبۂ نکاح اگر چہ سنت ہے مگر حاضرین پر اس کا سننا واجب ہے اور یہ حکم صرف خطبۂ نکاح ہی کا نہیں بلکہ تمام خطبوں کا یہی حکم ہے اول سے آخر تک پورے خطبہ کا سننا واجب اور ضروری ہے نہ سننے والا گناہ گار ہوگا۔[3]

نکاح خوانی کیلئے ایک آدمی کو متعین کرنا

نکاح خوانی شرعاً کسی خاص شخص یا کسی خاص خاندان کا حق نہیں ہے شارع کے امر مطلق کو کسی کے ساتھ مقید کرنا جائز نہیں ہے مناسب بلکہ بقاعدۂ شرعیہ لازم ہے کہ اس حکم کو عام ہی رکھا جائے کسی خاص شخص کو متعین نہ کیا جائے اور کسی کی رعایت سے مخلوق کو اپنے حوائج ضروریہ کے پورا کرنے میں مجبور نہ کیا جائے جس سے بھی نکاح پڑھالیا جائے نکاح کو درست سمجھا جائے۔[4]

نکاح خوانی کی اجرت

اگر نکاح پڑھانے والا صرف ایک ہی شخص متعین ہے اس کے علاوہ کسی اور کو

---

[1] فتاوی محمودیہ صفحہ ۳۹٦ و ۳۲ جلد۱۸ [2] فتاوی دار العلوم صفحہ ۱٤۸ جلد ۷

[3] وفی الخلاصة کل ماحرم فی الصلوة حرم حال الخطبة ولو امرا بمعروف وفی السید استماع الخطبة من اولها الی اخرها واجب الخ وکذ استماع سائر الخطب کخطبة النکاح والحتم (طحطاوی علی مراقی الفلاح صفحہ ٥۱۹)

[4] فتاوی دار العلوم صفحہ ۱٦٤ جلد۷

نکاح پڑھانے کا اختیار نہیں تو اس متعین شخص کو اجرت لینا جائز نہیں جیسا کہ حضرت مفتی محمود صاحبؒ نے تحریر فرمایا ہے۔[۱] اور اگر کوئی ایک شخص متعین نہیں نکاح پڑھنے پڑھانے کا عام اختیار ہے تو اس میں تفصیل یہ ہے کہ اجرت دینے والے اگر دولہا والے ہیں اور قاضی یا نکاح خواں اکو بلوانے والے دولہن کے رشتہ دار وغیرہ ہوں جیسا کہ اکثر دستور یہی ہے تو دولہا والے سے یہ اجرت لینا جائز نہیں ہوگا کیونکہ اجرت بلانے والے کے ذمہ تھی دوسرے پر یہ بار ڈالنا جائز نہیں اور اگر دولہا والے نے نکاح خواں کو مدعو کیا خواہ اپنے آدمی کی معرفت یا دولہن کے متعلقین، رشتہ دار کو بھیج کر بلوایا تو نکاح خواں کو دی ہوئی اجرت لینا جائز ہے مگر اس میں بھی تفصیل یہ ہے کہ اجرت دینے والے نے پوری رقم اسی کی ملک کر دی تب تو سب رکھنا جائز ہے اور اگر یوں کہہ کر دیا کہ اتنا تم رکھ لینا اور اتنا قاضی کو دیدینا تو اس کو اپنا حصہ رکھ لینا درست ہے اور قاضی (متعین شخص) کا حصہ رشوت ہے واپس کر دینا واجب ہے قاضی کو دینا اور قاضی کو اس رقم کا لینا جائز نہیں اور اگر صاف نہ کہا مگر دستور ایسا ہی ہو کہ کچھ رقم نکاح خواں کیلئے اور کچھ قاضی کیلئے سمجھی جاتی ہو تو بھی یہی حکم ہے اور اگر نکاح پڑھایا کسی اور نے اور اجرت قاضی یا نائب قاضی کیلئے ہو تو یہ نا جائز اور حرام ہے قاضی سے نکاح پڑھوانا واجب نہیں ہے۔[۲]

نکاح کے وقت کلمہ پڑھانا

بعض جگہوں میں بوقت عقد نکاح دولہا اور دولہن کو کلمہ پڑھایا جاتا ہے شریعت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں نہ احادیث نبوی اور نہ صحابہ ومجتہدین کے اقوال میں اس کا وجود ہے البتہ دولہا و دولہن کے متعلق یہ علم ہو کہ ان کے عقائد اچھے نہیں بلکہ خلاف شرع ہیں تو پھر ان کو تجدید ایمان کیلئے کلمہ پڑھانا ضروری ہے اور جس کے عقائد اچھے ہوں اس کو پڑھانا ضروری نہیں ہر جگہ اس کا التزام کرنا غلط ہے خاص کر دولہن کو کلمہ پڑھانے

---

[۱] فتاوی محمودیہ صفحہ ۳۹۶ جلد ۷ [۲] امداد الفتاوی صفحہ ۲۷۸ جلد ۲

میں فتنہ کا اندیشہ ہے یا تو اس کی آواز کی وجہ سے یا لوگوں کی بدگمانی یا اعتراض کیوجہ سے، اور اگر اس کے عقیدے کی خرابی کا علم نہ ہو بظاہر عقائد درست معلوم ہوں تو پھر اس کو کلمہ پڑھانے کی اس وقت کیا خاص ضرورت ہے صرف خطبۂ مسنونہ پڑھکر ایجاب وقبول کرا دیا جائے اور اگر عقیدہ کی خرابی کا علم ہو تو ضرور تجدید ایمان کرائی جائے ایسی حالت میں بالغہ لڑکی کو بھی اس طرح زور سے کلمہ پڑھنا چاہئے کہ آس پاس کے ایک دو آدمی سن لیں نابالغہ کو پڑھانے کی ضرورت نہیں اگر احتیاطاً بلا التزام وبلا مفاسد پڑھایا جائے تو زور سے پڑھانے کی ضرورت نہیں آہستہ پڑھنا پڑھانا کافی ہے۔[1]

فاسق، شیعہ، بدعتی وغیرہ سے نکاح پڑھوانا

نکاح کوئی بھی پڑھائے نکاح ہوجاتا ہے خواہ شیعہ، بدعتی اور فاسق ہی پڑھائے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ اصل ایجاب وقبول شوہر اور بیوی نے کیا ہے۔ اگر شیعہ یا کوئی غیر مسلم ہی محض خطبہ پڑھ کر ایجاب وقبول کی تصدیق زوجین سے کرالے تو نفس نکاح میں کوئی خرابی نہیں آئے گی تاہم مستحب اور بہتر ہے کہ دیندار صالح آدمی سے خطبہ اور نکاح پڑھوایا جائے۔[2]

نکاح کو رجسٹر میں درج کرانا

عقد نکاح سے قبل یا عقد کے وقت ہی نکاح کو رجسٹر میں درج کرانا ضروری نہیں بغیر درج کرائے بھی نکاح ہوجاتا ہے رجسٹر میں درج کرنے اور نہ کرنے سے نکاح کے نفوذ میں کوئی فرق نہیں پڑتا ہے البتہ یادداشت یا نزاع کے وقت تصفیہ کیلئے درج کرنا ہو تو بعد میں درج کرالیا جائے اور اگر پہلے ہی درج کرالیا تو بھی کوئی حرج نہیں ہے۔[3]

---

[1] فتاوی محمودیہ ۳۹۴ تا ۳۹۵ جلد ۷

[2] فتاوی محمودیہ صفحہ ۴۱۸ جلد ۱۸ [3] فتاوی محمودیہ ۲۲۹ جلد ۱۳

نکاح کسی ماہ اور کسی بھی تاریخ میں درست ہے

بعض لوگوں کا عقیدہ ہے کہ دو عیدوں کے درمیان شادی کرنے سے شادی کامیاب نہیں رہتی (ایسے ہی ہندوؤں کی طرح بعض مہینوں کو لگن کا دن ماننا) بالکل غلط گمان ہے حضرت عائشہؓ کی شادی شوال میں ہوئی تھی ان سے زیادہ کامیاب شادی کس کی ہوسکتی ہے بہرکیف شریعت میں شادی کا کوئی مہینہ کوئی موسم اور کوئی دن متعین نہیں ہے۔[1] (البتہ جمعہ کے دن کرنا بہتر ہے)

غیر مسلم کو شرکت نکاح کیلئے مسجد میں لانا

غیر مسلم کو نکاح کی مجلس میں خصوصاً مسجد میں لاکر بیٹھانا مناسب نہیں ہے البتہ شادی وغیرہ کی دعوت دے سکتے ہیں گھر پر مدعو کر کے کھانا وغیرہ کھلا سکتے ہیں مگر عقد نکاح جب مسجد میں ہو تو اس میں شریک نہ کیا جائے۔ (بعض غیر مسلم فطرتاً اچھے ہوتے ہیں لہٰذا ان سے ملنساری کیساتھ ملنا اور اپنی دنیاوی خوشی میں شریک کرنا اسلامی تعلیمات میں سے ہے) مگر دینی تقریبات میں شریک کرنا مناسب نہیں)[2]

ولیمہ کی سنت

ولیمہ اس کھانے کو کہا جاتا ہے جو زوجین کے باہم جمع ہونے کی تقریب وخوشی میں کھلایا جائے ولیمہ بالاتفاق مسنون ہے حضورؐ سے بھی ثابت ہے کہ آپؐ نے ولیمہ کیا ہے۔

حضرت ام سلمہؓ کا ولیمہ

حضرت صفیہ بنت شیبہؓ کہتی ہیں کہ

---

۱ فتاوی محمودیه ۳۴۷ جلد ۱۸

۲ فتاوی محمودیه صفحه۲۲۹ جلد۱۳

اولم النبی صلی الله علیه وسلم علی بعض نسائه بمدین من شعیر رواه البخاری [۱]	حضور علیہ ﷺ نے اپنی بعض زوجۂ مطہرہؓ (صاحب مظاہر حق فرماتے ہیں کہ غالباً ام سلمہؓ) کا ولیمہ دو مد تقریباً پونے دو کیلو جو سے کیا۔[۲]

حضرت زینب بنت جحشؓ کا ولیمہ

حضرت انسؓ راوی ہیں کہ

اولم رسول الله صلی الله علیه وسلم حین بنی زینب بنت جحش فاشبع الناس خبزا ولحما رواه البخاری [۳]	رسول کریم ﷺ نے حضرت زینب بنت جحش کیساتھ شب زفاف گزارنے کے بعد ولیمہ کیا جس میں ایک بکری ذبح کر کے لوگوں کو پیٹ بھر کر گوشت روٹی کھلایا۔

اسی سلسلہ میں ایک حدیث حضرت انسؓ سے ہی منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ:

ما اولم رسول الله ﷺ علی احدمن نسائه ما اولم علی زینب اولم بشاة متفق علیه [۴]	جتنا بڑا ولیمہ حضور ﷺ نے حضرت زینب بنت جحشؓ کے نکاح میں کیا اتنا بڑا ولیمہ کسی اور زوجہ کے نکاح میں

نہیں کیا چنانچہ ان کے نکاح میں ایک بکری کا ولیمہ کیا۔

حضرت صفیہؓ کا ولیمہ

حضرت انسؓ ہی بیان کرتے ہیں کہ:

اقام النبی صلی الله علیه وسلم بین خیبر والمدینة ثلاث لیال یبنی علیه بصفیة فدعوت المسلمین الی ولیمته وما کان	حضور ﷺ نے مدینہ اور خیبر کے درمیان ایک مقام پر تین رات قیام فرمایا (اور حضرت صفیہؓ سے نکاح کے بعد) ان کے ساتھ شب زفاف

[۱] مشکوة ۲۷۸ [۲] مظاهر حق صفحه ۱۱۳ جلد ٤
[۳] مشکوة صفحه ۲۷۸ جلد ۲ [٤] مکشوة ۲۷۸ جلد ۲

فیها من خبز ولا لحم وماکان فیها الا ان امر بالانطاع فبسطت فالقی علیه التمر والاقط والسمن رواه البخاری[1]

گزاری اور میں نے مسلمانوں کو آپ کی دعوت ولیمہ میں بلایا۔ ولیمہ میں نہ گوشت تھا اور نہ روٹی آپ نے دسترخوان بچھا دینے کا حکم فرمادیا جب دسترخوان بچھا دیا گیا تو اس پر کھجوریں (اور دہی سے بنا ہوا ایک قسم کا کھانا) پنیر اور گھی رکھدیا گیا (اور یہ ہی حضرت صفیہؓ کے نکاح کا ولیمہ تھا)۔

حضرت عائشہؓ کا ولیمہ

حضرت عائشہؓ خود فرماتی ہیں کہ نہ اونٹ ذبح ہوا نہ بکری بلکہ سعد بن عبادہؓ کے گھر سے دودھ کا ایک پیالہ آیا تھا بس وہی ولیمہ تھا۔[2]

حضرت فاطمہؓ کا ولیمہ

حضرت فاطمہؓ کی شادی کے بعد حضورؐ نے حضرت علیؓ سے ولیمہ کرنے کو کہا تو حضرت علیؓ نے چند صاع جو کی روٹی کچھ خرمے اور کچھ مالیدہ سے ولیمہ کیا۔ (ایک صاع تقریباً ساڑھے تین کیلو ہوتا ہے)

یہی ولیمہ تھا حضورؐ کی لاڈلی بیٹی حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالی عنہا کا۔[3]

(فائدہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ولیموں سے جہاں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ شادی کے موقع پر دولہا کی جانب سے ولیمہ کھلانا سنت ہے وہیں پر یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ

---

[1] مشکوۃ ۲۷۸

[2] ما اولم رسول الله صلی الله علیه وسلم علی عائشة الصدیقة بشئ سوی ان قدحا مملوءًا من اللبن اهدی الیه صلی الله علیه وسلم وسلم من بیت سعد بن عبادة شرب بعضه وشربت عائشة منه ۔ تاریخ الخمیس ۸۵۳ ملخوذ حاشیه بهشتی زیور صفحه۴٤ حصه ٦

[3] روی ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال لعلی زوّجه قال لعلی زوّجه بفاطمة یا علیؓ انه لا بد للعرس من ولیمة فقال سعد عندی کبش وجمع له عدد من الانصلر اصواعا من الذرة وکان ذلك ولیمه عرسه رضی الله تعالی عنه (تاریخ الخمیس صفحه ۳٦۲ جلد ۱ ماخوذ حاشیه بهشتی زیور صفحه ٤٤ جلد ٦

ولیمہ کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ بلا تکلف وبغیر تفاخر کے کھانے پینے کی جو بھی چیز میسر ہو رکھدی جائے اور اپنے خاص لوگوں کو بلا کر کھلا دیا جائے اس میں کسی طرح کا التزام نہ کیا جائے۔

خلاف سنت ولیمہ

آج ہم ذرا غور کریں اپنے ولیمے اور شادی بیاہ کا جائزہ لیں کہ ہم کتنا اس سنت پرعمل پیرا ہیں آج کتنی دھوم دھام سے شادی کی تقریب منائی جاتی ہے رشتہ داروں اور برادریوں کے علاوہ دور دور تک دعوت دی جاتی ہے شامیانے قمقمے وغیرہ سے شادی خانہ کو سجایا جاتا ہے۔قوالی باجے گاجے سے لیکر ویڈیو اور فلموں تک کا عام رواج ہے آتش بازی، پٹاخے پھوڑ پھوڑ کر ہزاروں روپے کو خاک میں ملا دیا جاتا ہے مزید المیہ یہ ہے کہ عورتوں اور مردوں کا اختلاط مشتہاۃ لڑکیوں کا ننگا ناچنا اسقدر ہے کہ شیطان مردود بھی شرما جائے ان خرافات ورسومات نے فضول اخراجات کا ایسا بوجھ لاد دیا ہے کہ غریب کی غربت کا پوچھنا کیا ایک متوسط آدمی کی حلال کمائی سے یہ قرضہ ادا نہیں ہوسکتا مجبوراً قرض لینا پڑتا ہے قرض نہ ملے تو حرام ذرائع کا سہارا لینا پڑتا ہے یہ مسرفانہ رسوم اندر ہی اندر مسلمانوں کی دولت وعزت کو گھن کی طرح کھائے جارہی ہیں مگر مسلمانوں کو اس کا احساس نہیں جو بھی خرچ ہو جائے اس کیلئے جو کچھ بھی کرنا پڑے مگر ناک نہیں کٹنی چاہئے حالانکہ اتنے سارے تکلفات کرنے میں کچھ نہ کچھ شکایتیں اور بدنامیاں تو ہو کر ہی رہتی ہیں جس ناک کی حفاظت کیلئے یہ سب مصیبتیں مول لی جاتی ہیں وہ ناک آخر کار کٹ کر ہی رہتی ہے۔

شادی کی دعوت میں عورتوں کا جانا

شادی بیاہ کے موقع پر عورتوں کو دعوت دینا اور عورتوں کا اس دعوت میں جانا خلاف شریعت ہے حضرت تھانویؒ نے اصلاح الرسوم میں عورتوں کے اس طرح جمع ہونے کو مفاسد اور تمام برائیوں کی جڑ قرار دیا ہے صاحب درمختار تحریر فرماتے ہیں کہ:

ويمنعها من زيارة الاجانب وعيادتهم والوليمة وان اذن كانا عاصيين (قال العلامه الشامی) قوله والوليمة ظاهره ولو كانت عند المحارم لا نها تشتمل علی جمع فلا تخلوا من الفساد عادة [1]

شوہر اپنی بیوی کو اجنبی مردوں کی زیارت اور ان کی عیادت اور ولیمہ میں شرکت کرنے سے منع کرے اگر اجازت دیدی تو میاں بیوی دونوں گناہ گار ہوں گے علامہ شامی فرماتے ہیں کہ مصنف کی عبارت سے ولیمہ میں شرکت کی ممانعت واضح ہے اگر چہ محارم (یعنی باپ بھائی اور دوسرے رشتہ دار) ہی کیوں نہ ہوں کیونکہ وہاں عورت و مرد کا مجمع ہے جس کے ساتھ اختلاط عام طور سے فساد سے خالی نہیں ہوتا اس میں شرکت کی اجازت دینا گناہ ہے تو پھر غیر محرموں کے یہاں ولیمہ وغیرہ میں شرکت کیسے جائز ہوگی اور شوہر کا خاموش رہنا اور جانے پر منع نہ کرنا کیونکر روا اور گناہ سے خالی ہوگا لہٰذا جس تقریب میں عورتوں کو دعوت دی جائے اس میں شرکت نہ کی جائے خصوصاً علماء اور مقتدا حضرات کو تو اس سے بہت ہی پرہیز اور احتیاط کرنے کی ضرورت ہے۔

بلا وجہ دعوت قبول نہ کرنا، اور صرف مالداروں کو مدعو کرنا برا ہے

عن ابی هريرةؓ قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم شر الطعام طعام الوليمه يدعىٰ لها الاغنياء ويترک الفقراء ومن ترک الدعوة فقد عصی الله ورسوله متفق عليه [2]

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ برا کھانا اس ولیمہ کا کھانا ہے جس میں مالداروں کو بلایا جائے اور فقراء کو چھوڑ دیا جائے اور جس شخص نے دعوت کو (بلا کسی عذر کے) قبول نہ کیا تو اس نے اللہ اور رسول کی نافرمانی کی۔

[1] شلمی صفحه ۶۰۳ جلد ۳ [2] مشكوة ۲۷۸ جلد ۲

تشریح:— اس حدیث میں دعوت ولیمہ کا حکم ہی نہیں بلکہ دعوت قبول کرنے کی بھی تاکید کی گئی ہے مگر غرباء ومساکین کو چھوڑ کر صرف اہل ثروت اور مالداروں کو مدعو کرنا حدیث کی رو سے بدترین ولیمہ ہے لیکن آج ہمارا یہ حال ہے کہ غریبوں کو نظر انداز کر کے صرف مالداروں کو مدعو کرتے ہیں اگر بلاتے بھی ہیں تو مالداروں جیسی قدر نہیں کرتے الگ تھلگ تھوڑا بہت ڈال دیا اگر بہ نیت تحقیر اس طرح کیا جائے تو ایسی دعوتوں کا قبول کرنا اور اس میں شرکت ضروری نہیں حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب قدس سرہ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ مدعو اپنے مرتبے یا شان اور تکبر کی راہ سے دعوت رد نہ کرے اگر داعی کو حقیر سمجھ کر دعوت قبول نہ کرے گا تو آنحضرت ﷺ کی نافرمانی اور اسوۂ حسنہ کی خلاف ورزی کا مرتکب ہوگا پھر دعوت سے بھی وہ دعوت مراد ہے جو دائرۂ شریعت کے اندر ہو اور ظاہر ہے کہ جس دعوت کا منشاء اخلاص پر نہ ہو یوں ہی محض ریا ونمود یا رسم ورواج کی پابندی پر ہو تو اس کو قبول کرنا ضروری نہیں، ایسی دعوت کا رد کرنا حکمت کے خلاف نہ ہوگا بلکہ عین منشائے شریعت کے مطابق ہوگا خود آنحضرت ﷺ نے ولیمہ کے تیسرے دن کھانے کو (من سمع سمع اللہ بہ) ریاوسمعہ فرمادیا اور جو لوگ ایک دوسرے پر فوقیت لے جانے کے لئے دعوت دیں ان کی دعوت قبول کرنے سے منع کرتے ہوئے فرمایا کہ:

المتباریان لا یجابان ولا یوکل طعامهما [۱] تفاخر ومقابلہ کے طور پر دعوت کرنے والوں کی دعوت قبول نہ کی جائے اور نہ ان کے یہاں کھانا کھایا جائے نیز اسی طرح ایک حدیث میں فاسقوں کی دعوت قبول کرنے کی بھی ممانعت مذکور ہے۔ ارشاد ہے۔

[۱] کفایت المفتی صفحہ ۱۵۷ تا ۱۵۸ جلد ۵

نهی رسول الله ﷺ عن اجابة طعام الفاسقین [۱]

کہ حضور ﷺ نے فاسقوں کی دعوت قبول کرنے سے منع فرمایا۔

ولیمہ کھانا کب مسنون ہے

شادی کی تقریب میں کھانا کھلانے کا نام ولیمہ ہے مگر بسا اوقات عقد نکاح پہلے ہو جاتا ہے اور رخصتی کافی دنوں کے بعد ہوتی ہے تو اب سوال یہ ہے کہ ولیمہ عقد کے بعد سنت ہے یا رخصتی کے بعد اس سلسلے میں صاحب شرعۃ الاسلام فرماتے ہیں کہ:

وکذا الولیمة سنة الخ واختلفوا ایضا فی وقت الولیمة قال بعضهم بعد الدخول بها و قال بعضهم عند العقد وقال بعضهم عندهما جمیعا [۲]

ولیمہ سنت ہے البتہ اس کے وقت میں علماء کا اختلاف ہے بعض نے کہا نکاح کے وقت بعض نے کہا کہ دخول کے بعد اور بعض نے کہا دونوں وقتوں میں یعنی نکاح کے وقت اور دخول کے بعد بھی ولیمہ سنت ہے۔

ولایت نکاح

(ولی نکاح کی تعریف) ولی کے معنی لغت میں کارساز اور منتظم کے ہیں۔ اصطلاح شرع میں نکاح کا ولی ہر اس شخص کو کہا جاتا ہے جو کسی عورت کے نکاح کا متولی اور ذمہ دار ہوتا ہے بایں طور کے اس عورت کے نکاح کا اختیار اس شخص کو حاصل ہوتا ہے۔

شریعت میں ولایت نکاح کی حقیقت

نکاح شریعت اسلامیہ میں ایک اہم چیز ہے اس میں بہت سارے دینی اور دنیاوی مصالح مضمر ہیں پورے عالم کا عائلی نظام اس پر موقوف ہے، دو خاندانوں کے

---

[۱] مشکوة شعریف ۲۷۹ جلد ۲

[۲] شرعة الاسلام ۴۴۷ ملخوذ مستفاد فتاوی دارالعلوم صفحه ۱۶۹ جلد۷

آپس میں جڑنے اوران کے درمیان موافقت وموانست، تعلقات ومحبت پیدا ہونے کا ایک ذریعہ ہے۔ بنابریں اتنی بڑی اہم چیز کوکلی طور سے صرف عورتوں کے حوالہ نہ کیا گیا کہ وہ بالکل شتر بے مہار بن کر بغیر ذمہ داروں کی مرضی کے محض اپنی پسند سے بے محل وموقع صرف وقتی جذبات ومحرکات سے مغلوب ہوکر جہاں چاہیں شادی رچا بیٹھیں کیونکہ وہ ناقصات العقل ہیں مصالح اور اونچ نیچ کو سمجھے بغیر ایسے خاندان اور برادری میں نکاح کرسکتی ہیں جس سے صرف خاندانی شرافت میں دھبہ لگانا اوران کے عزت ووقار کومجروح کرنا ہی نہیں بلکہ اپنے مستقبل کو ناکام اور پریشان کن بنانا ہے ایسے خود سرانہ نکاح کوحدیث میں زجراًوتوبیخاً بدکاری کہا گیا ہے۔

چنانچہ حضورﷺ نے ارشادفرمایا ہے:

ولا تزوج المرأة نفسها فان الزانیة هی التی تزوج نفسها[1] کوئی عورت اپنا نکاح خودنہ کرے بے شک زنا کرنے والی عورت ہی ایسی ہوتی ہے جواپنا نکاح خود کرلیتی ہے کیونکہ ایسا خودسرانہ نکاح عام طور سے وہی لڑکیاں کرتی ہیں جوخواہشات نفسانی سے مغلوب ہوکرشرم وحیا کو پامال کرجاتی ہیں بیشتر حدیثوں میں بغیرولی کی مرضی کے نکاح پرروک لگاتے ہوئے صاف لفظوں میں فرمایا گیا ہے (لانکاح الابولی) بغیرولی کے نکاح ہوتا ہی نہیں بعض علماء اسی حدیث کیوجہ سے کہتے ہیں کہ بغیرولی کی مرضی کے نکاح منعقدہی نہیں ہوتا۔ جبکہ حنفیہ کامذہب یہ ہے کہ نکاح تو ہوجاتا ہے مگرسخت ناپسندیدہ بلکہ بعض صورتوں میں ولی کونکاح کے فسخ کرانے کامکمل اختیار ہوتا ہے (مسائل کے تحت اس کی تفصیل آرہی ہے)

مگرشریعت میں عورتوں کے اختیار کو بالکل ختم کرکے نکاح کے معاملے کو صرف ولی ہی کے حوالہ نہیں کیا گیا کہ عورتوں کی حیثیت انسانی بالکلیہ ختم ہوکروہ محض دیگر حیوان کی طرح رہ جائیں کہ نکاح کے معاملے میں ان سے اجازت بھی نہ لی جائے بلکہ

[1] مشکوة ۲۷۱ جلد ۲

شریعت نے عورت کو اتنا اختیار ضرور دیا ہے کہ جب وہ جوان ہوجائے اور اپنے نفع ونقصان کو سمجھنے لگے تو وہ اپنے رفیق حیات کا انتخاب کرسکتی ہے۔ اگر انتخاب میں دینی ودنیوی معاملات کا اتنا لحاظ کررہی ہو کہ اس کے خاندان کے ہمسر اور ہم پلہ ہو تو پھر ولی کو اس رشتہ سے روکنے کا قرآن نے حق بھی نہیں دیا ہے چنانچہ قرآن کہتا ہے کہ **فَلَا تَعۡضُلُوۡهُنَّ اَنۡ يَّنۡكِحۡنَ اَزۡوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوۡا بَيۡنَهُمۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ** [1] کہ جب عورتیں اپنی رضامندی اور معروف طریقے سے نکاح کررہی ہوں تو تم ان کو اس کام سے مت روکو کہ وہ اپنے شوہر سے نکاح کرلیں۔

اس آیت میں عورتوں کو نکاح کرنے کا اختیار ایک قید کیساتھ دیا گیا ہے وہ یہ کہ نکاح جب معروف طریقہ پر ہو یعنی عورت کفوٗ اور ہمسری کا لحاظ کرتے ہوئے مہر مثل پر نکاح کرلے تو پھر ولی کو اعتراض کا حق نہیں۔

خلاصہ: قرآن وحدیث کے ان دونوں پہلوؤں کو سامنے رکھتے ہوئے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ شریعت نے نہ تو نکاح کا کلی اختیار ہر قسم کی عورتوں کو دیدیا ہے کہ وہ اپنے اولیاء کی مرضی اور خاندانی مصلحتوں کے خلاف جس کو چاہیں خاندان کا داماد بنالیں اور نہ نکاح کا پورا معاملہ ولی کے حوالہ کردیا ہے کہ وہ اپنی ماتحت عورت کا نکاح بغیر اس کی مرضی اور پوچھ تاچھ کے جہاں چاہیں کردیں بلکہ شریعت نے بین بین کا راستہ اختیار کرتے ہوئے ولی اور مولیہ دونوں کی رضامندی اور رائے پر نکاح کو موقوف رکھا ہے تاکہ ہر طرف کے مصالح کی رعایت ہوسکے۔

نکاح میں کن لوگوں کو ولی ہونے کا حق ہے

نکاح میں ولی ہونیکا حق سب سے پہلے ان رشتہ داروں کو ہوتا ہے جو عصبہ بنفسہ ہوں اور عصبہ بنفسہ میں بھی وہ مقدم ہوگا جس کو وراثت میں حق تقدم حاصل ہے عصبہ بنفسہ کی چار صنفیں ہیں۔

---

[1] سورہ بقرہ آیت ۲۳۲

(۱) جزء یعنی بیٹا پوتا نیچے تک (۲) اصل یعنی باپ دادا اوپر تک (۳) اصل قریب کی فرع یعنی باپ کی اولاد بھائی بھتیجے (۴) اصل بعید کی فرع یعنی دادا کی اولاد چچا، چچا کا لڑکا۔

(۱) وراثت میں تو بلا خلاف حق تقدم پہلی صنف جزئیت کو حاصل ہوتا ہے مگر نکاح میں اختلاف ہے امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسفؒ کے یہاں جزء یعنی بیٹا پوتا کو اصل یعنی باپ دادا پر حق تقدم نکاح میں بھی ہے مگر یہ صرف معتوہ (کم عقل پاگل مجنونہ) بیوہ کے اوپر حاصل ہوگا امام محمدؒ کے نزدیک مطلقاً باپ ہی کو حق تقدم حاصل ہے خواہ معتوہ ہو یا غیر معتوہ صاحب درمختار نے شیخین ہی کے قول کو اختیار کیا ہے اور علامہ ابن ہمام نے خلاصہ سے جو عبارت نقل کی ہے وہ اسی کی تائید کرتی ہے۔[۱]

(۲) علی اختلاف القولین دوسرے نمبر پر بالاتفاق ولایت نکاح باپ کو حاصل ہے اگر باپ نہ ہو تو دادا۔ دادا نہ ہو تو پھر پردادا اوپر تک اگر ان میں سے کوئی نہیں تو پھر (۳) تیسرے نمبر پر فرع اصل قریب یعنی باپ کی اولاد مذکر حقدار ہے جن میں سب سے پہلے حقیقی بھائی ولی ہوگا۔ اس کے نہ ہونے کی صورت میں علاتی یعنی سوتیلا بھائی پھر بھائی کا لڑکا بھتیجا پھر بھتیجے کا لڑکا ان کے بعد ان کا پوتا ولایت نکاح کا حقدار ہے اگر یہ سب بھی نہ ہوں تو (۴) چوتھے درجے میں فرع اصل بعید یعنی دادا کی اولاد مذکر حقدار ہے ان میں بھی سب سے پہلے عینی چچا پھر علاتی چچا یعنی باپ کا سوتیلا بھائی پھر سگے چچا کا لڑکا پھر اس کا پوتا پھر سوتیلے چچا کا لڑکا پھر اس کا پوتا ولی ہوگا۔

اگر ان چاروں اصناف میں سے کوئی نہیں تو پھر باپ کا چچا اور اس کے لڑکے

---

[۱] فيقدم ابن المجنونه على ابيها (درمختار بر حلشيه شامى ۱۹۱ ج ٤) والترتيب فى ولاية النكاح كالترتيب فى الارث... فتقدم عصبة النسب واولاهم الابن وابنه وان سفل ولا يتاتى الا فى المعتوهة وهذا قولهما خلافا لمحمد فانه يرى أن الاب مقدم على الابن الخ فى الخلاصة ولوزوجها الا بن فهو كا لاب بل اولى ثم الاب (فتح القدير صفحه ۱۷۵ جلد۳)

پوتے پر پوتے ولی ہونگے اگر ان میں سے بھی کوئی نہیں تو دادا کا چچا پھر اس کے لڑکے پوتے پر پوتے وغیرہ ولی ہوں گے اگر ان مذکورہ رشتہ داروں میں سے بھی کوئی نہیں تو پھر ماں ولیہ ہوگی اس کے بعد دادی پھر نانی پھر حقیقی بہن پھر علاتی بہن پھر اخیافی بھائی بہن یعنی وہ بھائی بہن جو صرف ماں شریک ہوں پھر اخیافی بھائی بہن کی اولاد۔ پھر ذوات الارحام میں سے پھوپھیاں پھر ماموں پھر خالہ وغیرہ۔[1]

اگر مذکورہ بالا رشتہ داروں میں سے کوئی ولی موجود نہیں تو اخیر میں امیر وخلیفہ کو ولایت حاصل ہوگی یا اس قاضی کو جسے ولایت نکاح سپرد کی گئی ہے پھر نائب قاضی کو جسے قاضی نے اختیار دیا ہے۔[2]

(فائدہ) ولایت کی مذکورہ بالا ترتیب کا مطلب یہ ہے کہ اگر ولی قریب موجود نہیں تو بعد کے ولی کی طرف ولایت منتقل ہوجائے گی اگر ولی قریب کے رہتے ہوئے بعد کے ولی نے نکاح کرایا تو ولی قریب کی اجازت پر نکاح موقوف رہے گا۔[3]

ولایت کی شرطیں

ولی ہونے کیلئے شرطیں یہ ہیں کہ وہ عاقل، بالغ، آزاد اور مسلمان ہو لہٰذا غلام، مجنون نابالغ غیر مسلم کسی کا ولی نہیں ہوسکتا کیونکہ ان کو خود اپنے نفس پر ولایت حاصل

---

[1] الولی العصبة المراد العصبة بنفسه الخ علی ترتیب الارث والحجب ای قدم الجزء وان سفل ثم الاصل وان علا ثم جز الاصل القریب کالاخ ثم بنوه وان سفلوا ثم جزء الاصل البعید کالعم ثم بنوه وان سفلوا ثم عم ابیه ثم بنوه وان سفلواثم عم جده ثم بنوه الا قرب فالاقرب ثم الترجیح بقوة القرابة ای قدم الاعیانی علی العلاتی بشرط حریة وتکلیف واسلام الخ ثم الام ثم ذوالرحم الاقرب فالاقرب (شرح الوقایه صفحه ٢٤تا ٢٥ جلد٢

[2] ثم للسلطان ثم لقاضی .. ثم لنوابه ان فوض له ذلك والا لا(درمختار برحاشیه شامی ١٩٦جلد٤

[3] وللولی الابعد بعد التزویج بغیبة الاقرب فلو زوج الا بعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازته (درمختار علی حامش شامی صفحه ١٩٩ جلد ٤

نہیں تو دوسرے کا بدرجہ اولیٰ ولی نہیں بن سکتا ہے۔[۱]

ولایت نکاح کی قسمیں

مذکورہ بالا اولیاء کو جو نکاح میں ولایت کا حق حاصل ہے اس کی دو قسمیں ہیں (۱) ولایت اجبار (۲) ولایت استحباب۔

ولایت اجبار کا مطلب

ولایت اجبار یہ ہے کہ ولی نے بغیر اذن ورضائے مولی ومولیہ اس کا نکاح کردیا تو نکاح صحیح ہوجائے گا نکاح کے منعقد ہونے کے لئے لڑکے ولڑکی کی اجازت شرط نہیں۔ اور نہ بلوغ کے بعد لڑکی کو فسخ کا اختیار ہوگا۔

ولایت اجبار کا مدار

ولایت اجبار کا مدار صغر پر ہے یعنی نابالغ لڑکا، لڑکی پر ولی کو ولایت اجبار حاصل ہے اگر وہ اجازت نہ بھی دیں تو بھی ان کا نکاح ہوجائے گا۔ (صغیرہ خواہ باکرہ ہو یا ثیبہ)۔

تنبیہ: ولایت اجبار کا مطلب یہ نہیں کہ لڑکا اور لڑکی کو مار پیٹ کر زبردستی نکاح کردیا جائے جیسا کہ ظاہر لفظ سے معلوم ہورہا ہے۔

ولایت استحباب کا مطلب

دوسری قسم ولایت استحباب ہے وہ یہ ہے کہ بغیر اذن مولی مولیہ نکاح منعقد نہیں ہوسکتا ہے لڑکا اور لڑکی خود اپنا نکاح کرسکتے ہیں ولی کی اجازت کی ان کو ضرورت نہیں مگر بہتر اور مستحب ہے کہ ولی کی اجازت ورضامندی سے نکاح کریں۔

---

[۱] ولاولاية للمملوك على احد الخ ولا ولاية لصغير ولا مجنون ولا لكافر على مسلم ومسلمة (عالم گیری صفحه ۲۸٤ جلد۱)

ولایت استحباب کا مدار

اس ولایت کا مدار بلوغ پر ہے یعنی بالغ لڑکے اور لڑکی پر ولی کو ولایت استحباب حاصل ہے ولایت اجبار نہیں (خواہ بالغہ باکرہ ہو یا ثیبہ)[1]

نابالغ لڑکا لڑکی پر ولایت اجبار کا حق صرف باپ دادا کو ہے

نابالغ لڑکا لڑکی پر ولایت اجبار تمام اولیاء میں صرف باپ دادا کو حاصل ہے کہ جہاں چاہیں ان کا نکاح کردیں ان کے علاوہ نہ تو خود اس لڑکے اور لڑکی کو اختیار ہے کہ اپنا نکاح کرلیں اور نہ باپ دادا کے علاوہ دیگر اولیاء یا غیر اولیاء کو حق ہے کہ باپ دادا کی مرضی کے بغیر ان کا نکاح کہیں کرادیں اگر کردیا تو باپ دادا کی مرضی پر موقوف رہے گا اگر اجازت دیدیں تو ٹھیک ورنہ قانوناً ان کو حق ہے کہ عدالت کے ذریعہ نکاح کو فسخ کرادیں۔[2]

بالغ ہونے کے بعد نکاح فسخ کرانے کا حکم

اگر کسی نابالغ لڑکا اور لڑکی کا نکاح پہلے اور دوسرے درجے کے ولی یعنی باپ یا دادا نے کیا ہے تو یہ نکاح لازم ہوگا بلوغ کے بعد فسخ کرانے کا اختیار نہ ہوگا خواہ باپ یا دادا نے کفو (میل) میں نکاح کیا ہو یا غیر کفو میں یا مہر مثل سے کم ہی پر کیوں نہ کیا ہو ان کا کیا ہوا نکاح باقی رہے گا۔ بلوغ کے بعد لڑکے کو وہ رشتہ پسند نہیں تو بیوی کو طلاق دیدے اور اگر لڑکی اس نکاح کو پسند نہ کرے تو مہر معاف کرکے طلاق کا مطالبہ کرکے

---

[1] الولایة فی النکاح نوعان ولایة ندب واستحباب وهو الولایة علی البالغة العاقلة بکراً کانت اوثیبا وولایة اجبار وهو الولایة علی الصغیرة بکرا کانت او ثیباً وکذا الکبیرة المعتوهة (فتح القدیر صفحه ۱۵۷ جلد ۳)

[2] وولایة اجبار علی الصغیرة ولوثیبا ...وهو ای الولی شرط صحة نکاح صغیر (درمختار) (صغیر الخ) الموصوف محذوف ای شخص صغیر الخ فیشمل الذکر والانثی (شامی صفحه ۱۵۵ جلد ٤)

خلع کرلے اس کے علاوہ چھٹکارے کی کوئی صورت نہیں۔

نوٹ:- باپ دادا کے کئے ہوئے نکاح کا بلوغ کے بعد بھی باقی رہنا اور نابالغ کو فسخ کا عدم اختیار اس وقت ہے جب کہ باپ یا دادا نے خود سے یہ نکاح کیا ہو۔ اگر باپ یا دادا نے کسی کو وکیل بنادیا اور وکیل نے ان کا نکاح کرادیا تو پھر بلوغ کے بعد فسخ نکاح کا اختیار ہوگا۔[۱]

نابالغ کا نکاح باپ دادا کے علاوہ نے کیا

اگر نابالغ لڑکا، لڑکی کا نکاح باپ دادا کے علاوہ کسی اور ولی نے کیا تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ (۱) اول یہ کہ نکاح کفو میں کیا ہو اور مہر بھی مہر مثل مقرر کیا تو نکاح صحیح ہوجائے گا۔ مگر بلوغ کے بعد ان کو اختیار ہوگا اگر اس نکاح کو برقرار رکھنا چاہیں تو ٹھیک ورنہ شرعی قاضی کے ذریعہ یا قاضی نہ ہونے کی صورت میں شرعی پنچایت میں اپنا معاملہ پیش کرکے نکاح کو فسخ کراسکتے ہیں خود سے فسخ نہیں کرسکتے۔ (۲) دوسری صورت یہ ہے کہ باپ دادا کے علاوہ ولی نے غیر کفو میں نکاح کیا یا لڑکی کے نکاح میں مہر مثل سے کم اور لڑکے کے نکاح میں ان کی زوجہ کے مہر مثل سے زیادہ مقرر کردیا تو یہ نکاح سرے سے صحیح اور منعقد ہی نہ ہوگا اگر لڑکا لڑکی اس رشتہ کو پسند کرتے ہیں تو بالغ ہونے کے بعد پھر سے نکاح کرلیں ورنہ آزاد ہیں جہاں چاہیں کریں۔

اختیار فسخ کی صورتیں

بلوغ کے بعد جن صورتوں میں فسخ نکاح کا اختیار ہے وہ تین ہیں۔ (۱) اول یہ کہ لڑکی کو اپنے نکاح ہونے کی خبر پہلے سے ہے اور شوہر نے اس سے صحبت بھی نہیں کی

---

[۱] وللولی......ا نكاح الصغير والصغيرة جبراً ولوثيباً...... ولولزم النكاح ولو بغبن فاحش بنقص مهرها وزيادة مهره اوزوجها بغير كفٔ ان كان الولی المزوج بنفسه بغبن ابا او جدا (درمختار) المزوج بنفسه لحترزبه عما اذا وكل وكيلا بتزويجها (شامی صفحه ١٧١ جلد٤)

ہےتو بالغ ہوتے ہی اسی وقت اسی مجلس میں اپنی ناراضگی وناپسندیدگی کا اظہار کردے کہ میں اس نکاح کو باقی رکھنا نہیں چاہتی اگرچہ ایسی تنہائی میں ہو کہ کوئی دوسرا وہاں موجود نہیں بلوغ کے بعد اگر ایک لحہ بھی توقف کیا تو اختیار ختم ہو جائے گا۔

نوٹ: اس ناراضگی کے بعد قضاءِ قاضی فسخ نکاح کیلئے ضروری ہے محض ناراضگی اور انکار سے نکاح ختم نہیں ہوگا۔ (۲) دوسری صورت یہ ہے کہ اس کو پہلے سے اپنے نکاح کی خبر نہیں تھی۔ تو بالغ ہونے کے بعد جس وقت خبر ملی ہے فوراً اسی وقت اسی مجلس میں نکاح سے انکار کرے اگر ایک لحہ بھی چپ رہی تو اختیار ختم ہو جائے گا۔ (۳) تیسری صورت یہ ہے کہ بالغ ہونے سے قبل شوہر نے اس سے وطی کرلی تھی تو بالغ ہوتے ہی یا خبر پاتے ہی انکار کرنا ضروری نہیں بلکہ جب تک اس کی رضامندی کا حال معلوم نہ ہو جائے تب تک نکاح میں رہنے اور نہ رہنے کا اختیار باقی رہے گا چاہے جتنا زمانہ گزر جائے ہاں اگر اس نے صاف زبان سے منظور کرلیا کہ میں اس نکاح کو پسند کر کے اپنے شوہر کی زوجیت میں رہنا چاہتی ہوں یا کوئی ایسی بات پائی گئی جس سے رضامندی ثابت ہو جاتی ہے جیسے اپنے شوہر کیساتھ میاں بیوی کی طرح خلوت صحیحہ کرلیا تو پھر اختیار ختم ہو کر نکاح لازم ہو جائے گا۔[1]

ولایت اجبار کی مصلحت

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا کہ باپ دادا کو اپنی نابالغ اولاد پر ولایت اجبار حاصل ہے ان دونوں کا کیا ہوا نکاح باقی رہے گا بلوغ کے بعد بھی اختیار نہ ہوگا وجہ یہ ہے کہ باپ دادا اپنی اولاد کے حق میں بدخواہ نہیں ہوتے وہ لڑکا لڑکی کا فائدہ اونچ نیچ اور

[1] وان كان المزوج غيرهما اى غير الاب وابيه...... لايصح النكاح من غير كفٔ او بغبن فاحش اصلا... وان كا من كفٔ وبمهر المثل صح ولكن لهما اى لصغير وصغيرة وملحق بهما خيلر الفسخ ولو بعد الدخول بالبلوغ اوالعلم بالنكاح بعده... بشرط القضاء للفسخ (درمختار برحاشيه شامى ۱۷۳ تا ۱۷٦ جلد ٤)

ساری مصلحتوں کو سامنے رکھتے ہوئے کہیں رشتہ طے کرتے ہیں اسلئے ان کا کیا ہوا نکاح ہمیشہ کیلئے نافذ سمجھا جائے گا۔

ولایت اجبار کے شرائط

باپ دادا اپنی اولاد کے خیر خواہ تو ہوتے ہیں مگر جب آدمی گناہ میں جری اور حرص ولالچ میں پھنس جاتا ہے یا اس کے ہوش وحواس خراب ہوجاتے ہیں تو پھر اس کے قول وعمل کا اعتبار نہیں ہوتا ہے کیونکہ جب وہ خود اپنے نفس کا خیر خواہ نہیں تو دوسرے کا خیر خواہ کیسے ہوسکتا ہے اس لئے علماء نے ولایت اجبار کے سلسلے میں تین شرطین لگائی ہیں اگر ان میں سے کوئی بھی شرط مفقود ہوگئی تو پھر باپ دادا کیلئے ولایت اجبار کا حق ختم ہوکر ان کا کیا ہوا معاملہ باطل سمجھا جائے گا۔

(۱) پہلی شرط یہ ہے کہ وہ شخص بے باک اور بے غیرت نہ ہو کہ گناہ کرنے میں اسے کوئی شرم محسوس نہ ہو۔ (۲) دوسری شرط یہ ہے کہ وہ شخص حریص اور لالچی نہ ہو اگر معلوم ہوجائے کہ اس نے لالچ میں آکر غیر کفو اور غلط جگہ شادی کی ہے تو یہ نکاح باطل سمجھا جائے گا۔ (۳) تیسری شرط یہ ہے کہ وہ ہوش وحواس میں نکاح کرے، اگر نشے، یا مرض شدید یا جنون کی وجہ سے اس کے ہوش وحواس ختم ہوگئے ہوں تو انکا کیا ہوا نکاح باطل سمجھا جائے گا۔[۱]

ولی قریب کے ہوتے ہوئے ولی بعید کا نکاح کرانا

ولی قریب کی موجودگی میں ولی بعید نے نابالغ لڑکا لڑکی کا نکاح کردیا مثلاً

---

[۱] ولزم النکاح ولو بغبن فلحش...... او...... بغیر کف، ان کان الولی...... ابا وجدا...... لم یعرف منهما سوء الاختیار مجانة وفسقا وان عرف لایصح النکاح اتفاقا وکذا لوکان سکران فزوجها من فاسق او شریر او فقیر او ذی حرفة دنیئة لظهور سوء اختیاره (درمختار) حتی لو عرف من الاب سئو الاختیار لسفهه او لطعمه لایجوز عقده اجماعاً (شامی صفحه ۱۷۲ جلد۴)

باپ کے ہوتے ہوئے دادا نے نکاح کر دیا اور باپ سے رائے نہیں لی تو وہ نکاح باپ کی اجازت پر موقوف رہے گا اجازت دیدی تو درست ورنہ نکاح فاسد سمجھا جائے گا۔[۱]

ولی قریب کی موجودگی میں ولی بعید کے نکاح کرنے کی صورتیں

ولی قریب مثلاً باپ زندہ ہے مگر بہت دور دوسرے ملک میں ہے یا کوئی پتہ نہیں کہاں ہے ادھر نابالغ لڑکا یا لڑکی کا مناسب رشتہ آچکا ہے اگر ولی قریب کا انتظار کیا جائے یا اسکو خبر دی جائے تو رشتہ ہاتھ سے نکل جائے گا تو اس صورت میں ولی بعید (مثلاً دادا) نکاح کرسکتا ہے بعد میں ولی قریب آکر رشتہ نہیں توڑسکتا۔ مگر ولی قریب اتنا قریب ہے کہ آسانی سے بلوا سکتے ہیں یا رائے لی جاسکتی ہے تو پھر دوسرے ولی کا کیا ہوا نکاح اس کی اجازت اور مرضی پر موقوف رہے گا۔[۲]

مناسب رشتہ کا ولی قریب اگر انکار کرے

نابالغ لڑکا لڑکی کا مناسب رشتہ آچکا ہے مگر ولی قریب بلاوجہ ذاتی رنجش کی وجہ سے لڑکا لڑکی کا نکاح وہاں نہیں کرتا بلکہ اس رشتہ کا انکار کرتا ہے تو پھر ولی قریب کی موجودگی میں بعد کا ولی نکاح کرسکتا ہے۔[۳]

ولیِ قریب میں ولایت کی اہلیت ختم ہوجائے

ولی قریب میں اہلیتِ ولایت ختم ہوجائے مثلاً باپ پاگل ہوجائے یا بھائی ہے جو نابالغ ہے تو پھر نااہل ولی قریب کی موجودگی میں ولایت نکاح منتقل ہوکر ولی بعید

---

[۱] فلوزوج الابعد حال قیلم الاقرب توقف علی اجازته (درمختار علی هامش شامی ۱۹۹ جلد٤)

[۲] وللولی الا بعد التزویج بغیبة الاقرب ... مسافة القصر ...... ولا یبطل تزویجه السابق بعود الاقرب لحصوله بولایة (درمختار علی هامش شامی صفحه ۱۹۹ تا ۲۰۲ جلد ٤)

[۳] ویثبت للابعد من اولیاء النسب الخ التزویج بعضل الاقرب ای بامتناعه عن التزویج اجماعاً (درمختار علی هامش شامی صفحه ۲۰۱ جلد ٤)

کے پاس آجائے گی اور ولی بعید کے نکاح کرنے سے نکاح صحیح ہوجائیگا۔[۱]

دو برابر کے ولی ہوں تو کیا حکم ہے

اگر دو برابر کے ولی ہوں مثلاً دو سگے بھائی ہیں اور ان سے پہلے کا ولی موجود نہیں تو ان دونوں اولیاء کو مشورہ کر کے اپنی نابالغ بہن کا نکاح کرانا چاہئے اگر کسی ایک نے بغیر دوسرے سے مشورہ لئے نکاح کر دیا تو دوسرے کی اجازت پر نکاح موقوف رہیگا اگر دونوں نے الگ الگ جگہ کر دیا تو پہلے شخص کا کیا ہوا نکاح منعقد ہوگا اور اگر دونوں نے الگ الگ جگہ ایک ہی وقت میں کیا ہے تو پھر کسی کا نکاح صحیح نہیں ہوگا دونوں کا کیا ہوا باطل شمار ہوگا۔[۲]

ولی کے گریز کرنے پر قاضی نکاح کا ولی ہوگا

ایسا مناسب رشتہ آچکا جس میں لڑکا لڑکی کا فائدہ و مصلحت اور نکاح نہ کرنے کی صورت میں ضرر یقینی ہے مگر ولی بلا عذر معقول اس رشتہ سے گریز کرتا ہے تو پھر قاضی کو اختیار ہوگا کہ اس لڑکا اور لڑکی کا نکاح کر دے خواہ لڑکا لڑکی نابالغ ہوں یا بالغ یا مجنون (جہاں قاضی نہیں وہاں ولی ابعد کو اختیار ہوگا، اگرچہ بعض فقہاء نے ولی ابعد کو مقدم رکھا ہے) مگر ولی کے گریز کرنے پر قاضی نے جو نکاح کیا ہے اسکی دو صورتیں ہیں (۱) نکاح سے گریز کرنے والا ولی باپ دادا ہے تو بوقت بلوغ اور بوقت جنون سے افاقہ نابالغ اور مجنوں کو اختیار فسخ حاصل ہوگا۔ (۲) اگر گریز کرنے والا باپ دادا کے علاوہ ہے تو بعد میں بوقت بلوغ وافاقہ نکاح کو رد کرنیکا اختیار نہیں ہوگا۔[۳]

---

[۱] ولاولایة لعبد ولا صغیر ولا مجنون لانه لاولایة لهم علی انفسهم فاولی ان لا یثبت علی غیر هم (هدایة صفحه ۳۱۸ جلد ۲) [۲] ولو زوجها ولیان مستویان قدم السابق فان لم یدر او وقعا معا بطلا (درمختار علی هامش شامی صفحه ۱۹۹ جلد ٤)

[۳] ویثبت للا بعد من اولیاء النسب شرح و هبلنیة لکن فی القهتسانی عن الغیائی لولم یزوج الاقرب زوج القاضی عند فوت الکفٔ التزویج بعضل الاقرب ای بامتناعه عن التزویج اجماعاً خلاصه ولا یبطل تزویجه السابق بعود الاقرب لحصوله بولایة تامة (درمختار) والعضل بان العاضل ظالم بالامتناع فقام السلطان مقامه فی دفع الظلم (شامی ۲۰۱)

بالغ لڑکا، لڑکی پر ولایت کا حکم

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا کہ بالغ لڑکا لڑکی پر ولی کو ولایت اجبار نہیں ولایت استحباب حاصل ہے انکے نکاح کے انعقاد کیلئے ولی کی اجازت شرط نہیں وہ خود اپنا رشتہ پسند کر کے نکاح کر سکتے ہیں خواہ ولی خوش ہو یا ناراض حضورؐ نے فرمایا (الایّم احق بنفسها من وليها) کہ شوہر دیدہ عورت اپنے نکاح کا معاملہ طے کرنے میں اپنے ولی سے زیادہ خود حق دار ہے۔ لیکن اگر اس نے اپنا نکاح غیر کفوٗ (اپنے سے کم ذات والے) میں کیا ہے کہ اس برادری کو ولی ناپسند کر رہا ہے تو یہ نکاح باطل سمجھا جائیگا۔[1]

بالغہ کا خود سے کم مہر پر نکاح کرنا

بالغہ نے نکاح تو کفوٗ میں ہی کیا مگر اپنے مہر مثل سے بہت کم مہر پر کیا تو نکاح صحیح ہو جائیگا مگر ولی کو اعتراض کا حق حاصل ہوگا اگر مہر مثل کے برابر شوہر نے مہر کر دیا تو اعتراض کا حق ختم ہو جائیگا مہر مثل کے برابر نہ کرنے پر ولی کو حق ہے کہ قاضی کے پاس معاملہ پیش کر کے نکاح کو فسخ کرا دے۔[2]

نوٹ: اس اعتراض کا حق ان اولیاء کو ہے جو ماں سے پہلے عصبہ بنفسہ ہیں۔

بالغہ لڑکی کا نکاح ولی نے بغیر اس کی اجازت کے کر دیا

(اگر کسی ولی نے بالغہ جوان لڑکی کا نکاح بغیر اسکی اجازت کے کر دیا تو نکاح اس لڑکی کی اجازت پر موقوف رہیگا اگر لڑکی نے اجازت دیدی تو ٹھیک ورنہ اسکے انکار پر یا اجازت نہ دینے پر نکاح ختم ہو جائیگا۔

---

۱ وله ای للولی...... الاعتراض فی غير الكفؤ الخ و يفتى فی غير الكفؤ بعدم جوازه اصلا (درختار حاشیه شامی صفحه ١٥٥ ـ ١٥٦ جلد ٤).

۲ عما لوتزوجت بدون مهرالمثل فقد علمت ان للولی الاعتراض ايضا والظاهر انه لاخلاف فی صحة العقد الخ فلذا قالوا له الاعتراض حتى يتم مهرالمثل او يفرق القاضی فاذا اتم المهر زال سبب الاعتراض (شامی ١٥٦-١٥٧ جلد٤).

بالغہ کو نکاح کے بعد اطلاع دی گئی

جوان کنواری لڑکی کا نکاح ولی قریب نے کرنیکے بعد اطلاع دی یا تو خود ولی نے دی یا کسی کو بھیج کر آگاہ کیا کہ تمہارا نکاح فلاں مرد سے کردیا گیا ہے اس پر وہ صراحۃً اجازت دینے کے بجائے خاموش رہی تو اس سکوت کو اجازت پر محمول کرکے نکاح صحیح سمجھا جائیگا۔ اگر ولی کے بھیجے ہوئے آدمی کے علاوہ کسی اور نے خبر دی ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں (۱) خبر دینے والا نیک اور معتبر آدمی ہے تو بھی سکوت کو اجازت مانا جائے گا اور اگر خبر پہنچانے والا غیر معتبر ہے تو پھر نکاح صریح اجازت پر موقوف رہے گا سکوت کافی نہیں ہوگا۔[۱]

نکاح کے وقت اجازت لینے پر خاموش رہنا اجازت ہے

جوان کنواری لڑکی سے ولی نے آکر کہا کہ میں نے تمہارا نکاح فلاں سے کردیا یا یوں کہا کہ کردیتا ہوں اس پر لڑکی خاموش رہی یا مسکرادیا یا بغیر آواز کے رونے لگی تو یہ اجازت ہے اسکے بعد ولی نے نکاح کردیا تو نکاح صحیح ہوجائیگا زبردستی زبان سے کہلانا اسی طرح ولی یعنی باپ دادا بھائی کے علاوہ بقیہ محرم مرد کا اجازت لینے کیلئے جانا انتہائی برا ہے (رسومات کے بیان میں تفصیل آرہی ہے)[۲]

لڑکی کی اجازت کی مختلف صورتیں

لڑکی بالغہ ہو یا نابالغہ کنواری ہو اس کے خاموش رہنے اسی طرح رونے اور ہنسنے وغیرہ کو فقہاء نے اجازت پر محمول کیا ہے مگر آواز سے رونا اسی طرح ہنسنا استہزاءً ہو

---

[۱] فان استأذ نها هو ای الولی وهو السنة او وکیله او رسوله او زوجها ولیها واخبرها رسوله او فضولی عدل فسکتت عن رده مختارة فهواذن (درمختلر علی هامش شامی ۱۵۹تا۱۶۰ جلد٤) وان بلغها الخبرمن رجل واحد ان کان ذلك الرجل رسول الولی یکون سکوتها رضا سولء کان الرسول عدلا اوغیر عدل کذا فی المضمرات وان کان المخبر فضولیا شرط فیه العدد اوالعدالة الخ ان کان المخبر رجلا واحد غیر عدل فان صدقته عن ذلك ثبت النکاح وان کذبته لایثبت (عالم گیری ۲۸۷–۲۸۸ جلد) [۲] (بهشتی زیور ۷ جلد٤)۔

تو اجازت پر محمول نہیں کرسکتے صاحب فتح القدیر علامہ ابن ہمامؒ اسی کے قائل ہیں۔[۱]
مگر علامہ و مولانا عبدالحی لکھنوی تحریر فرماتے ہیں کہ اسکا تعلق عرف و عادت پر ہے ہندوستان میں لڑکیاں شادی کی خبر سن کر تیز آواز سے روتی ہیں اور یہ والدین کے گھر اور رشتہ داروں کی جدائیگی کے غم میں ایسا کرتی ہیں تو اسکو اجازت سمجھا جائیگا اسی طرح ہنسنے وغیرہ کے درمیان بھی عادت و حالات کے اعتبار سے فرق کیا جاسکتا ہے اسکے بعد علامہ نے فتح القدیر کی عبارت نقل کی ہے جسکا حاصل بھی مذکورہ تفصیل ہے کہ قرائن وغیرہ سے ضحک اور بکاء کو معلوم کرسکتے ہیں تو ٹھیک ہے اور اگر قرینہ یا احوال سے بھی معلوم نہ ہو تو احتیاط کرنا چاہئے بغیر معلوم ہوئے اجازت پر محمول نہ کرنا چاہئے ہاں قرینہ سے معلوم ہو جائے تو پھر زبان سے کہلانے کی ضرورت نہیں۔[۲]

کس شخص کی اجازت لینے پر سکوت اذن ہے

سکوت وغیرہ کو اجازت پر اس وقت محمول کیا جائیگا جبکہ پوچھنے والا ایسا ولی ہو جسکو اس وقت ولایت کا حق حاصل ہے جیسے باپ وہ نہیں تو دادا وہ نہیں تو بھائی وغیرہ تو سمجھئے کہ ولی قریب مثلاً باپ نے اجازت لی یا باپ کے بھیجے ہوئے آدمی نے اجازت مانگی تو سکوت کو اجازت سمجھا جائے گا اگر ولی قریب کے ہوتے ہوئے ولی بعید نے اجازت مانگی تو اب خاموش رہنا کافی نہیں بلکہ زبان سے صراحۃً اجازت دینی ضروری ہے ہاں اگر ولی بعید کو ولی قریب مثلاً باپ نے اپنے لڑکے کو اجازت لینے بھیج دیا تو پھر اس سکوت کو اجازت پر محمول کرلیا جائیگا۔[۳]

(مسئلہ) جن صورتوں میں زبان سے اجازت ضروری ہے اگر ان میں زبان

---

[۱] قیل اذا ضحکت کالمستهز ئة لا یکون رضا وضحك الاستهزاء لا یخفی علی من یحضره واذابکت بلاصوت لایکون ردا اختیر للفتوی (فتیح القدیر ١٦٤ جلد٣).

[۲] والمعول علیه اعتبار قرائن الا حوال فی البکاء والضحك فان تعارضت او اشکل احتیط (فتح القدیر صفحه ١٦٤ جلد ٣).

[۳] فان استأذنها غیر الاقرب کا جنبی او ولی بعید فلا عبرة لسکوتها بل لابد من القول کالثیب البالغه (درمختار علی هامش شامی صفحه ١٦٤ جلد ٤).

سے اجازت نہیں دی تو نکاح موقوف رہے گا ہاں جب شوہر اس کے پاس جائے اور وہ صحبت اور مباشرت سے منع نہ کرے تو پھر نکاح منعقد ہو جائیگا۔[۱]

بوقت اجازت شوہر کا نام اور مہر کی تعیین کی اطلاع نہ دی

ولی نے لڑکی سے اجازت لیتے وقت نہ شوہر کا نام لیا اور نہ مہر کا تذکرہ کیا اور نکاح مہر مثل سے کم پر طے کیا تو پھر لڑکی کا خاموش رہنا اجازت نہیں سمجھی جائے گی بلکہ صراحۃً شوہر کا نام اور مہر کی تعیین کی اطلاع لڑکی کو دیکر پھر سے اجازت لینی پڑے گی۔[۲]

بیوہ مطلقہ کی اجازت کا حکم

اب تک اس بالغہ کی اجازت کا بیان تھا جو کنواری ہو لیکن اگر لڑکی کنواری نہیں بلکہ اس سے قبل اس کا نکاح ہوا تھا شوہر کے مرجانے یا طلاق دینے کے بعد اب دوبارہ نکاح کیلئے ولی نے اجازت لی تو ایسی عورت کا خاموش رہنا اجازت نہیں سمجھی جائے گی صراحۃً زبان سے کہنا ضروری ہے اگر زبان سے اجازت دیئے بغیر ولی نے اس کا نکاح کر دیا تو نکاح اس کی اجازت صریح پر موقوف رہے گا اگر اجازت دیدی تو صحیح ورنہ نکاح فسخ ہو جائے گا ہاں اگر عورت نے مہر طلب کرلیا یا شوہر کو وطی پر قدرت دیدی یا شادی کی مبارک بادی کو قبول کرلیا یا خوشی کے مارے ہنسنے لگی تو نکاح منعقد ہو جائے گا۔[۳]

---

[۱] یثبت بالتمکین من الوطء بالاولی لانه ادل علی الرضا (شامی صفحه ۱۶۵ ج٤)

[۲] المعتبر فی الاستیمار ان یذکر اسم الزوج علی وجه حصلت به المعرفة فلو سکتت ان استامرها الوالد قبل النکاح ولم یسم الزوج کما لم یصرح المهر لم یکن سکوتها عبارة عن رضاها (عالم گری صفحه ۲٦۲ جلد ۲ ملخوذ حاشیه بهشتی زیورصفحه ۷ حصه ٤)

[۳] ولو استأذن الثیب فلا بد من رضاها بالقول وکذا اذا بلغها الخبر هکذا فی الکافی وکما یتحقق رضاها بالقول کقولها رضت وقبلت واحسنتِ واصبت وبارك الله لك اولنا ونحوه یتحقق بالدلالة کطلب مهرها ونفقتها وتمکینها من الوطْ وقبول التهنئة والضحك بالسرور من غیر استهزاء (عالم گیری صفحه ۲۸۹ جلد۱)

بالغ لڑکے کی اجازت کا حکم

جو حکم بیوہ اور مطلقہ کا ہے وہی حکم بالغ لڑکے کا بھی ہے خواہ لڑکا شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ اس کا صاف زبان سے اپنی رضا کا اظہار کرنا اور نکاح کو قبول کرنا ضروری ہے اس کا خاموش رہنا کافی نہیں ہوگا۔[۱]

جوانی کی ابتداء اور اس کی علامتیں

لڑکے کی جوانی و بلوغ شریعت میں مختلف علامتوں سے پہچانی جاتی ہے وہ چار ہیں۔ (۱) احتلام ہونا۔ (۲) شہوت کے ساتھ انزال ہونا۔ (۳) اس سے کسی عورت کو حمل ٹھہر جانا۔ (۴) اگر ان تینوں علامتوں میں سے کوئی علامت ظاہر نہ ہو تو اخیر میں پندرہ سال پورے ہونے پر لڑکا بالغ شمار ہوگا۔

لڑکی کی علامت بلوغ پانچ ہیں۔ (۱) حیض کا آنا۔ (۲) احتلام ہونا۔ (۳) حمل ٹھہر جانا۔ (۴) بیداری کی حالت میں شہوت کے ساتھ منی کا نکلنا۔ (اگر ان چاروں علامتوں میں سے کوئی علامت ظاہر نہ ہو تو اخیر میں) (۵) لڑکی پندرہ سال پر بالغہ شمار ہوگی۔

نوٹ: لڑکے کے بالغ ہونے کی کم سے کم مدت بارہ سال اور لڑکی کے بالغ ہونے کی کم سے کم مدت نو سال ہے اس سے پہلے نہ لڑکا بالغ ہوسکتا ہے نہ لڑکی۔[۲]

---

[۱] فسکتت ای البکر البالغه بخلاف الابن الکبیر فلا یکون سکوته رضا حتی یرضی بالکلام (شامی صفحه ۱٦۰ جلد٤)

[۲] بلوغ الغلام بالاحتلام والاحبال والا نزال... والجلریة بالاحتلام والحیض والحبل... فان لم یوجد فیهما شئ فحتی یتم لکل منهما خمس عشرة سنة به یفتی ... وادنی مدته له اثنتا عشرة سنة ولها تسع سنین هو المختار (درمختار علی هامش شامی ۲۲۵ تا ۲۲۷ جلد ۹)

وکالت نکاح

وکالت کے معنی: نگرانی، حفاظت، چارہ سازی اور کارسازی کے ہیں اسی سے توکیل کا لفظ نکلا ہے توکیل کے معنی لغت میں سپرد کرنا۔ کسی پر بھروسہ کرکے کام چھوڑ دینا ہے اصطلاح میں غیر پر اعتماد کرکے اس کو کسی کام پر اپنا قائم مقام بنانے کو توکیل اور وکیل بنانا کہتے ہیں۔ کام سپرد کرنے والے کو موکل اور جو ذمہ داری قبول کرتا ہے اس کو وکیل۔ اور جس کام کی ذمہ داری سونپی جاتی ہے اس کو موَکل بہ کہتے ہیں۔[۱]

توکیل بالنکاح کا مطلب

نکاح میں وکیل بنانے کا مطلب یہ ہے کہ ہر عاقل بالغ مرد وعورت جو خود اپنا یا دوسرے کا ولی بن کر نکاح کرنے کا مختار ہے وہ اس بات کا بھی مجاز ہے کہ اپنا نکاح یا اپنی زیر ولایت لڑکا لڑکی کا نکاح خود کرنے کے بجائے کسی اہل کو وکیل بنادے اور نکاح سے متعلق اپنے اختیارات اسے سونپ دے۔[۲]

وکالت کے شرائط

شرائط وکالت دو طرح کے ہیں بعض موَکل کیلئے اور بعض وکیل کیلئے موَکل کیلئے شرط یہ ہے کہ موَکل، مُوَکّلٌ بہ کا مالک اور اس میں تصرف کرنے کا اہل ہو لہٰذا جس کا وہ خود مالک نہیں (نہ اصل ہونے کے اعتبار سے اور نہ ولی ہونے کی حیثیت سے) تو وہ دوسرے کو وکیل بھی نہیں بنا سکتا دوسری چیز اہلیت تصرف ہے لہٰذا نابالغ بچہ اور مجنون جس طرح عدم اہلیت کیوجہ سے نہ اپنا عقد نکاح خود کرسکتا ہے اور نہ دوسرے کا

---

۱ والتوکیل صحیح بالکتاب والسنة قال تعالی (فابعثوا احدکم بورقکم)... وھو اقامة الغیر مقام نفسه ترفھا او عجزا فی تصرف جائز معلوم (درمختار علی ھامش شامی صفحه ۲۳۹ تا ۲٤۱ جلد ۸ کتاب التوکیل)

۲ فنفذ نکاح حرة مکلفة بلا رضا ولی والاصل ان کل من تصرف فی ماله تصرف فی نفسه ومالا فلا (درمختار علی ھامش شامی صفحه ۱۵۵ جلد ٤ باب الولی)

ولی بن سکتا ہے اسی طرح وہ کسی کو اپنا وکیل بھی نہیں بنا سکتا خلاصہ یہ ہے کہ مؤکل کے اندر ملکیت مُوَکَّلْ بہ۔ اہلیتِ تصرف۔ بلوغ اور عقل کا ہونا شرط ہے۔

وکیل کیلئے عقل اور تمیز کا ہونا شرط ہے اس لئے مجنون اور بے عقل بچہ کسی کا وکیل نہیں بن سکتا البتہ نابالغ بچہ اگر عقلمند ہے تو وہ وکیل بن سکتا ہے چنانچہ کسی نے عقلمند بچے کو نکاح کا وکیل بنایا اور بچہ نے اس کا نکاح صحیح طور پر کردیا تو نکاح درست اور منعقد ہوجائے گا۔[1]

وکیل کیلئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ نکاح کی وکالت کرتے ہوئے نکاح کی نسبت اپنی طرف کرنے کے بجائے مؤکل کی طرف کرے لہٰذا پیغام دیتے وقت یا عقد نکاح کرتے ہوئے صاف صراحۃً بیان کردے کہ وہ اپنی طرف سے پیغام نہیں دیرہا ہے یا اپنا عقد نہیں کررہا ہے بلکہ وہ فلاں مؤکل کا وکیل اور اس کا نمائندہ ہے اگر نکاح کی نسبت مؤکل کی طرف کرنے کے بجائے اپنی طرف کردیا تو یہ نکاح وکیل ہی کا ہوگا۔[2]

نیز اسی طرح نکاح کے وقت ولی قریب اگر خود اجازت لینے کے بجائے کسی کو اپنا وکیل بنا کر اپنی زیرولایت لڑکی کے پاس اجازت لینے بھیجا تو اس وکیل یا قاصد کو چاہئے کہ وہ لڑکی کے سامنے تصریح کردے کہ وہ اس کے ولی کی طرف سے بحیثیت

---

[1] وأما الشرائط فانواع بعضها يرجع الى المؤكل وبعضها يرجع الى الوكيل وبعضها يرجع الى الموكل به اما الذى يرجع الى الموكل فهو ان يكون فمن يملك فعل ما وكل به بنفسه لأن التوكيل تفويض ما يملكه من التصرف الى غيره فما لا يملكه بنفسه كيف يحتمل التفويض الى غيره فلا يصح التوكيل من المجنون والصبى الذى لايعقل اصلا۔ وكذا من الصبى العاقل بما لايملكه بنفسه كالطلاق والعتاق والهبة والصدقة ونحوها من التصرفات الضارة المحضة... واما الذى يرجع الى الوكيل فهو ان يكون عاقلا فلا تصح وكالة المجنون والصبى الذى لايعقل لما قلنا واما البلوغ والحرية فليسا بشرط لصحة الوكالة فتصح وكالة الصبى العاقل (بدائع الصنائع صفحه ١٥تا ١٦ جلد ٥ كتاب الوكالة)

[2] وكل عقد يضيفه الى موكله كالنكاح والخلع والصلح عن دم العمد فان حقوقه تتعلق بالمؤكل دون الوكيل۔ لان الوكيل فيها سفير محض الاترى انه لا يستغنى عن اضافة العقد الى الموكل ولو اضافه الى نفسه كان النكاح له (هداية صفحه ١٨٠ جلد ٣ كتاب الوكالة)

وکیل یا قاصد اس سے اجازت حاصل کرنے آیا ہے۔

(نوٹ) یہ بات گزر چکی ہے کہ ولی اقرب یا اس کا وکیل یا قاصد اجازت طلب کرے تو لڑکی کی طرف سے صاف صراحۃً اجازت ضروری نہیں ہے بلکہ لڑکی کا خاموش رہنا یا ایسی چیزوں کا اظہار جو عرف میں اجازت کی علامت ہے اجازت اور رضامندی سمجھی جائے گی۔ ہاں ولی اقرب یا اس کے وکیل کے بجائے کوئی دوسرا آدمی کنواری لڑکی سے اجازت لے تو پھر صاف اور صراحۃً اجازت ضروری ہے۔[۱]

وکالت کی قسمیں

وکالت کی دو قسمیں ہیں۔ ۱۔ عمومی۔ ۲۔ خصوصی۔ (وکالت عمومی) یہ ہے کہ عاقل بالغ مرد یا عورت نے کسی عقلمند شخص کو اپنا وکیل بناتے ہوئے یوں کہا کہ تمہیں اختیار ہے کہ میرا نکاح جہاں اور جتنے مہر میں چاہو کر دو تو وکیل جہاں اور جس سے جتنے مہر پر نکاح کر دیگا نکاح صحیح ہو جائے گا بشرطیکہ کفو اور مہر مثل کے قریب قریب مہر پر نکاح کیا ہو۔ اگر وکیل نے اپنے مؤکل و مؤکلہ کا نکاح غیر کفو میں کیا یا کفو ہی میں ایسے لڑکے لڑکی سے نکاح کر دیا جس میں کوئی بڑا اور نمایاں عیب ہو تو یہ نکاح نافذ نہیں ہوگا بلکہ موکل اور موکلہ کی اجازت پر موقوف رہے گا۔

اسی طرح مرد کے وکیل نے مہر مثل سے اتنا زیادہ مہر مقرر کیا جو مروج مقدار سے نمایاں طور سے زیادہ ہے یا لڑکی کے وکیل نے اس کے مہر مثل سے اتنی کم مقدار مقرر کی جو اس کے خاندان کیلئے باعث عار ہے تو یہ نکاح بھی اس پر نافذ نہ ہوگا بلکہ نکاح فضولی کے حکم میں ہو کر موقوف رہے گا مؤکل اور مؤکلہ نے اس نکاح کو قبول کر لیا تو

---

[۱] فان استأذنها هو ای الولی وهو السنة او وكيله اور سوله أو زوّجها وليها... فسكتت عن رده مختلرة اوضحكت غيرمستهزئة او تبسمت او بكت بلا صوت ...... فهو اذن ای توكيل فی الاول (درمختار) قوله او وكيله او رسوله) الاول ان يقول وكلتك تستأذن لی فلانة فی كذا، والثانی ان يقول اذهب ا□ى فلانة وقل لها ان اخاك فلان يستأذنك فی كذا (شامی صفحه ۱۵۹تا۱٦۰ جلد ٤)

منعقد ہو جائے گا ورنہ باطل سمجھا جائے گا۔[1]

(وکالت خصوصی) یہ ہے کہ عاقل بالغ مرد یا عورت نے کسی عقلمند آدمی کو اپنا وکیل بناتے ہوئے کہا کہ تمہیں اختیار ہے کہ میرا نکاح فلاں شخص سے اتنے مہر میں کردو تو وکیل کو چاہئے کہ شخص متعین اور مہر متعینہ پر ہی نکاح کرے اس کے خلاف کیا تو نکاح نافذ نہیں ہوگا بلکہ موکل کی اجازت پر موقوف رہے گا۔ مثلاً کسی مرد نے وکیل سے کہا کہ میرا نکاح ہندہ سے ایک ہزار روپے مہر پر کردو۔ وکیل نے اس کا نکاح ایک ہزار روپے پر ہندہ سے کردیا تو درست اور نکاح نافذ ہوگا بلکہ لیکن اگر اس نے ہندہ کے بجائے خالدہ سے کردیا یا ہندہ ہی سے ایک ہزار کے بجائے دو ہزار پر کیا تو یہ نافذ نہیں ہوگا بلکہ مؤکل کی اجازت پر موقوف رہے گا موکل نے اجازت دیدی تو ٹھیک ورنہ نکاح باطل سمجھا جائے گا۔[2]

وکیلِ نکاح دوسرے کو وکیل نہیں بنا سکتا

وکیل نکاح کو حق نہیں ہے کہ وہ بھی کسی اور کو اپنا وکیل بنائے اگر اس نے ایسا

---

[1] التوکیل صحیح۔۔ وھو خاص وعام کلنت وکیلی فی کل شئ عم الکل حتی الطلاق (درمختلر علی هامش شامی ۲۳۹ تا ۲۴۰ جلد۸) ولو قال لها أزوك من فلان او فلان وذکر جماعة فسکتت فهو رضا یزوجها الولی من ایهم شاء۔۔ وهذا کله اذا لم تفوض الامر الیه اما اذا قالت انا راضیة بما تفعله انت بعد قوله أن اقواما یخطبونك أو زوجنی ممن تختاره ونحوه فهو استیذان صحیح (عالم گیری صفحه ۲۸۸ جلد۱) ولو زوجه امرأة باکثر من مهر مثلها جاز فی قول ابی حنیفة رحمه الله تعالی ولا یجوز فی قول صاحبیه رحمهما الله تعالی اذا زوجه باکثر من مهر مثلها بما لا یتغابن الناس فیه ولو زوجه امرأة رتقاء أو مقعدة أو مجنونة قیل بانه یجوز عند الکل والصحیح انه علی الاختلاف ایضا۔۔۔ ولو وکله بأن یزوجه امرأة ولم یسمها فزوجه امرأة لیست بکفٔ له جاز فی قول ابی حنیفة لاطلاق اللفظ کما هو الاصل عنده وعندهما فی القیاس جاز وفی الاستحسان لایجوز ولو وکلت المرأة رجلا ان یزوجها فزوجها من غیر کفٔ الصحیح انه لایجوز فی قولهم ولایجوز للوکیل ان یزوجها صبیا او مجبوبا او مجنونا (فتاوی قاضی خاں علی هامش الهندیة صفحه ٤٦ جلد ۳ فصل فی التوکیل بالنکاح والطلاق والعتاق)

[2] اذا وکل رجلا بان یزوجه فلانة بالف درهم فزوجها اياه بالفین أن اجاز الزوج جاز وان رد بطل (فتاوی قاضی خاں علی هامش الهندیة صفحه ۳٤۷ جلد ۱)

کیا اور وکیل ثانی نے پہلے وکیل کی موجودگی میں نکاح پڑھایا تو نکاح درست ہو جائے گا اور اگر وکیل اول وہاں موجود نہیں تو نکاح صحیح نہیں ہوگا۔[۱]

ایک ہی شخص طرفین سے وکیل یا ایک طرف سے وکیل اور اپنی طرف سے اصیل ہوسکتا ہے

ایک ہی شخص مرد و عورت دونوں کی طرف سے وکیل یا اپنی طرف سے اصیل اور دوسرے کی طرف سے وکیل بن سکتا ہے مثلاً عاقل بالغ لڑکا اور لڑکی دونوں نے ایک ہی شخص کو اپنے نکاح کا وکیل بنایا تو وہ وکیل ایک کی طرف سے ایجاب اور دوسرے کی جانب سے قبول کرلے گا تو نکاح صحیح ہو جائے گا۔

اسی طرح اگر عاقلہ بالغہ لڑکی نے ایک شخص کو اپنا وکیل بناتے ہوئے کہا کہ میرا نکاح تو اپنے ساتھ کرسکتا ہے تو اس وکیل نے اگر اس عاقلہ بالغہ کی طرف سے ایجاب اور اپنی طرف سے قبول کرلیا تو اس کا نکاح اس لڑکی کے ساتھ صحیح ہو کر منعقد ہو جائے گا۔[۲]

مہر کا مطالبہ موکل سے ہوگا نہ کہ وکیل سے

عورت مہر کا مطالبہ اپنے شوہر مؤکل سے کریگی نہ کہ وکیل بالنکاح سے کیونکہ نکاح کے وکیل کی حیثیت محض ایک سفیر اور نمائندہ کی ہے عقد نکاح کی ساری ذمہ داری

---

۱ والوکیل بالتزویج لیس له ان یوکل غیره فان فعل فزوجه الثانی بحضرة الاول جلز (فتاوی قاضی خاں صفحه ۵۸۰ جلد ۳ ماخوذ فتاوی رحیمیه) صفحه ۱۰۱ جلد ۲

۲ (ویتولی طرفی النکاح واحد) بایجاب یقوم مقام القبول فی خمس صور کان ولیا او وکیلا من الجانبین او اصیلا من جانب ووکیلا او ولیا من اخر او ولیا من جانب ووکیلا من اخر کزوجت بنتی من مؤکلی لیس ذلك الواحد وبفضولی ولو من جانب وان تکلم بکلامین علی الراجح لان قبوله غیر معتبر شرعا لما تقرر ان الایجاب لا یتوقف علی قبول غائب (درمختار علی هامش شامی صفحه ۲۲٤ تا ۲۲۵ باب الکفائة جلد٤)

مؤکل پر عائد ہوگی وکیل پر نہیں ہے[۱]

نکاح فضولی

فضولی اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کو نکاح کرنے کرانے کا شرعاً کچھ بھی اختیار نہیں یا تو اپنے اندر اہلیت کے مفقود ہونے کی وجہ سے یا کسی کا ولی یا وکیل نہ ہونے کی وجہ سے۔تو ایسا شخص بلا شرعی اختیار کے اپنا یا کسی اور کا نکاح بغیر اس شخص کی اجازت کے جس کو اس معاملہ میں شرعاً اختیار ہے کر دیا تو یہ نکاح۔نکاح فضولی ہے اگر صاحب اختیار نے فضولی کے اس نکاح کو منظور کر لیا تو نکاح نافذ ہوگا ورنہ باطل ہو جائے گا۔

مثلاً کسی نے عاقل بالغ کا نکاح بغیر اس کی اجازت کے کر دیا تو یہ نکاح فضولی ہے جو عاقل بالغ کی اجازت پر موقوف رہے گا۔اسی طرح کسی نابالغ لڑکا لڑکی، یا مجنون ومعتوہ کا نکاح اس کے ولی کی اجازت کے بغیر کر دیا گیا یا ہوشمند نابالغ لڑکا لڑکی نے بغیر ولی کی اجازت کے اپنا نکاح خود کر لیا تو یہ تمام صورتیں نکاح فضولی کی ہیں جو اولیاء کی اجازت پر موقوف رہیگا صاحب اختیار (یعنی ولی) نے اجازت دیدی تو نکاح نافذ ہوگا ورنہ باطل ہو جائے گا۔[۲]

کفاءت کا بیان

کفاءت کے معنی

کفاءت کے معنی لغت میں مساوات اور برابری کے ہیں۔اصطلاح شرع

---

[۱] ولنا ان الوکیل فی النکاح معبر وسفیر والتمانع فی الحقوق دون التعبیر ولا ترجع الحقوق الیه (ہدایه صفحه ۳۲۲ جلد ۲ فصل فی الوکالة بالنکاح)

[۲] شروع فی بیان الفضولی وبعض لحکامه وهو من یتصرف لغیره بغیر ولایة ولا وکالة او لنفسه ولیس اهلا له (البحر الرائق صفحه ۲٤۲ جلد ۳) ونکاح عبد وامة بغیر اذن السید موقوف علی الاجازة کنکاح الفضولی الخ توقف عقوده کلها ان لها مجیز حالة العقد (درمختار) وقال فیها فی فصل بیع الفصولی لو باع الصبی ماله او اشتری او تزوج او زوج امه او کاتب عبده ونحوه توقف عن اجلزة الولی فلو بلغ هو فاجاز نفذ (درمختار مع الشامی صفحه ۲۲۵ تا ۲۲٦ جلد ٤

میں چند خاص امور میں خاوند کا بیوی کے ہم پلہ اور برابر ہونا کفاءت ہے۔[۱]

کفو کی حقیقت اور اس کی مصلحتیں

شریعت مطہرہ نے مسلمانوں کی حیثیت اور فرق مراتب کا لحاظ صرف ایمان، اعمال صالحہ، تقوی اور اخلاق حسنہ کے تفاوت ہی کی وجہ سے کیا ہے۔ اللہ رب العزت نے ایک کو دوسرے پر فضیلت وفوقیت پانے کا معیار اور ضابطہ بیان کرتے ہوئے فرمایا (اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰہِ اَتْقٰکُمْ [۲]) کہ تم میں سے جو زیادہ متقی ہے وہی اللہ کے یہاں باعزت اور مکرم ہے۔ مذہب اسلام میں کسی عربی کو عجمی پر، گورے کو کالے پر، کسی ملک اور صوبہ میں رہنے والے کو دوسرے ملک اور صوبہ میں رہنے والے پر اور مالداروں کو غریبوں پر، کوئی فوقیت وبرتری نہیں دی گئی ہے فضیلت وفوقیت کا معیار یہاں صرف تقوی ہے۔ اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ حسب ونسب، اور قومیت وبرادری کا لحاظ کئے بغیر ایک مسلمان دوسرے مسلمانوں کے یہاں بلا تکلف رشتۂ نکاح کر لیتے۔ مگر شریعت اسلامیہ نے ان چیزوں کا لحاظ کرتے ہوئے نکاح میں کفو کی قید لگادی ہے کہ رشتۂ نکاح قائم کرنے میں دینی ومعاشی اور معاشرتی مناسبت کا اعتبار کیا جائے وجہ یہ ہے کہ نکاح کے بہت سے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد یہ ہے کہ نکاح کے ذریعہ زوجین اور ان کے خاندانوں کے مابین اس قدر الفت ومحبت پیدا ہوجائے کہ ایک دوسرے سے بالکل اجنبیت محسوس نہ کریں ازدواجی زندگی ہمیشہ کیلئے خوشگوار ہوجائے اور یہ چیزیں کفو کا لحاظ کئے بغیر ممکن نہیں کیونکہ ذرا بھی عقل رکھنے والا اس حقیقت کو تسلیم کرنے سے انکار نہیں کرسکتا کہ ماحول اور طرز معاشرت کے مختلف ہوجانے سے

---

[۱] الکفائۃ بالفتح مصدر واسم منہ الکفٔ ووھو النظیر من کلفأہ اذا ساواہ فھی معتبر فی النکاح (عنایۃ علی الھدایۃ مع فتح القدیر صفحہ ۱۸۶ جلد ۳) [۲] سورہ حجرات آیت ۱۳

مزاجوں اور عادتوں میں عموماً اختلاف پیدا ہو ہی جاتا ہے ایک خاص ماحول، شیشہ مزاج مہذب وشریعہ، علمی ودینی خاندانوں میں پلی ہوئی لڑکی کا نکاح اگر ایسے شخص سے کردیا جائے جس کا خاندانی پیشہ آنتوں کی چربی نکالنا، جھاڑو لگانا یا اس کے مثل کوئی خسیس پیشہ ہو جس کی وجہ سے اس کا پورا بدن بدبو سے متعفن رہتا ہو۔ تو بھلا سوچئے کہ اس نازک مزاج لڑکی کے دل ودماغ پر کیا اثر ہوگا اس کے لئے یہ رشتہ خوشگوار ہونے کے بجائے نہایت تلخ بلکہ ہمیشہ کیلئے جہنم کا نمونہ بن کر رہ جائیگا۔ جس دین فطرت میں اس قسم کے پیشہ وروں کا بغیر پاکی وصفائی حاصل کئے جماعت میں شرکت کے لئے مسجد میں آنا اسلئے ناپسند قرار دیا گیا ہے کہ تھوڑی دیر دوسرے کو تکلیف ہوگی تو کیا وہی شریعت مستقل کسی کی تکلیف واذیت برداشت کرسکتی ہے۔ بس انہیں مصالح کیوجہ سے کفاءت کا لحاظ کیا گیا ہے اور غیر کفو میں نکاح کرنے کی صورت میں چند مخصوص شرائط کیساتھ فسخ نکاح کا اختیار دیا گیا ہے اسی وجہ سے نومسلم وغیر مسلم کے مابین رشتۂ نکاح کو ناجائز قرار دیا گیا ہے کیونکہ ایک موحد اور بت پرست کے درمیان آسمان وزمین کا فرق ہے لیکن اہل کتاب سے یہ اختلاف ذرا کم ہو جاتا ہے اس لئے مسلم مرد کو کتابیہ عورت سے نکاح کرنے کی اجازت دی گئی ہے اس کے برعکس مسلمہ عورت کا نکاح کتابی مرد سے ممنوع اور ناجائز قرار دیا گیا ہے کیونکہ عورت اکثر مغلوب ہو کر شوہر کے تابع ہو جاتی ہے جس سے اہل اسلام کے مغلوب اور اہل کتاب کے غالب ہونے کا احتمال تھا۔ حضور ﷺ نے خود کفاءت کا لحاظ کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا تخیروا لنطفکم وانکحوا الاکفاء[1] کہ اپنے نطفہ کیلئے اچھے رشتے کا انتخاب کرو اور اس کا نکاح برابری میں کرو دوسری جگہ تفصیل سے بیان فرمایا۔

[1] (ابن ملجه صفحه ۱۴۱ جلد۱)

اذا اتاکم من ترضون خلقه و دینه فزوجوه الا تفعلوا تکن فتنة فی الارض وفساد عریض [۱]

کہ جب کوئی ایسا رشتہ آجائے جسکے دین واخلاق سے تم راضی ہوتو اس سے نکاح کرلو ورنہ بڑا فتنہ اور فساد زمین میں برپا ہوجائے گا۔

اسی طرح دارقطنی کی حدیث میں ارشاد ہے۔ (لاتنکحوا النساء الا الاکفاء) کہ عورتوں کی شادی ان کے کفوہی میں کرو۔

کفاءت کا اعتبار کن چیزوں میں کیا جائے۔

کفاءت میں چھ چیزوں کالحاظ کیا گیا ہے۔ (۱) کفاءت میں سب سے پہلے اسلام کالحاظ ضروری ہے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا کہ کافر مسلمان کا کفونہیں لہٰذا زوجین عقیدہ کے لحاظ سے مسلمان ہیں تو ٹھیک ورنہ رشتۂ نکاح قائم نہیں ہوسکتا حتی کہ کافر نکاح کا وکیل اور گواہ بھی نہیں ہوسکتا، نومسلم اور قدیم خاندانی مسلمان ایک دوسرے کے کفو ہیں۔ (۲) حریت یعنی آزادی کا بھی کفو میں لحاظ کیا گیا ہے لہٰذا غلام اور باندی آزاد شخص کے برابر نہیں۔ [۲]

(۳) دین داری اور تقوی کا بھی لحاظ ضروری ہے یعنی ایسا شخص جو دین کا پابند نہیں لچا، لفنگا، آوارہ، شرابی، بدکار ہے تو وہ نیک بخت، پارسا، دین دار عورت کے برابر کا نہیں [۳]

---

[۱] ابن ماجه صفحه ۱٤۱ جلد۱)

[۲] (فتعتبر حرية واسلاما) افادان الاسلام لایکون معتبرا فی حق العرب کما اتفق علیه ابو حنیفة وصاحباه لانهم یتفاخرون به وانما یتفاخرون بالنسب فعربی له اب کافر یکون کفؤا لعربیة لها ابلد فی الاسلام واما الحریة فهی لازمة للعرب لانه لایجوز استرقاقهم نعم الاسلام معتبر فی العرب بالنظر الی نفس الزوج لا لی ابیه وجده (شامی ۲۱۱ ج٤)

[۳] تعتبر الکفائت فی الدیانة وهذا قول ابی حنیفة وابی یوسف" وهو الصحیح کذا فی الهدایة فلایکون الفاسق کفا للصالحة کذا فی المجع سولء معلن الفسق اولم یکن (عالم گیر صفحه ۲۹۱ جلد۱)

(۴) مالداری میں برابری کا مطلب یہ ہے کہ بالکل مفلس محتاج شخص مالدار عورت کے برابر کا نہیں اگر بالکل مفلس نہیں ہے بلکہ جتنا مہر پہلی رات میں دینے کا دستور ہے اتنا مہر دینے کی استطاعت ہے اور نان نفقہ بھی ادا کرسکتا ہے تو وہ مالدار لڑکی کے میل کا ہے اگرچہ سارا مہر ایک مرتبہ نہ دے سکے یہ ضروری نہیں کہ جتنی مالدار لڑکی ہے اتنا ہی مالدار لڑکا بھی ہو یا اس کے قریب قریب ہو۔[۱]

(۵) پیشہ میں برابری کا تو کوئی خاص لحاظ نہیں کیا گیا ہے کہ حرفت و پیشہ کے مختلف ہونے کی وجہ سے رشتہ نہ کیا جائے اور کرلیا تو فسخ کا حق ہوگا۔ کیونکہ اب تو ہر طرح کا پیشہ عام ہے کسی برادری کیساتھ کوئی پیشہ خاص نہ رہا۔ البتہ بعض پیشہ اب بھی معاشرہ میں گھناؤنا اور گراہوا سمجھا جاتا ہے تو نکاح میں اس کا لحاظ کرنا ضروری ہوگا جیسے نائی، دھوبی، بھنگی وغیرہ کا پیشہ اعلی قسم کے لوگ اختیار نہیں کرتے تو ان پیشوں میں کفو کا لحاظ ہوگا علامہ شامی نے اس پر مبسوط کلام کیا ہے حاصل یہ ہے کہ اس کا مدار عرف پر ہے عرفاً خسیس پیشہ والا اعلی پیشہ والے کا کفو نہیں۔[۲]

(تنبیہ) فقہاء نے پیشہ کا لحاظ اس لئے کیا ہے کہ ہم پیشہ لوگوں کا رہن سہن ایک جیسا ہوتا ہے ان کے یہاں شادی کرنے میں سہولت ہوتی ہے معاشی اعتبار سے بھی فائدہ ہوتا ہے مگر اسلامی نقطہ نظر سے یہ سمجھنا کہ کسی پیشہ کیساتھ عزت اور کسی پیشہ

---

[۱] (منها الكفائة فى المال) وهو ان يكون مالكا للمهر والنفقة وهو المعتبر فى ظاهر الرواية حتى ان من لايملكهما اولا يملك احدهما لا يكون كفأ كذا فى الهداية موسرة كانت المرأة او معسرة هكذا فى التجنيس والمزيد ولا تعتبر الزيادة على ذلك حتى ان من كان قادرا على المهر والنفقة كان كفألها وان كانت هى صاحبة اموال كثيرة هو الصحيح من المذهب (عالم گیری صفحه ۲۹۱ جلد ۱)

[۲] (وحرفة) ذكر الكرخى ان الكفاءة فيها معتبر عند ابى يوسف وان ابا حنيفة بنى الأمر فيها على عادة العرب ان مواليهم يعملون هذه الاعمال لا يقصدون بها الحرف فلا يعيرون بها واجاب ابو يوسف على عادة اهل البلاد وانهم يتخذون ذلك حرفة فيعيرون بالدنىّ منها فلا يكون بينهما خلاف فى الحقيقة بدائع فعلى هذا لوكان من العرب من اهل البلاد من يحترف بنفسه تعتبر فيهم الكفاءة فيها وحينئذ فتكون معتبرة بين العرب والعجم... وفى الفتح ان الموجب هو استنقاص اهل العرف فيدورمعه (شامى صفحه ۲۱۵ جلد٤)

کیساتھ ذلت چمٹی ہوتی ہے کہ جہاں کسی نے ایک دو پشت کوئی خاص پیشہ اختیار کیا بس وہ ہمیشہ کے لئے ذلیل ہوگیا چاہے بعد میں کتنا ہی اچھا پیشہ کیوں نہ اختیار کرلے اور کتنا ہی خوبیوں کا مالک کیوں نہ ہوجائے یہ نظریہ بالکل غلط ہے۔ حضرت امام اعظمؒ سے ایک قول منقول ہے وہ فرماتے ہیں۔

ان الحرفة ليست بلازمة ويمكن التحول عن الخسيسة الى النفيسة [۱]

کہ پیشہ کسی کیساتھ ہمیشہ چمٹا نہیں رہتا بلکہ ممکن ہے کہ ایک آدمی گھٹیا کام چھوڑ کر اچھا کام کرنے لگے۔

(۶) نسب کی شرافت اور اس کی فضیلت کا اعتبار شریعت نے تو کیا ہے اور کفو میں اس کا اعتبار بھی کیا گیا ہے کہ ادنی نسب والا اعلی نسب والے کا کفو نہیں مگر یہ جب ہے کہ نسب محفوظ ہو یہ بات اہل عرب خاص کر قریش اور عجم کے بعض ان خاندانوں کو حاصل ہے جنہوں نے اپنے نسب کو محفوظ رکھا ہے اور عجم میں سے جن کا نسب محفوظ نہیں وہ ایک دوسرے کے کفو ہیں۔

(تنبیہ) شریعت میں نسب کی شرافت کا اعتبار تو کیا گیا ہے مگر اس سے یہ سمجھ لینا کہ ایک برادری کو دوسری برادری پر یہ شرافت وفضیلت دائمی ہے ایک خاص برادری کے اندر جو پیدا ہوگیا وہ ہمیشہ ذلیل وخوار ہی رہے گا چاہے کتنا ہی علم وشرافت کا مالک کیوں نہ بن جائے اور اچھا پیشہ کیوں نہ اختیار کرلے اور دوسرے خاندان وبرادری کے اندر جو پیدا ہوگیا وہ ہمیشہ ہر حال میں معزز ہی رہے گا چاہے ان پڑھ وجاہل ہو اور گھٹیا پیشہ اختیار کر رکھا ہو ہندوستان وپاکستان وغیرہ میں جو برادری اور خاندانوں کی جو مستقل گروہ بندی ہوگئی ہے کہ کوئی سید کوئی شیخ کوئی مغل کوئی پٹھان کوئی انصاری تو کوئی منصوری اور کوئی سبزی فروش اور کوئی درزی وغیرہ یہ کوئی مستقل برادری نہیں۔ اصل میں پیشہ اور اختلاف معاشرت کی وجہ سے یہ تقسیم ہوگئی تھی مگر لوگوں نے اس کو مستقل برادری

---

[۱] ھدایة ۳۲۱ جلد۲ کتاب النکاح)

سمجھ لیا۔ اور اب تو اس میں اس قدر تعصب کی بو آ گئی ہے کہ کسی برادری کا کوئی کتنا ہی پڑھا لکھا، صالح لڑکا ہو مگر دوسری برادری کے لوگ اس سے اپنی لڑکی کا رشتہ کرنے میں عار محسوس کرتے ہیں یہ اسلامی روح کے بالکل خلاف ہے کسی پیشے کی وجہ سے ذلت پیدا نہیں ہوتی بلکہ ان عادات قبیحہ کی وجہ سے ذلت پیدا ہوتی ہے جو پیشے کے ساتھ مخصوص ہیں مثلاً رہن سہن اور بات چیت کی خرابی اور علم وفضل وغیرہ کا نہ ہونا اگر یہ عادات ختم ہو جائیں تو پھر اس کا مصداق ان کو قرار دینا غلط ہے چنانچہ ایک شخص نسباً صدیقی ہے مگر جاہل ہے دوسرا پٹھان یا درزی اور منصوری ہے مگر صاحب علم وفضل ہے تو کفو کے اعتبار سے اس صدیقی جاہل سے بڑھا ہوا ہے چنانچہ صاحب درمختار اسی کو واضح انداز میں تحریر فرماتے ہیں کہ

کان شرف العلم اقوی من شرف النسب بدلالۃ الآیۃ (ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون) [1]

علم کی شرافت نسب کی شرافت سے زیادہ قوی ہے جیسا کہ اس آیت قرآنی سے صاف معلوم ہوتا ہے کیا جو لوگ اہل علم ہیں وہ اور غیر اہل علم برابر ہو سکتے ہیں۔

چنانچہ حسب، نسب، حسن وجمال اور مال دولت پر دین داری کو ترجیح دینے کے متعلق حضور ﷺ نے بھی ایک حدیث میں ارشاد فرمایا ہے۔

ان المرأۃ تنکح علی دینھا ومالھا وجمالھا فعلیک بذات الدین تربت یداک [2]

کہ عورت سے نکاح کیا جاتا ہے دین کی بنا پر یا مال ودولت کی بنا پر یا حسن وجمال کی بنیاد پر تم دین واخلاق والی عورت کو نکاح کیلئے منتخب کروا گرچہ تمہیں یہ ناگوار معلوم ہو۔

(فائدہ) قرآن وحدیث سے معلوم ہوا کہ لڑکی کے انتخاب میں سب سے پہلے اخلاق دیکھنا چاہئے تب دوسری چیزوں کا لحاظ کیا جانا چاہئے دین کے اوپر دوسری

[1] شامی صفحہ ۲۱۸ جلد ٤ [2] (ترمذی شریف صفحہ ۲۰۷ جلد ۱)

چیزوں کو ترجیح دینا قرآن وحدیث اور روح اسلامی کے خلاف ہے۔ لہٰذا یہ قومیت وبرادری جو دائمی طور سے شرف وعزت کا سبب بن گئی ہے یہ کوئی اہل عرب کی طرح مستقل نسب نہیں ہے اس لئے اس میں آہستہ آہستہ تبدیلی لانے کی ضرورت ہے کہ ایک برادری کے لوگ دوسری برادری میں رفتہ رفتہ رشتۂ نکاح قائم کرنا شروع کر دیں۔

نسب میں کس کا اعتبار ہوگا باپ کا یاماں کا

نسب میں اعتبار باپ کا ہے ماں کا نہیں یعنی باپ جس خاندان اور جس برادری کا ہوگا اولاد بھی اسی برادری کی سمجھی جائے گی اگر چہ ماں دوسرے خاندان وبرادری کی ہو۔[۱]

کفاءت میں صرف مرد کا عورت کے برابر ہونا ضروری ہے

کفاءت میں صرف مرد کا عورت کے ہم پلہ ہونا ضروری ہے اس کے برعکس عورت کا مرد کے برابر ہونا ضروری نہیں۔ مثلاً مرد مفلس ہے تو وہ مالدار عورت کا کفو نہیں اور اگر عورت غریب ہے تو وہ مالدار مرد کا کفو ہے۔[۲]

کفاءت کا اعتبار بوقت عقد نکاح ہے

کفو کا اعتبار نکاح کے وقت کیا جائے گا بعد میں اگر کفاءت ختم ہوگئی تو اس کا اعتبار نہیں مثلاً مرد بوقت عقد نکاح مالدار تھا بعد میں غریب ہوگیا کہ نفقہ پر بھی قادر نہ رہا تو کفاءت کی بنیاد پر عورت کو فسخ نکاح کا اختیار نہیں ہوگا۔[۳]

---

[۱] ویوخذ من هذا أن من كانت امها علوية مثلا وابوها عجمی یکون العجمی کفوأ لها وان کان لها شرف ما لان النسب للاباء ولهذا جاز دفع الزكاة اليها فلا يعتبر التفاوت بينهما من جهة شرف الام ولم ارمن صرح بهذا والله اعلم (شامی ۲۱۰ تا ۲۱۱ جلد ٤)

[۲] (اوكون المرأة ادنى) اعترضه الخير الرملی بما ملخصه أن كون المرأة ادنى ليس بكفاءة غير ان الكفاءة من جانب المرأة غير معتبرة (شامی صفحه ۲۰٦ جلد٤)

[۳] (الكفاءة معتبرة) فی ابتداء النكاح للزومه او لصحته (درمختار علی هامش شامی صفحه ۲۰٦ جلد ٤)

غیر کفو میں نکاح کرنے کی وجہ سے فسخ نکاح کا اختیار

غیر کفو میں فسخ نکاح کے اختیار ملنے کی چند صورتیں ہیں۔ (۱) بالغ لڑکی نے جان بوجھ کر اپنا نکاح غیر کفو میں کیا تو اولیاء کو نکاح فسخ کرانے کا اختیار ہوگا۔ کیونکہ حق کفاءت جس طرح زوجہ کو حاصل ہے اسی طرح اس کے اولیاء کو بھی حاصل ہے۔[۱] (۲) بالغ لڑکی نے اپنا نکاح کفو کی تحقیق کے بغیر کیا مگر بعد میں ظاہر ہوا کہ لڑکا اس کا کفو نہیں تو عورت کو عدم کفاءت کی وجہ سے تفریق کا حق نہیں مگر ولی کو تفریق وفسخ کا حق ہے۔[۲] (۳) عقد نکاح کے وقت شوہر نے دھوکا دیکر اپنا کفو ظاہر کیا مگر بعد میں معلوم ہوا کہ کفو نہیں تو اولیاء اور عورت دونوں کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہوگا۔ (۴) البتہ اگر لڑکی اور اس کے اولیاء کو شروع ہی سے پتہ تھا کہ لڑکا ہم پلہ نہیں ہے پھر بھی دونوں نے باہمی رضامندی سے اس لڑکے سے نکاح کرلیا تو اب کسی کو اعتراض کا حق حاصل نہیں ہوگا۔[۳] (۵) لڑکی نے جان بوجھ کر غیر کفو میں نکاح کیا اور اولیاء میں سے کسی نے اپنی رضامندی کا اظہار بھی کردیا یا کسی ولی نے ہی لڑکی کی رضامندی سے غیر کفو میں نکاح کردیا تو اس ولی کے برابر اور نیچے والے اولیاء کو نکاح فسخ کرانے کا حق نہیں ہوگا البتہ اس کے اوپر کے اولیاء کو حق فسخ حاصل ہوگا۔[۴] (۶) اگر ولیِ اقرب (باپ دادا) نے غیر کفو میں نکاح کردیا تو بعد میں نہ تو خود لڑکی کو فسخ نکاح کا حق ہوگا اور نہ کسی اور ولی کو

---

[۱] والکفاءة هی حق الولی لا حقها (درمختار) وفیه نظر بل هی حق لها ایضا (شامی صفحه ۲۰۷ جلد ۴) [۲] ثم المرأة اذا زوجت نفسها من غیر کفوء صح النکاح فی ظاهر الروایة الخ ولکن للاولیاء حق الاعتراض (عالم گیری صفحه ۲۹۲ جلد۱)

[۳] فهذه المسئلة دلیل علی ان المرأة اذا زوجت نفسها من رجل ولم تشترط الکفاءة ولم تعلم انه کفء او غیر کفء ثم علمت انه غیر کفء لا خیار لها ولکن للاولیاء الخیار وان کان الاولیاء هم الذین باشروا عقد النکاح برضاها ولم یعلموا انه کفء اوغیر کفء فلا خیار لواحد منهما واما اذا شرط الکفاءة او اخبرهم بالکفاءة ثم ظهر انه غیر کفء کان لهم الخیار (عالم گیری ۲۹۳ جلد۱)

[۴] واذا زوجت نفسها من غیر کفء ورضی به احدا لاولیاء لم یکن لهذا الولی ولالمن مثله اودونه فی الولایة حق الفسخ ویکون ذلك لمن فوقه کذا فی فتاوی قاضی خان وکذا اذا زوجها احد الاولیا برضاها (عالم گیری ۲۹۳ جلد۱)

(باب الولایۃ میں مسئلہ گذر چکا)۔[۱]

نکاح رشتہ داروں میں کیا جائے یا غیر میں

شریعت میں وسعت ہے جہاں چاہیں نکاح کر سکتے ہیں قرآن کا حکم عام ہے۔(فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ [۲]) کہ عورتوں میں جو تمہیں پسند ہو اس سے نکاح کرلو اس میں خاندان وغیر خاندان کی کوئی قید نہیں لیکن اگر خاندان میں نکاح کو ترجیح دینے کی وجہ صرف یہ ہو کہ دین داری اور اخلاق و عادات دوسری جگہ نہ ملتے ہوں۔اور دوسری جگہ نکاح کرنے میں امور خانہ داری کا اختلاف، زوجین کی نااتفاقی اور آپسی تنافر کا باعث ہوگا تو اس مقصد سے قومیت اور رشتہ داری کو ترجیح دینا جائز ہی نہیں بلکہ بہتر ہوگا کیونکہ حضور ﷺ نے بھی اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کا نکاح اپنے ہی خاندان کے لڑکے حضرت علیؓ سے کیا ہے۔مگر غیر خاندان میں نکاح نہ کرنے کا باعث صرف فخر، تکبر اور دوسرے خاندان کو اپنے سے ہیچ اور گھٹیا سمجھنا ہو کہ دوسرے خاندان کا لڑکا کتنا ہی اچھا، دین دار، شریعت کا پابند ہی کیوں نہ ہو پھر بھی رشتہ داری کیلئے تیار نہیں تو یہ ناجائز اور خلاف شریعت ہے۔[۳]

رشتہ طے کرنے میں کن باتوں کا لحاظ کیا جائے

شادی بیاہ کا معاملہ پوری زندگی کا معاملہ ہے اس لئے مرد عورت اور ان کے اولیاء کے لئے مناسب ہے کہ رشتہ کے انتخاب میں مندرجہ ذیل امور کا لحاظ رکھیں۔(۱) جب کوئی اپنا یا اپنی اولاد کا رشتہ کرنا چاہے تو نکاح کا پیغام دینے سے قبل ایک دوسرے کے حالات و عادات واطوار اور ان کے گھریلو ماحول کی خوب اچھی طرح جستجو کرلے

---

[۱] وللولی ... إنكاح الصغير والصغيرة جبرا ولو ثيبا.. ولزم إنكاح ولو بغبن فاحش بنقص مهرها وزيادة مهره اوزوجها بغير كف (درمختار على هامش شامی صفحه ۱۶۹ تا۱۷۱ جلد٤) [۲] سورة النسلء آیت ۳

[۳] (مستفاد فتاوی دار العلوم صفحه ۱۹۶ ج۸ واحسن الفتاوی صفحه ۱۸ جلد ٥)

تا کہ بعد میں کوئی چیز ایسی معلوم نہ ہو کہ طبیعت ومزاج کے خلاف ہونے کی وجہ سے نا اتفاقی وکشیدگی کا باعث ہو کیونکہ شادی بیاہ پوری زندگی کا سودا ہے اس لئے خوب غور وخوض کرلیا جائے۔ (۲) حالات کی تحقیق کے بعد لڑکے سے خود اس کی رائے معلوم کرلی جائے اگر خود رائے کا اظہار نہ کرسکتا ہو تو اس کے ہم عمر دوستوں سے دلی رغبت کا پتہ چلایا جائے۔ کیونکہ اس کے مزاج وطبیعت کے خلاف رشتہ ہونے میں جوڑ ہونے کے بجائے توڑ کا خطرہ ہے۔ بعض لوگ اپنے تعلقات برقرار رکھنے کیلئے اپنے پسند کئے ہوئے رشتہ پر اپنے جوان لڑکے کو مجبور کرتے ہیں اس کے مزاج کا بالکل خیال نہیں کرتے۔ لڑکا بادل ناخواستہ آمادہ ہو جاتا ہے مگر ایسا رشتہ نبھتا نہیں بلکہ بعض حالات میں تو طلاق کی نوبت آجاتی ہے البتہ اگر ماں باپ کو معلوم ہو کہ لڑکا نفس کی شرارت میں اچھی جگہ کو چھوڑ کر غلط جگہ رشتہ کرنا چاہتا ہے تو اس کو سمجھانا اور بہتر رشتہ کی خوبیاں بیان کرنا والدین کا اخلاقی فریضہ ہے۔

اسی طرح لڑکی کے متعلق حضور ﷺ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جب آپؐ اپنی کسی صاحبزادی کا نکاح کرنا چاہتے تو پردہ کے پاس بیٹھ کر فرماتے کہ فلاں شخص تمہارے بارے میں گفتگو کر رہا ہے اگر صاحبزادی زبان سے انکار کرتی تو نکاح نہ کرتے اگر خاموش رہتی تو نکاح کر دیتے بعض روایت میں ہے کہ صاحبزادی پردہ ہلا دیتی تو نکاح نہ کرتے اگر پردہ نہ ہلاتی تو نکاح کر دیتے۔[1]

(۳) بہتر یہ ہے کہ لڑکی، لڑکے سے عمر میں دو چار سال چھوٹی اور عزت وشرافت حسب ونسب، مال ودولت اور منصب وعہدہ میں اپنے خاوند سے نیچے ہو۔ اور اخلاق وعادات، خوش سلیقگی، آداب، حسن وجمال، تقوی اور پرہیز گاری میں اپنے شوہر سے زیادہ ہو۔[2]

---

[1] بیهقی [2] وکونها دونه سنا وحسبا وعزا ومالا وفوقه خلقا وادبا وورعا وجمالا (درمختار علی هامش شامی صفحه ٦٧ جلد ٤

(۴) لڑکی کے انتخاب میں مال ودولت اور حسن وجمال کے مقابلے میں اخلاق ودینداری کو ترجیح دینی چاہئے چنانچہ ایک حدیث میں حضور ﷺ نے واضح فرمایا ہے (من ترضون دینه وخلقه فزوجوه[۱]) کہ جس کے دینی واخلاقی حالات سے مطمئن ہو تو رشتہ قبول کرلو۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ حسن وجمال کو بالکل نظر انداز کردیا جائے اگر دینداری کیساتھ حسن وجمال بھی ہے تو (نورٌ علی نور) اسی کو ترجیح دی جائے۔ (۵) نسبت طے کرنے سے قبل ایک دوسرے کو دیکھ لیں۔

(نظر الی المخطوبه) منگیتر کو دیکھنا

نکاح انسانی زندگی کا بہت بڑا مرحلہ اور پائیدار رشتہ ہے اس کے ذریعہ پوری زندگی کا سودا ہوتا ہے اس لئے اس میں انسانی جذبات وخواہشات کا لحاظ اور اس کی نفسیات کا احترام بہت ضروری ہے اس لئے دین فطرت نے فطرت انسانی کا پورا خیال کرتے ہوئے اس بات کی اجازت دی ہے کہ نکاح سے قبل زوجین ایک دوسرے سے ضرور واقفیت حاصل کرلیا کریں تاکہ بعد میں کسی کو پچھتانا نہ پڑے بنابریں شریعت نے مخطوبہ (جس سے شادی کرنے کا ارادہ ہوا سے) دیکھنے کی صرف اجازت نہیں بلکہ آپ ﷺ نے ایک حدیث میں اس کی تاکید فرمائی۔

اذا خطب احدکم المرأة فان استطاع ان ینظر الی مایدعوه الی نکاحها فلیفعل [۲]

کہ جب تم میں سے کوئی کسی عورت کو نکاح کا پیغام دے تو اگر وہ مرد (عورت کے ان اعضاء) کو دیکھنے پر قادر ہو جو اس کو نکاح کی رغبت دلاتے ہیں تو ایک نظر دیکھ لے۔

[۱] ترمذی شریف ۲۰۷ جلد۱
[۲] (ابوداؤد ۲۸٤ جلد۱)

مخطوبہ کو دیکھنا بقاء محبت کا سبب ہے

عن المغیرة بن شعبة قال خطبت امرأة فقال لی رسول الله صلی الله علیه وسلم هل نظرت الیها قلت لا قال فانظر الیها فانه احری ان یؤدم بینکما. ۱

حضرت مغیرہ ابن شعبہؓ کہتے ہیں کہ میں نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا تو حضور ﷺ نے مجھ سے پوچھا کہ کیا تم نے اس عورت کو دیکھا ہے میں نے کہا نہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اس عورت کو ایک نظر دیکھ لو کیونکہ تمہارے درمیان الفت و محبت پیدا ہونے کے لئے اس کو ایک نظر دیکھ لینا بہت مناسب ہے۔

(فائدہ) دیکھنے کے بعد جب نکاح ہوتا ہے تو پچھتاوا نہیں ہوتا اور نہ اپنے اس انتخاب پر بعد میں کوئی شرمندگی و پریشانی اٹھانی پڑتی ہے۔

منگیتر کو کب اور کیسے دیکھا جائے

عن ابی هریرة قال جاء رجل الی النبی صلی الله علیه وسلم فقال انی تزوجت امرأة من الانصار قال فانظر الیها فان فی اعین الانصار شیئا رواه مسلم ۲

حضرت ابو ہریرۃ ؓ سے منقول ہے کہ ایک شخص نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں ایک انصاری عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہوں (اس سلسلے میں آپ کا کیا مشورہ ہے) تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اس عورت کو دیکھ لو (تو بہتر ہوگا) کیونکہ انصاریوں کی آنکھ میں کچھ خرابی ہوتی ہے۔

(فائدہ) اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے علماء محدثین تحریر فرماتے ہیں کہ

---

۱ مشکوة شریف صفحه ۲۶۹ جلد ۲
۲ مشکوة صفحه ۲۶۸ جلد ۲

خاطب لڑکی کے پڑوسیوں، یا کسی ایسے شخص سے جو مخطوبہ کی حالت سے واقف ہو تحقیق کرے تو خیر خواہی کے نقطۂ نظر سے اسکے عیوب وخوبیوں کو بیان کر دینا دیانت داری ہے کسی خامی وخوبی کو پوشیدہ رکھنے کے بجائے ظاہر کر دینا جائز ہے غیبت نہیں ہے۔

اسی حدیث کی شرح کرتے ہوئے علامہ نووی شارح مسلم تحریر فرماتے ہیں کہ دیکھنے اور پسند کرنے کا عمل پیغام دینے سے قبل ہونا چاہئے ورنہ ناپسندیدگی کی صورت میں نکاح نہ کیا تو لڑکی اور اس کے اولیاء کی بدنامی ہوگی جو ان کی تکلیف کا باعث ہے نیز دیکھنے کے لئے لڑکی کی اجازت بھی ضروری نہیں کیونکہ لڑکیاں اکثر دکھانے سے عار محسوس کرتی ہیں اس لئے آڑ میں چھپ کر دیکھ لیا جائے۔[۱] (بہتر صورت یہ ہے کہ لڑکی کے کسی پڑوس میں جا کر بہانا سے بلوا کر دیکھ لیا جائے) چنانچہ اس سلسلے میں ایک روایت بھی منقول ہے۔

عن محمد بن سلمة قال خطبت امرأة فجعلت أتخبأ لها حتى نظرت اليها فی نخل لها فقیل له اتفعل هذا وانت صاحب رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول اذا القی الله فی قلب امرأ خطبة امرأة فلا بأس ان ینظر الیها [۲]

کہ ایک صحابی رسول ﷺ محمد بن سلمہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا پس میں نے اپنے آپ کو چھپا کر اس عورت کو ایک کھجور کی آڑ میں دیکھ لیا (جب پتہ چلا تو اس کو برا مانا گیا) اور ان سے کہا گیا کہ تم ایک صحابی رسولؐ ہو کر ایسی حرکت کرتے ہو اس پر انہوں نے جواب دیا کہ میں نے حضور ﷺ کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ

۱ (صحیح مسلم مع شرح نووی صفحہ ۴۵۷ جلد۱)
۲ (ابن ماجه صفحه ۱۳۴ جلد۱)

آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کے دل میں کسی عورت کے بارے میں پیغام کی بات ڈالے تو اس کیلئے اس عورت کو دیکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

پیغام قبول کرنے کی امید ہو تب دیکھے

جوان مشتہاۃ لڑکی کو بھی پسند کرنے کی غرض سے مطلقاً دیکھنا جائز ہے خواہ دیکھنے میں شہوت کا خطرہ ہی کیوں نہ ہو بشرطیکہ پیغام قبول کرنے کی توقع ہو اگر پیغام قبول کرنے کی امید نہ ہو تو پھر دیکھنا جائز نہیں ہے۔[1]

مخطوبہ کا کتنا جسم دیکھنا جائز ہے

مخطوبہ کا صرف چہرہ اور اس کی ہتھیلیاں ہی دیکھنا جائز ہے اگرچہ جنسی ہیجان سے مامون نہ ہو کیونکہ اس کے لئے یہ اعضاء ستر کے حکم میں نہیں[2] شارح بخاری حافظ ابن حجرؒ جمہور کا قول نقل کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں۔

قال الجمهور لا بأس ان ينظر الخاطب الى المخطوبه قالوا لا ينظر الى غير وجهها و كفيها الخ وقال الجمهور ايضاً ويجوز ان ينظر اليها اذا اراد ذالك بغير اذنها وعن مالك رواية يشترط اذنها[3]

کہ جمہور علماء کا قول ہے کہ مخطوبہ کو دیکھنے میں کوئی حرج نہیں مگر چہرہ اور ہتھیلیوں کے علاوہ کچھ اور نہ دیکھے اس میں جمہور کے نزدیک تو عورت کی اجازت بھی ضروری نہیں البتہ حضرت امام مالکؒ اجازت کی شرط لگاتے ہیں۔

---

[1] (قوله والنظر اليها قبله) اى وان خاف الشهوة كما صرحوا به فى الحظر والاباحة وهذا اذا علم انه يجاب فى نكلحها (شامى صفحه۶۷ ج ۴

[2] ولو لراد ان يتزوج امرأة فلا بأس ان ينظر اليها وان خاف ان يشتهيها (شامى ۵۳۲ جلد۹ كتاب الحضر وابلحت)۔

[3] فتح البارى صفحه ۲۲۸ جلد۱۰)

خاطب کے بجائے رشتہ دار خاتون کا دیکھنا مناسب ہے

خاطب کو اپنی مخطوبہ کا دیکھنا اس وقت مناسب اور بہتر ہے جبکہ لڑکی اور اس کے سرپرستوں کو ناگوار معلوم نہ ہو اور آسانی سے دیکھنا ممکن ہو ورنہ بہتر یہ ہے کہ اپنی رشتہ دار خاتون یعنی ماں بہن دادی یا کسی معتمد عورت کو بھیج دے وہ مخطوبہ کو دیکھ بھال کر اور تمام حالات کا جائزہ لیکر خاطب (یعنی ہونے والے شوہر کو) بتادے پھر اس کے بعد سوچ سمجھ کر عملی اقدام کیا جائے۔ ایک موقع پر خود حضورؐ نے بھی یہ صورت اختیار فرمائی تھی جیسا کہ علامہ عینیؒ نے بیہقی اور مستدرک کے حوالہ سے ایک روایت نقل کی ہے۔

ان النبی ﷺ اراد ان یتزوج امرأۃ فبعث بامرأۃ لتنظر الیھا[1]

کہ نبی کریم ﷺ نے ایک عورت سے شادی کرنیکا ارادہ کیا تو ایک خاتون کو اس کے پاس بھیج دیا تاکہ وہ اس عورت کو اچھی طرح دیکھ بھال کر آئے اور آپ کو بتائے۔

مخطوبہ کو خاطب کے رشتہ دار مرد وغیرہ کا دیکھنا

بعض علاقے میں یہ عام رواج ہے کہ خاطب اور اسکی رشتہ دار خاتون کے بجائے رشتہ دار مرد باپ بھائی دوست احباب وغیرہ مخطوبہ کو دیکھنے جاتے ہیں بلکہ بعض اوباش، ضمیر فروش بے غیرت لڑکے تو اپنے ہندو دوستوں کو بھی اپنی ہونے والی بیوی کے پاس دیکھنے بھیجتے ہیں یہ خلاف شریعت اور سراسر حرام ہے خاطب کو تو شریعت نے صرف پسند کرنیکی نیت سے دیکھنا جائز قرار دیا ہے وہ بھی صرف ایک مرتبہ اسکے علاوہ دیگر مردوں کا دیکھنا قرآن وحدیث کے علاوہ کسی فقہی عبارت سے بھی اسکا ثبوت نہیں ہے مخطوبہ کیلئے یہ سب غیر محرم ہیں اور غیر محرم کیلئے تو عام فقہاء کے یہاں اجنبیہ کا چہرہ بھی دیکھنا جائز نہیں اگرچہ احناف کے یہاں چہرہ اور ہتھیلی کا دیکھنا جائز قرار دیا گیا ہے

[1] عمدۃ القاری شرح بخاری ۴۱۲ جلد۹)

بشرطیکہ شہوت اور فتنہ کا اندیشہ نہ ہو اگر شہوت اور فتنہ کا اندیشہ ہے جیسا کہ آجکل کا مشاہدہ ہے تو پھر اجنبی مرد سے مکمل پردہ ضروری ہے چنانچہ صاحب درمختار علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

فان خاف الشھوۃ اوشک امتنع نظرہ الی وجھھا فحل النظر مقید بعدم الشھوۃ والا فحرام وھذا فی زمانھم واما فی زماننا فنمنع من الشابۃ[۱]

اگر شہوت کا خوف یا شک ہو تو عورت کے چہرہ کو بھی دیکھنا ممنوع اور ناجائز ہے۔ پس عورت کو دیکھنے کی حلت شہوت نہ ہونیکے ساتھ مقید ہے اگر شہوت کا خطرہ ہے تو حرام ہے مگر یہ حکم اس زمانہ میں تھا جسمیں شہوت کا زیادہ اندیشہ نہ تھا مگر ہمارے زمانے میں تو ہم نوجوان لڑکی کو دیکھنے سے مطلقاً منع کرتے ہیں۔

(نوٹ) اگر رشتہ دار مرد کے دیکھے بغیر کوئی حل نہیں نکلتا ہو تو بدرجہ مجبوری سن رسیدہ بوڑھے بزرگ کو جو شہوت اور فتنہ سے مامون ہو بغیر بھیڑ بھاڑ کے احتیاطاً صرف چہرہ دیکھنے کی اجازت ہوگی انکے علاوہ جوان مرد خصوصاً ہندو دوستوں کو دیکھنے کے لئے بھیجنا حرام ہی نہیں بلکہ اسلامی رو سے گھناؤنا فعل ہے۔ ایک عجیب بات ہے کہ خاطب جس کے لئے دیکھنا شریعت نے صرف جائز ہی نہیں بلکہ اسکی تاکید بھی کی ہے اسکو تو برا اور تہذیب کے خلاف سمجھا جا رہا ہے اور جو غیر شرعی و غیر اخلاقی طریقہ ہے اسکا کچھ احساس نہیں اللہ ہم سبھوں کی رسم بد سے حفاظت فرما کر شریعت پر عمل کی توفیق دے۔ آمین۔

مخطوبہ کا فوٹو دیکھنا

خاطب کیلئے مخطوبہ کا چہرہ اور دونوں ہاتھ آمنے سامنے دیکھنا جائز ہے بالمشافہ

---

[۱] درمختار علی ھامش شامی ۵۳۲ جلد ۹)۔

دیکھنے کے بجائے تصویر اور فوٹو دیکھنا جائز نہیں۔[۱]

زوجین کے درمیان عمر کا تناسب

میاں بیوی کے درمیان اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ دونوں ہم عمر ہوں یعنی جتنی عمر شوہر کی ہو اتنی ہی عمر بیوی کی بھی ہو یا بیوی کی عمر دو چار سال کم ہو ایسا نہیں کہ کم عمر لڑکی کا نکاح بڈھے سے کر دیا اگر چہ یہ بھی جائز ہے مگر نا مناسب ہے اس سے طبیعت میں میل نہیں کھائیگا۔[۲]

چنانچہ قرآن میں ہے کہ جنت میں جنتی کو (اتراب) یعنی ہم عمر عورتیں ملیں گی۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہم عمر کی وجہ سے طبیعتوں میں زیادہ مناسبت اور توافق ہوگا اور ایک دوسرے کی راحت و دلچسپی کا خیال زیادہ رکھا جاسکے گا اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ زوجین کے درمیان عمر میں تناسب کی رعایت رکھنی چاہئے کیونکہ اس سے باہمی انس پیدا ہوتا ہے اور رشتۂ نکاح زیادہ خوشگوار اور پائیدار ہوتا ہے۔[۳]

کنواری لڑکی سے نکاح کرنا بہتر ہے

نکاح میں انسانی جذبات کی رعایت کرنا ایک اہم چیز ہے اسلئے نوعمر کنوارے لڑکے کا نکاح بیوہ اور مطلقہ کے مقابلے میں نوعمر کنواری لڑکی سے ہی کرنا بہتر ہے کیونکہ اس میں طبعی میلان کے ساتھ بہت سے فائدے ہیں حضورؐ نے ایک حدیث میں اسی کی طرف رہنمائی فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

علیکم بالا بکار فانهن اعذب افواها وانتق ارحاما وارضی بالیسیر[۴]

کہ غیر شادی شدہ کنواری لڑکی سے نکاح کرو کیونکہ وہ شیریں دھن یعنی میٹھی میٹھی اور دلربا باتیں کرنے والی

---

[۱] فتاوی رحیمیہ ۲۵۷۔ جلد ۵۔

[۲] ولا یزوج ابنته الشابة شیخا کبیرا ولا رجلا دمیما ویزوجها کفواً (شلمی ٦٨۔جلد٤)۔

[۳] معارف القرآن صفحه ۲۲۷ ج ۷) [٤] ابن ملجه ١٣٤ ج)۔

ہوتی ہے اور اولاد کیلئے حمل جلد ٹھہرانے کی صلاحیت رکھتی ہے اور تھوڑے پر راضی ہو جاتی ہے۔

نیز حضرت جابرؓ سے ایک اور حدیث اسی سلسلے کی منقول ہے:

عن جابرؓ قال کنّا مع النبی ﷺ فی غزوة فلما قفلنا کنا قریبا من المدینة قلت یارسول الله انی حدیث عهد بعرس قال تزوجت قلت نعم قال ابکرا ام ثیباً قلت بل ثیب قال فهلا بکرا تلاعبها وتلاعبک [1]

وہ فرماتے ہیں کہ ایک جہاد میں ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے پس جب ہم جہاد سے واپس ہوئے اور مدینہ کے قریب پہنچے تو میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میری نئی نئی شادی ہوئی ہے (اور میں اپنی نئی دلہن کو چھوڑ کر جہاد میں چلا گیا تھا اب اگر اجازت ہو تو جلدی سے آگے چلا جاؤں اور گھر پہنچ جاؤں) تو آپؐ نے فرمایا کہ کیا تم نے نکاح کیا ہے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں آپؐ نے فرمایا تمہاری بیوی کنواری ہے یا بیوہ میں نے عرض کیا کہ بیوہ ہے تو آپؐ نے فرمایا تم نے کنواری سے نکاح کیوں نہیں کیا تا کہ تم اسکے ساتھ کھیلتے اور وہ تمہارے ساتھ کھیلتی۔

علامہ قطب الدین شارح مشکوۃ فرماتے ہیں کہ (تلاعبها وتلاعبک) یعنی کھیلنے سے آپس کی بے تکلفی، کمال الفت ومحبت اور رغبت مراد ہے مطلب یہ ہے کہ کنواری عورت سے نکاح کرنے میں آپسی زندگی زیادہ الفت ورغبت کے ساتھ گزرتی ہے بے تکلفی اور چاہت زیادہ ہوتی ہے اسکے برخلاف بیوہ عورت جب دوسرے خاوند کی زوجیت میں آتی ہے تو چونکہ اسکا دل پہلے خاوند کی یاد سے کسک محسوس کرتا ہے دوسرے یہ کہ اگر رہن سہن میل ملاپ میں اس دوسرے خاوند کو اپنے پہلے خاوند کی طرح نہیں پاتی تو اسکی طبیعت اچاٹ ہو جاتی ہے ان باتوں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اتنی زیادہ

[1] مشکوة ص ٢٦٧ ج ٢)۔

بے تکلف اور خوش مزاج ثابت نہیں ہوتی جتنی کنواری لڑکی ہوتی ہے۔[۱]

بعض مصالح کی وجہ سے بیوہ یا مطلقہ سے نکاح بہتر ہے

باکرہ اور کنواری لڑکی سے نکاح کرنے کی ترغیب تو حدیث میں آئی ہے مگر اس سے یہ نتیجہ نکالنا درست نہیں ہوگا کہ کسی بھی حالت میں مطلقہ یا بیوہ سے نکاح کرنا قابل ترجیح نہ ہوگا خواہ دینی یا دنیوی اور قومی تقاضے ہی کیوں نہ ہوں اور یہ نتیجہ نکالنا کیوں کر صحیح ہوسکتا ہے جبکہ خود حضورؐ نے سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ سے نکاح کیا ہے جبکہ آپ غیر شادی شدہ اور حضرت خدیجہؓ بیوہ تھیں بلکہ آپ ﷺ نے حضرت عائشہؓ کے علاوہ جتنی بیویوں سے نکاح کیا ہے وہ سب بیوہ تھیں اور صحابہ کرام نے بھی بیوہ سے نکاح کیا ہے جو ہمارے لئے نمونہ ہے۔

بیوہ، مطلقہ اور جس مرد کی بیوی مرجائے ان کے نکاح کی ضرورت

عام طور سے ایسا ہوتا ہے کہ جب کسی مرد کی بیوی مرگئی یا کسی عورت کا شوہر مرگیا یا کسی عورت کو طلاق دیدی گئی اور ان کی اولاد لڑکے لڑکیاں موجود ہوتے ہیں تو وہ عار اور شرم یا اپنے بچوں کی وجہ سے یا کسی اور سبب سے دوسرا نکاح نہیں کرتے اگرچہ اپنی عصمت محفوظ نہ رکھ سکے اور گناہ میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہی کیوں نہ ہو صبر کر لیتے ہیں یہ طریقہ بالکل غلط ہے حضور ﷺ نے حضرت خدیجہؓ کے علاوہ جتنی بیویوں سے نکاح کیا وہ سب پچاس سال کی عمر کے بعد ہی کیا ہے اور حضرت عائشہؓ کے علاوہ سب بیوہ تھیں اس سے معلوم ہوا کہ وہ مرد جس کی عمر چالیس، پچاس یا اس سے زیادہ ہوجائے اور اس کی بیوی مرجائے یا وہ عورت جس کا شوہر مرجائے اور اس عورت کی عمر بھی پچاس سال یا اس سے زیادہ ہو اور شادی کرنے کی ضرورت ہو اور پھر بھی شادی کرنے کو عیب سمجھے عار وشرم کے مارے نکاح کرنے سے گریز کرے تو دراصل حضور ﷺ کی سنت کو عیب لگانا ہے جو انتہائی خطرناک بات ہے قرآن پاک میں ارشاد ہے (اَنْکِحُوا الاَیَامٰی

---

[۱] مظاہر حق صفحہ ۱۳ جلد ٤

مِنکُمْ [۱]) یعنی جو بے نکاح ہو (خواہ ابھی تک نکاح ہوا ہی نہ ہو یا نکاح کے بعد شوہر کی موت یا طلاق کے سبب بے نکاح رہ گئی ہو تو اے سرپرستو!) تم اس کا نکاح کردو۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ اس پر ائمہ مجتہدین بھی متفق ہیں کہ جس شخص کو نکاح نہ کرنے کی صورت میں غالب گمان یہ ہو کہ حدود شریعت پر قائم نہیں رہ سکے گا بلکہ گناہ میں مبتلا ہو جائے گا اور نکاح کرنے پر اس کو قدرت بھی ہو کہ اس کے وسائل موجود ہوں تو ایسے شخص پر نکاح کرنا فرض یا واجب ہے جب تک نکاح نہیں کرے گا گناہ گار رہے گا۔[۲]

مسند احمد میں روایت ہے کہ حضرت عکاف ؓ سے رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ کیا تمہاری زوجہ ہے انہوں نے کہا کہ نہیں پھر پوچھا کہ کوئی شرعی لونڈی ہے کہا نہیں پھر آپ نے دریافت کیا کہ تم نکاح کیلئے ضروری نفقات کا انتظام کر سکتے ہو اس پر انہوں نے اقرار کیا کہ (ہاں) اس پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ پھر تم شیطان کے بھائی ہو اور فرمایا کہ ہماری سنت نکاح کرنا ہے تم میں بدترین آدمی وہ ہے جو بے نکاح ہو اور تمہارے مردوں میں سب سے رذیل وہ ہے جو بے نکاح مر گیا۔[۳]

ایک حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ وہ مرد مسکین ہے۔ مسکین ہے۔ مسکین جس کی بیوی نہیں صحابہ ؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اگر چہ اس کے پاس مال ہو فرمایا ہاں تب بھی وہ مسکین ہے پھر آپ ﷺ نے فرمایا وہ عورت مسکینہ ہے مسکینہ ہے مسکینہ جس کا شوہر نہیں صحابہ ؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اگر چہ اس کے پاس مال ہو فرمایا ہاں تب بھی وہ مسکینہ ہے۔[۴]

لڑکیوں کیوجہ سے لڑکے کی شادی میں دیر کرنا

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جوان لڑکی کا کوئی مناسب رشتہ نہیں ملتا یا کسی اور وجہ سے

---

۱ سورۃ النور آیت ۳۲ ۲ (معارف القرآن صفحہ ۴۰۹ جلد ۶)
۳ ماخوذ معارف القرآن صفحہ ۴۱۰ جلد ۶
۴ غنیۃ الطالبین صفحہ ۳۲ جلد ۱ ماخوذ فتاوی رحیمیہ ص ۲۴۶ ج ۵

اس کی شادی نہیں ہوتی تو اس کی وجہ سے بھائیوں کو بہت طویل مدت تک انتظار کرنا پڑتا ہے جس کے باعث اس کی عمر نکل جاتی ہے یا نوجوان نسل کا بہاؤ غلط رخ کی طرف ہوکر وہ گناہوں میں مبتلا ہوجاتا ہے شرعی رو سے یہ سراسر غلط ہے ایسا کرنے سے والدین گناہ گار ہوتے ہیں حضورؐ نے ایک حدیث میں فرمایا کہ

من ولد له ولد فليحسن اسمه وادّبُهٗ فاذابلغ فليزوجه فان بلغ ولم يزوجه فاصاب اثما فانما اثمه على ابيه. [1]

کہ جس شخص کے یہاں لڑکا پیدا ہوتو چاہئے کہ اس کا اچھا نام رکھے اور اسے نیک ادب سکھائے اور پھر جب بالغ ہوجائے تو اس کا نکاح کرائے اور اگر لڑکا بالغ ہوجائے (مگر غیر مستطیع ہو) اور اس کا باپ اسکے نکاح کرنے پر قادر ہونے کے باوجود) اس کا نکاح نہ کرے اور پھر وہ لڑکا برائی میں مبتلا ہوجائے تو اس کا گناہ باپ پر ہوگا۔

نکاح کے وقت کیا عمر ہونی چاہئے

شریعت میں لڑکا اور لڑکی کی شادی کے لئے کوئی عمر متعین نہیں ہے کہ اس سے قبل نکاح درست نہ ہو اسی طرح کوئی آخری عمر کی بھی قید نہیں ہے کہ اس کے بعد نکاح کرنا جائز نہیں لیکن مناسب یہ ہے کہ لڑکا اور لڑکی کے بالغ ہونے کے بعد شادی کی جائے تا کہ لڑکا اور لڑکی اپنے اختیار اور پسند سے نکاح کرلے اور اپنے شریک حیات کے اختیار کرنے میں خود بھی غور وفکر کر سکے۔

طبی حیثیت سے شادی کا وقت

شریعت میں تو کوئی وقت متعین نہیں ہے مگر طبی حیثیت سے ڈاکٹر اور حکماء سے منقول ہے کہ ابتدائی جوانی میں شادی کرانا صحت کے لئے مضر ہے اس لئے کہ کچی عمر

---

[1] (مشکوة صفحه ۲۷۱ جلد٤)

میں جسمانی اعضاء بڑھتے ہیں اعصاب میں قوت اور پختگی پیدا ہوتی ہے اگر اس عمر میں شادی ہوگئی تو اعصاب کے مضبوط ہونے سے پہلے جوہر جسمانی (مادہ منویہ) ختم ہو جائے گا اور کم عمر و نادانی کی وجہ سے اپنی طبیعت پر قابو اور احتیاط نہیں کر سکے گا جس سے اعضاء رئیسہ بھی کمزور ہوتے چلے جائیں گے۔

رشتہ طے کرنے میں استخارہ اور مشورہ

اگر کہیں سے رشتہ آنے پر منگنی کرنے میں تذبذب ہو رہا ہو تو اس میں جلدی نہ کرے حتمی فیصلہ کرنے سے قبل کچھ دیر خود غور و خوض کر لیا جائے پھر بھی سمجھ میں نہ آئے تو اپنے قریب ماہرین رشتہ داروں سے مشورہ کر لیا جائے کیونکہ قرآن میں بھی مشورہ کا حکم ہے (شُوْرٰی بَیْنَهُمْ [۱]) کہ آپس میں مشورہ کر لیا کرو اور سب سے بہتر یہ ہے کہ استخارہ کر لیا جائے دو رکعت صلوۃ الاستخارہ کی پڑھ کر استخارہ کی دعاء پڑھے پھر سو جائے جو بات سمجھ میں آئے اس پر عمل کرے استخارہ میں خواب دیکھنا ضروری نہیں اطمینان قلب کافی ہے ایک دو روز میں سمجھ میں نہ آئے تو سات روز تک کرے اگر خود سے فیصلہ نہ کر سکے تو کسی عالم دین سے استخارہ کرائے پھر جس طرف میلان قلب ہو اللہ پر بھروسہ کر کے نسبت طے کر لے۔

استخارہ کی دعاء

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُکَ بِعِلْمِکَ وَاَسْتَعِیْنُکَ بِقُدْرَتِکَ وَاَسْأَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ الْعَظِیْمِ فَاِنَّکَ تَقْدِرُ وَلاَ اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلاَ اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلاَّمُ الْغُیُوْبِ اَللّٰهُمَّ اِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الاَمْرَ خَیْرٌ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ (اَوْ قَالَ فِیْ عَاجِلِ اَمْرِیْ وَآجِلِهٖ) فَاقْدِرْهُ لِیْ وَ

---

[۱] سورہ شوری آیت ۳۸

يَسِّرهُ لِيْ ثُمَّ بَارِكْ لِيْ فِيْهِ وَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اِنَّ هٰذَا الاَمْرَ شَرٌّ لِيْ فِيْ دِيْنِيْ وَمَعَاشِيْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِيْ (اَوْقَالَ فِي عَاجِلِ اَمْرِيْ وَآجِلِهٖ) فَاصْرِفْهُ عَنِّي وَاصْرِفْنِيْ عَنْهُ وَاقْدِرْ لِيَ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ اَرْضِنِيْ بِهٖ [۱]

منگنی کی شرعی حیثیت

زبانی طور سے اولیاء کے درمیان نسبت کا طے ہو جانا ہی منگنی ہے حضرت فاطمہؓ کی منگنی کا واقعہ اس طرح ہوا کہ اولاً حضرت ابوبکر صدیقؓ نے درخواست پیش کی پھر حضرت عمرؓ نے پیغام دیا آپؐ نے فاطمہؓ کی عمر کم ہونے کا عذر فرمادیا پھر حضرت علیؓ نے اپنے خاص لوگوں کے اصرار سے خود حاضر خدمت ہوکر زبانی درخواست پیش کردی اس کے بعد آپؐ پر وحی نازل ہوئی اور ان کی عرضی قبول کر لی گئی [۲] بس یہ ہی منگنی ہے حضور کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کی اور یہ ہی منگنی کا سنت طریقہ ہے اسکے علاوہ کچھ اور نہیں دراصل منگنی ایک قسم کا معاہدہ ہے جہاں تک ہوسکے اسے نبھانے کی کوشش کرنی چاہئے بہرحال منگنی ہوجانے کے بعد دونوں طرف کے سرپرست زبانی طور سے یا خط و کتابت کے ذریعہ نکاح کی تاریخ طے کرلیں اور وقت مقررہ پر رسومات اور واہیات سے بچتے ہوئے رشتہ داروں اور دوستوں کی موجودگی میں انتہائی سادگی اور سنت کے مطابق عقد نکاح ہوجائے۔ [۳]

---

[۱] نسائی شریف ٦٢ جلد ٢ کتاب النکاح

[۲] طلب ابو بکر من رسول الله صلى الله عليه وسلم فاطمة للزواج فقال يا ابابكر انتظر بها القضاء ثم طلبها عمر من رسول الله صلى الله عليه وسلم فرد عليه مثل ما رد على ابو بكر ثم صار على بن ابى طالب فى تلك الاثناء اهلا للزواج فقالوا يا على اطلب فاطمة من رسول الله صلى الله عليه وسلم للزواج قال اخطب بعد ابى بكر وعمر وقد منعهما فذكروا له قرابته من رسول الله صلى الله عليه وسلم فخطبها فزوجها صلى الله عليه وسلم على اربع مائة وثمانين درهما (تاريخ الخميس صفحه ٣٦١ جلد ١ ماخوذ حاشيه بهشتى زيور صفحه ٤٢ جلد٦)

[۳] (مستفاد بهشتى زيور صفحه ٤٢ حصه٦)۔

پیغام پر پیغام دینا جائز نہیں

جب کسی نے اپنے لڑکے کی منگنی کی یا نسبت کی بات چل ہی رہی ہو تو جب تک اگلا یعنی لڑکی والے نفی میں جواب نہ دیدیں یا بعد میں پیغام دینے والے ہی اپنے پیغام سے رجوع نہ کرلیں تب تک کسی مسلمان کو جائز نہیں کہ وہ اس لڑکی یا اس کے اولیاء کو نکاح کا پیغام دے حضور ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے:

ولایخطب الرجل علی خطبة اخیه حتی ینکح اویترک [۱] کہ کوئی مسلمان اپنے کسی مسلمان بھائی کے پیغام پر پیغام اس وقت تک نہ دے جب تک کہ پہلا خاطب نکاح نہ کرلے یا اس بات چیت کو ترک نہ کردے۔

رشتۂ نکاح کی پیشکش کس کی طرف سے ہو

رشتۂ نکاح کی پیشکش اور پیغام دینے میں پہل لڑکا اور لڑکی کسی طرف سے بھی ہوسکتا ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ لڑکے کی طرف سے ہو اکثر ازواج مطہرات کو آپ ؐ نے خود پیغام دیا تھا اور عامۂ صحابہ کا عمل بھی اسی طرح منقول ہے اگرچہ کچھ مثالیں اسکے خلاف بھی ہیں کیونکہ لڑکی کی طرف سے نکاح کی پیشکش بظاہر حیا سوز خلاف تہذیب معلوم ہوتی ہے۔ لڑکے اور انکے اولیاء کی طرف سے پیغام نکاح اور اپنی شریک حیات کی جستجو و تلاش اسکی قوامیت و مردانگی اور ازدواجی زندگی میں اسکی برتری کی ایک دلیل ہے۔

منگنی کے بعد لڑکی سے آزادانہ ملنا اور خلوت میں رہنا حرام ہے

بعض علاقے اور بعض معاشرہ میں یہ غیر شرعی اور غیر اخلاقی طریقہ اس قدر عام ہوچکا ہے کہ صرف منگنی کے بعد ہی لڑکا لڑکی اس طرح رہتے ہیں جیسا کہ میاں بیوی کا تعلق ہو بالمشافہہ بات چیت اور خط وکتابت تو درکنار دونوں کا خلوت میں رہنے کا بھی ایسا رواج پڑچکا ہے کہ (الامان والحفیظ) لوگ اس کو برا ہی نہیں سمجھتے۔

---

[۱] (بخاری صفحه ۷۷۲ جلد ۲).

حالانکہ یہ سب سراسر حرام ہیں۔ نکاح سے قبل شریعت نے مخطوبہ کو پسند کرنے کی نیت سے ایک مرتبہ دیکھنا جائز قرار دیا ہے۔ اس کے بعد جب تک نکاح نہ ہوجائے مخطوبہ بھی خاطب کیلئے غیر محرم ہے اس کے ساتھ بات چیت اور خلوت گزینی تو کیا اسکو دیکھنا بھی گناہ کبیرہ ہے حضرت مفتی عبدالرحیم صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ منگنی صرف نکاح کا وعدہ ہے نکاح نہیں اسلئے آزادانہ ساتھ پھرنا اور خلوت میں رہنا حرام ہے صحبت کرنا زنا کے حکم میں ہے بچہ ہوگا تو حرام ہی شمار ہوگا اگر منگنی کے بعد الگ رہنا نا قابل برداشت ہے تو نکاح ہی کرلیا جائے۔[۱]

مغربی تہذیب

آج کا مغربی کلچر، یورپی تہذیب اور آئیڈیل ملکوں نے قانون اسلام کے خلاف اباحیت کا نعرہ لگاتے ہوئے منگنی کے بعد عقد نکاح سے قبل زوجین کو باہم محبت و پیار کے تعلقات قائم کرنے اور ایک دوسرے کے ساتھ عرصہ تک وقت گزارنے کو جائز قرار دیا ہے جو اسلامی نقطۂ نظر کے ہی خلاف نہیں بلکہ عقلاً بھی مہذب قانون، ثقافت انسانی کے مخالف اور غیر فطری کوششیں ہیں کیونکہ اباحیت کا یہ نعرہ عورتوں کے ساتھ ظلم اور کھلی زیادتی ہے اسلئے کہ شادی سے قبل اگر ان جنسی تعلقات نے صنفی تعلقات اور خواہشات کی تکمیل تک پہنچا دیا اور پھر رشتہ نہ ہوسکا تو اسکا خمیازہ تنہا عورت ہی کو بھگتنا پڑیگا۔

منگنی ہونیکے بعد نکاح نہ کرنا

منگنی وعدۂ نکاح کا نام ہے اس پر دونوں فریق کا قائم رہنا بےحد ضروری ہے خدا کا فرمان ہے (وَاَوْفُوْابِالعَهْدِ انّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلاً[۲]) یعنی عہد اور قول و قرار پورا کرتے رہا کرو بیشک وعدہ توڑنے کے متعلق سوال کیا جائیگا۔

---

۱ (فتاوی رحیمیه صفحه ۲۵۶ جلد۷)۔ ۲ سوره بنی اسرائیل آیت ۳٤

وعدہ خلافی کو حضورؐ نے منافق کی علامتوں میں سے شمار کیا ہے لہٰذا منگنی کر کے اور کچھ دنوں امید دلا کر بلا وجہ انکار کر دینا گناہ کا کام ہے۔

البتہ منگنی کے بعد لڑکا لڑکی میں کوئی عیب نکل آئے اور سر پرست اس جگہ رشتۂ نکاح کرنا خلاف مصلحت سمجھے کہ نکاح ہونے کے بعد دونوں میں نباہ نہ ہو سکے گا تو پھر پہلی جگہ چھوڑ کر مناسب جگہ رشتہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔[1]

(محرمات) یعنی جن عورتوں سے نکاح کرنا حرام ہے

نکاح کے صحیح ہونے کی ایک شرط یہ ہے کہ عورت محرمات میں سے نہ ہو محرمات کی نو قسمیں ہیں جن کو فتاوی شامی۔ عالم گیری وغیرہ میں بہت تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے یہاں مختصر انداز میں اس کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔

محرمات کی اولاً دو قسمیں ہیں۔ (۱) محرمات مؤبدہ یعنی وہ عورتیں جن سے نکاح ہمیشہ ہمیش کے لئے حرام ہو۔ (۲) محرمات مؤقتہ یعنی وہ عورتیں جن سے نکاح ہمیشہ ہمیش کیلئے حرام نہیں بلکہ کسی عارض کی وجہ سے حرمت ثابت ہوتی ہے اور عارض ختم ہو جانے پر ان سے نکاح جائز ہو جاتا ہے۔ پہلی قسم محرمات مؤبدہ کے تین اسباب اور تین رشتے ہیں۔

۱۔نسب ۲۔مصاہرت۔ ۳۔رضاعت

محرمات نسبیہ

نسب کے رشتے میں سات قسم کی عورتیں حرام ہیں۔ (۱) (ماں) ماں کی حرمت میں سگی ماں سوتیلی ماں، نانی، دادی، پرنانی، پردادی اوپر تک کی عورتیں شامل ہیں۔ (۲) (بیٹی) بیٹی کی حرمت میں پوتی، نواسی، پر پوتی، پرنواسی نیچے تک کی عورتیں

[1] (ولایزوج ابنته الشابة شیخا کبیرا ولارجلادمیما ویزوجها کفوا (شامی صفحه ٦٨ جلد٤ زکریا

شامل ہیں۔ (۳) (بہن) بہن کی حرمت میں حقیقی بہن کے علاوہ علاتی (باپ شریک) بہن، اخیافی (ماں شریک) بہن بھی شامل ہیں۔ (۴) (پھوپھی) یعنی باپ کی بہن اس میں حقیقی پھوپھی کے علاوہ علاتی بھی شامل ہے اسی طرح پھوپھی کے حکم میں باپ، دادا، ماں، دادی نانی ان سب کی پھوپھیاں بھی محرمات میں ہیں۔ (۵) (خالہ) یعنی ماں کی حقیقی علاتی اخیافی تینوں قسم کی بہنیں حرام ہیں اسی طرح خالہ کے حکم میں باپ، دادا، نانا، نانی اوپر تک سب کی خالائیں حرام ہیں۔ (۶) (بھتیجی) یعنی بھائی کی لڑکی اس میں بھتیجے اور بھتیجی کی لڑکیاں بھی نیچے تک حرام ہیں۔ (۷) (بھانجی) یعنی بہن کی لڑکی اس میں بھانجے اور بھانجی کی لڑکیاں بھی نیچے تک شامل ہیں بھتیجی اور بھانجی چاہے حقیقی بھائی بہن کی اولاد ہو یا علاتی اور اخیافی بھائی بہن کی سب حرام ہیں، ان ساتوں محرمات کا تذکرہ قرآن میں اس طرح کیا گیا ہے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهٰتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الاَخِ وَبَنٰتُ الاُخْتِ [1]	تم پر حرام کی گئی ہیں تمہاری مائیں، بیٹیاں، بہنیں، پھوپھیاں، خالائیں، بھتیجیاں اور بھانجیاں۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ نسبی رشتے میں اپنے اصول وفروع اور اپنے ماں باپ کے اصول وفروع حرام ہیں۔

محرمات صہریہ

وہ عورتیں جو سسرالی رشتہ کی وجہ سے حرام ہوتی ہیں وہ چار قسم کی ہیں۔ (۱) بیوی کے اصول یعنی ساس، ددیا ساس، ننیا ساس اور ان کے اوپر درجے کی مثلاً بیوی کے باپ اور ماں کی دادی نانی وغیرہ بھی حرام ہیں۔ اگر چہ صرف نکاح ہوا ہو بیوی کیساتھ وطی اور خلوت صحیحہ کی نوبت نہ آئی ہو تو بھی بیوی کے اصول شوہر پر حرام

[1] سورہ نسلہ پارہ ٤ آیت ٢٣ رکوع ١٢

ہوجاتے ہیں۔(۲) بیوی کے فروع: مثلاً بیوی کی بیٹی، پوتی، نواسی، پرپوتی پرنواسی نیچے تک حرام ہیں مگر بیوی کے فروع اس وقت حرام ہونگے جبکہ بیوی سے جماع کرلیا ہو اگر خلوت ہوئی مگر جماع کا موقع نہ مل سکا تو بیوی کی بیٹی حرام نہ ہوگی بیوی کو طلاق دینے کے بعد اس کی بیٹی (جو دوسرے شوہر سے ہے) سے نکاح کرسکتا ہے (گویا یہاں خلوت کو جماع کے قائم مقام قرار نہیں دیا گیا)۔(۳) بہو: یعنی اپنے فروع بیٹے، پوتے، نواسے، پرپوتے، پرنواسے نیچے تک ان سب کی بیویاں حرام ہیں۔ خواہ ان عورتوں کے ساتھ ان کے شوہر یعنی بیٹے پوتے وغیرہ نے جماع کیا ہو یا نہ کیا ہو مطلقا حرام ہیں۔(۴) اپنے اصول باپ، دادا، نانا اوپر تک کی بیویاں یعنی سوتیلی ماں، سوتیلی دادی، سوتیلی نانی وغیرہ ہمشیہ ہمیش کیلئے حرام ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ سسرالی رشتہ میں اپنی بیوی کے اصول وفروع اور اپنے اصول وفروع کی بیویاں محرمات میں سے ہیں ان محرمات کو قرآن میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

وَلاَ تَنْکِحُوْا مَانَکَحَ آبَاؤُکُمْ مِنَ النِّسَآءِ (الی آخر الآیة) وَاُمَّھٰتُ نِسَاءِ کُمْ وَرَبَائِبُکُمُ الّتِی فِیْ حُجُوْرِکُمْ مِنْ نِّسَائِکُمُ الّتِی دَخَلْتُمْ بِھِنَّ فَاِنْ لَّمْ تَکُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِھِنَّ فَلاَ جُنَاحَ عَلَیْکُمْ وَحَلاَئِلُ اَبْنَاءِ کُمُ الَّذِیْنَ مِنْ اَصْلاَبِکُمْ [۱]

اور جن عورتوں سے تمہارے باپ نکاح کرچکے ہوں ان سے نکاح ہرگز مت کرو اور حرام کی گئی ہیں تم پر تمہاری بیویوں کی مائیں اور تمہاری بیویوں کی وہ لڑکیاں جنہوں نے تمہاری گود میں پرورش پائی ہیں جو تمہاری ان بیویوں سے ہیں جن سے تم نے دخول بھی کرلیا ہے اور اگر تم لوگوں نے دخول نہ کیا ہو ان بیویوں سے تو ان کو چھوڑ کر ان کی لڑکیوں سے نکاح کرلینے میں کوئی مواخذہ نہیں ہے اور تمہارے ان بیٹوں کی بیویاں تم پر حرام کی گئی ہیں جو تمہارے صلب سے ہوں۔

[۱] سورہ نساء پارہ ٤ آیت ۲۳ رکوع ۱۲

فائدہ: آیت میں لڑکیوں کے ساتھ فی حجور کم کی جو قید ہے یعنی (وہ لڑکیاں جو تمہاری گود میں پرورش پائی ہوں) یہ قید صرف اتفاقی ہے۔ تمام فقہاء کا اجماع ہے کہ سوتیلی بیٹی مطلقاً حرام ہے خواہ اس نے سوتیلے باپ کے گھر پرورش پائی ہو یا نہ پائی ہو۔ اسی طرح من اصلابکم یعنی صلبی حقیقی بیٹے کی بیوی کی قید سے متبنیٰ منہ بولے بیٹے کی بیوی کو نکالدینا ہے کہ وہ اگر بیوہ یا مطلقہ ہو جائے تو حرام نہیں مگر رضاعی بیٹے کی بیوی حقیقی بیٹے کی بیوی کی طرح حرام ہے۔ (یحرم من الرضاعة ما یحرم من النسب)

حرمت مصاہرت نکاح صحیح سے ثابت ہوگی نہ کہ نکاح فاسد سے

حرمت مصاہرت نکاح صحیح سے پیدا ہوتی ہے نہ کہ نکاح فاسد سے البتہ اگر نکاح فاسد کے بعد وطی بھی پائی گئی یا دواعی وطی (مس بالشہوت یا نظر بالشہوت) کا ارتکاب کیا گیا تو پھر حرمت مصاہرت پیدا ہو جائے گی۔[1]

حرمت بسبب زنا و مس و نظر بشہوۃ

سسرالی رشتے کی جو محرمات ہیں ان کا بیان تو مکمل ہو گیا مگر کچھ ناجائز اسباب کی وجہ سے بھی حرمت ثابت ہوتی ہے اس کو بھی حرمت مصاہرت ہی کہتے ہیں۔

چنانچہ کسی مرد نے کسی عورت سے زنا کیا یا اس کو شہوت کے ساتھ چھولیا اس کے ساتھ لیٹا یا اس کا بوسا لیا یا اس کو دانتوں سے کاٹا یا کسی عورت نے شہوت کے ساتھ کسی مرد کے عضو مخصوص کی طرف دیکھا یا مرد کو ہاتھ لگایا یا بوسہ لیا یا کسی بھی عضو کو شہوت کے ساتھ چھوا تو ان تمام صورتوں میں حرمت ثابت ہو جائے گی اسی طرح کسی مرد نے کسی عورت کے اندرون شرمگاہ کو شہوت کیساتھ دیکھا مثلاً عورت ٹیک لگا کر بیٹھی تھی کپڑا ہٹ گیا اندر کے حصے کو شہوت کیساتھ دیکھ لیا تو حرمت

---

[1] (قوله الصحيح) احتراز عن النكاح الفاسد فانه لايوجب بمجرده حرمة المصاهرة بل بالوطى او مايقوم مقامه من المس بشهوة والنظر بشهوة (شامى ص ١٠٤ ج ٤

مصاہرت ثابت ہوجائے گی۔البتہ عورت کے کھڑے ہونے کی حالت میں مرد کی نگاہ عورت کی ظاہر شرمگاہ پر پڑنے سے حرمت ثابت نہیں ہوگی حرمت ثابت ہونے کے لئے فرج داخل کی طرف دیکھنا شرط ہے اگر چہ بیچ میں شیشہ حائل ہو یا عورت پانی میں بیٹھی تھی پانی کے اندر دیکھا تو بھی حرمت ثابت ہوجائے گی (اصل شرمگاہ دیکھنا ہے عکس دیکھنے سے حرمت ثابت نہیں ہوگی مثلاً آئینہ کے اندر سے یا پانی میں شرمگاہ کا عکس دیکھا تو حرمت ثابت نہیں ہوگی)۔

بہر حال ان تمام صورتوں میں مرد پر عورت کی ماں، دادی، نانی اور اس عورت کی بیٹی، پوتی، نواسی وغیرہ سب حرام ہوجائیں گی۔اسی طرح اس عورت کیلئے زنا کرنے یا چھونے یا دیکھنے والے مرد کا باپ، دادا، نانا اور اس کا بیٹا، پوتا، نواسا سب حرام ہوجائیں گے۔

شرائط: (۱) حرمت ثابت ہونے کے لئے ایک شرط یہ ہے کہ وہ لڑکی قابل شہوت ہو یعنی کم از کم نو سال کی ہو اور مرد بھی قابل شہوت ہو یعنی کم از کم بارہ سال کا ہو لہٰذا اگر چھوٹے بچے نے جماع کرلیا تو حرمت ثابت نہیں ہوگی البتہ اگر ایسے بڑے بچے نے جماع کیا کہ اس کے ہم عمر لڑکے جماع کرلیا کرتے ہیں اور عورت کی طرف میلان ہوجاتا ہے تو حرمت ثابت ہوجائے گی۔چھونے سے یا اندرون شرمگاہ کی طرف دیکھنے سے جو حرمت ثابت ہوتی ہے یہ ضروری نہیں کہ قصداً ہو بلکہ اگر سہواً یا بھولکر ہو یا کسی کے زبردستی کرنے سے ہو یا غلطی میں چھوا یا دیکھا یا نیند کی حالت میں چھوا تو بھی ان تمام صورتوں میں حرمت ثابت ہوجائے گی۔

(۲) حرمت ثابت ہونے کے لئے دوسری شرط یہ ہے کہ دیکھنا یا چھونا شہوت کے ساتھ ہو اگر عورت کی شرمگاہ کی طرف دیکھتے وقت یا عضو کو چھوتے وقت شہوت نہ تھی بعد میں ہوئی تو پھر حرمت ثابت نہیں ہوگی۔

(۳) حرمت ثابت ہونے کے لئے تیسری شرط یہ بھی ہے کہ دیکھنے اور چھونے کے بعد انزال نہ ہوا ہو اگر انزال ہو گیا تو حرمت ثابت نہیں ہوگی کیونکہ دیکھنا اور چھونا جماع کا سبب نہ بنا۔

شہوت کا معیار

جوان مرد کی شہوت کا معیار یہ ہے کہ دیکھنے یا چھونے کے وقت اس کے عضو میں ایستادگی (حرکت) پائی جائے اگر ایستادگی پہلے سے تھی تو زیادہ ہو جائے۔ بوڑھے مرد کے عضو میں حرکت پیدا ہونا بند ہو گیا ہے تو پھر اس کے قلب میں حرکت ہو اگر حرکت پہلے سے ہے تو اس میں زیادتی ہو جائے۔

عورت اور مقطوع الذکر مرد کی شہوت کا معیار یہ ہے کہ قلب میں خواہش پیدا ہو جائے اگر خواہش پہلے سے تھی تو زیادتی ہو جائے۔

(نوٹ) حرمت ثابت ہونے کے لئے دونوں میں شہوت کا ہونا ضروری نہیں ہے عورت یا مرد کسی ایک میں شہوت کا ہونا کافی ہے۔ نیز یہ چھونا بلا کسی کپڑا وغیرہ کی حیلولت کے ہو یا ایسا کپڑا بیچ میں ہو جو بہت باریک ہے کہ بدن کی حرارت معلوم ہوتی ہے تو پھر حرمت ثابت ہو جائے گی۔

مسئلہ: عورت کے وہ بال جو سر سے ملے ہوئے ہیں شہوت کے ساتھ چھونے سے حرمت ثابت ہو جائے گی مگر جو بال سر سے باہر لٹکے ہوئے ہیں ان کو چھونے سے حرمت ثابت نہیں ہوگی۔[1]

---

[1] وحرم ایضا بالصهریة اصل مزنیته لراد بالزنی الوطْ الحرام واصل ممسوسته بشهوة ولو لشعر علی الرأس (خرج به المسترسل شامی) بحائل لا یمنع الحرارة واصل ماسته وناظره الی ذکره والمنظور الی فرجها المدور الداخل ولو نظره من زجاج او ماء هی فیه وفروعهن مطلقاً والعبرة للشهوة عند المس والنظر لا بعدهما وحدها فیهما تحرک آلته او زیادته به یفتی وفی امرأة ونحو شیخ کبیر تحرک قلبه او زیادته وفی الجوهرة لا یشترط فی النظر للفرج تحریک آلته به یفتی هذا اذا لم ینزل فلو انزل مع مس او نظر فلاحرمة به یفتی الخ۔ ولا فرق فیما ذکر بین اللمس والنظر بشهوة بین عمدونسیان وخطا واکراه (درمختار علی هامش شامی صفحه ۱۰۷ تا ۱۱۲ جلد٤)

بیوی شوہر پر کن وجوہات سے حرام ہوجاتی ہے

(۱) اگر کسی مرد نے (نعوذ باللہ منہ) اپنی بیٹی سے زنا کیا۔ یا شہوت کے ساتھ چھوا اگر چہ بھولکر انجانے میں چھوا ہو مثلاً کسی شخص نے اندھیرے میں اپنی بیوی کو نیند سے اٹھانا چاہا مگر غلطی سے اس کا ہاتھ لڑکی پر پڑ گیا اور پھر یہ سمجھ کر کہ یہی میری بیوی ہے شہوت کے ساتھ اس کو چٹکی لی اور وہ لڑکی بھی جوان قابل شہوت تھی تو اس صورت میں اس مرد کی بیوی یعنی اس لڑکی کی ماں اس مرد پر ہمیشہ ہمیش کیلئے حرام ہوگئی اب مرد کو چاہئے کہ اپنی بیوی کو علیحدہ کردے ورنہ پوری زندگی گناہ میں مبتلا رہے گا۔[۱]

(۲) اگر کسی شخص نے اپنی ساس سے زنا کیا یا شہوت کیساتھ چھوا یا اندرونِ فرج کو شہوت کیساتھ دیکھا تو اس کی بیوی اس پر ہمیشہ ہمیش کے لئے حرام ہوجائے گی بیوی کو علیحدہ کردے ورنہ ہمیشہ گناہ میں مبتلا رہیگا۔[۲]

مذاقاً بھی ساس سے جماع کا اقرار کرنے پر حرمت ثابت ہوجائیگی

اگر کسی شخص سے پوچھا گیا کہ تو نے اپنی ساس سے کیا کیا اس نے کہا کہ میں نے جماع کیا تو اس سے بھی حرمت ثابت ہوکر بیوی حرام ہوجائے گی۔ اگر چہ پوچھنے والے نے بعد میں کہا کہ میں نے مذاق میں پوچھا تھا اور مرد نے بھی کہا کہ میں نے مذاق میں اس طرح کا جواب دیا تھا تو بھی اس کا اعتبار نہ کیا جائے گا بیوی اس پر ہمیشہ کیلئے حرام ہوجائے گی۔[۳]

---

[۱] فلو ایقظ زوجته او ایقظته هی لجماعها فمست یده بنتها المشتهاة او یدها ابنه حرمت الام ابدا فتح (درمختار حاشیه شامی صفحه ۱۱۲ جلد ٤ زکریا)

[۲] اذا فجر الرجل بامرأة ثم تاب یکون محرما لابنتها لانه حرم علیه نکاح ابنتها علی التابید وهذا دلیل ان المحرمیة تثبتَ بالوطی الحرام وبما تثبت حرمة المصاهرة (بحر الرائق صفحه ۱۷۹ جلد۳)

[۳] قیل لرجل ما فعلت بام امرأتك قال جامعتها قال تثبت حرمة المصاهرة قیل ان کان السائل والمسئول هاز لین قال لا یتفاوت ولا یصدق انه کذب کذا فی المحیط (عالم گیری صفحه ۲۷٦ جلد ۱ زکریا)

سوتیلی ماں کے ساتھ غلط حرکت سے حرمت

اگر کسی نے اپنے باپ کی منکوحہ یعنی سوتیلی ماں سے زنا کیا یا شہوت کیساتھ اندرونِ فرج کو دیکھا یا شہوت کیساتھ چھوا تو وہ عورت اپنے شوہر یعنی اس لڑکے کے باپ پر ہمیشہ ہمیش کے لئے حرام ہو جائے گی جبکہ زنا کا ثبوت شہادت شرعی سے ہو چکا ہو اگر چہ لڑکا شہوت کے ساتھ دیکھنے یا چھونے کا انکار کرے تو بھی اس کے قول کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔[۱]

بہو یعنی لڑکے کی بیوی کے ساتھ غلط حرکت سے حرمت

اگر کسی شخص نے اپنے بیٹے کی بیوی (بہو) کو شہوت کیساتھ چھوا یا فرجِ داخل کو شہوت کیساتھ دیکھا یا (نعوذ باللہ) بہو سے زنا کا ارتکاب کرلیا تو وہ عورت اپنے شوہر پر ہمیشہ ہمیش کے لئے حرام ہو جائے گی اب شوہر کو چاہئے کہ اپنی بیوی کو علیحدہ کردے ورنہ پوری زندگی گناہ میں مبتلا رہے گا ہاں اگر شوہر نے اس بات کی تصدیق نہیں کی تو پھر حرمت ثابت نہیں ہوگی۔

مسئلہ: کسی شخص نے اپنے بیٹے کی بیوی یعنی بہو کا زبردستی بوسا لیا یا شہوت کیساتھ فرجِ داخل کو دیکھا یا زنا کا ارتکاب کرلیا اور اس بات کو صرف عورت بیان کرتی ہے باپ انکار کرتا ہے تو حرمت ثابت نہیں ہوگی اور اگر بہو اور خسر دونوں اقرار کرلے مگر شوہر اس کو تسلیم نہ کرے تو بھی حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوگی عورت اپنے شوہر کی زوجیت میں باقی رہے گی ہاں اگر شوہر نے زنا کو یا اس مس کو شہوت کیساتھ ہونے کو تسلیم بھی کرلیا تو بیوی شوہر پر ہمیشہ کیلئے حرام ہو جائے گی اور عورت باپ بیٹا کسی کیلئے

---

[۱] لراد بحرمته المصاهرة الحرمات الاربع حرمة المرأة على اصول الزاني وفروعه (شامی صفحه ۱۰۷ جلد ٤) وان ادعت الشهوة فی تقبيله او تقبيلها ابنه وانكره الرجل فهو مصدق (درمختار) فهو مصدق لانه ينكر ثبوت الحرمة والقول للمنكر (شامی ۱۱۵ جلد ٤ زکریا)

حلال نہیں رہے گی۔[1]

باپ کی حرکت کی وجہ سے بیوی حرام ہوئی تو اس کا مہر باپ پر ہے

جیسا کہ گزر چکا کہ بہو کو شہوت کیساتھ چھونے سے بیوی اپنے شوہر پر حرام ہو جاتی ہے مگر وہ اپنے شوہر سے مہر کی حقدار ہوگی اور شوہر وہ رقم جو اس نے مہر میں ادا کی تھی اپنے باپ سے وصول کرلے گا۔ بشرطیکہ باپ نے فتنہ پھیلانے کیلئے یہ حرکت کی ہو اگر فتنہ پھیلانے کی غرض سے نہیں چھوا ہے تو پھر کچھ بھی وصول نہیں کریگا مگر زنا کیوجہ سے حرمت جو ہوئی ہے اس سے شوہر کی دی ہوئی رقم واپس نہیں مل سکتی کیونکہ زنا کی وجہ سے باپ پر حد جاری کرنے کا حکم دیا جائے گا اور شریعت نے شرعی حد کے ساتھ کوئی مالی جرمانہ عائد نہیں کیا ہے۔

مسئلہ حرمت رضاعت یا مصاہرت سے نکاح باطل نہیں ہوتا ہے اس لئے شوہر طلاق دیدے یا متارکت کے الفاظ (میں نے تمہیں چھوڑ دیا، علیحدہ کردیا وغیرہ) کہدے ورنہ قضاءِ قاضی کے ذریعہ نکاح فسخ ہوگا۔[2]

حرمت مصاہرت کیلئے کتنے مرد کی گواہی ضروری ہے

حرمت مصاہرت دو مرد یا ایک مرد اور دو عورت کی گواہی سے ثابت

---

[1] وحرم ایضا بالصهرية اصل مزنية... واصل ممسوسة بشهوة... واصل ماسته الخ وفروعهن مطلقاً والعبرة للشهوة (درمختار) قوله مطلقا يرجع الى الاصول والفروع اى وان علون وان سفلن (شامى صفحه ١٠٨ جلد ٤ زكريا) وثبوت الحرمة بلمسها مشروط بان يصدقها ويقع فى اكبر رائه صدقها اوعلى هذا ينبغى ان يقال فى مسه اياها لاتحرم على ابيه وابنه الا ان يصدقها او يغلب على ظنه صدقها (بحرالرائق صفحه ١٧٧جلد ٣ فصل فى المحرمات)

[2] وبحرمة المصاهرة لا يرتفع النكاح حتى لايحل لها التزوج باخر الا بعد المتاركة وانقضاء العدة (درمختار) (قوله الا بعد المتاركة) اى وان مضى عليها سنون كما فى البزازية وعبارة الحاوى الا بعد تفريق القاضى او بعد المتاركة. وقد علمت ان النكاح لا يرتفع بل يفسد وقد صرحوا فى النكاح الفاسد ان المتاركة لا تتحقق الا بالقول ان كانت مدخولا بها كتركتك او خليت سبيلك (شامى ١١٤ ج ٤

ہوتی ہے[1]

نسبی اور صہری رشتے کی مذکورہ عورتوں سے اجتناب کرنا احوط ہے

جوان بیٹی اور بہو اسی طرح ساس اور سوتیلی ماں وغیرہ اگر چہ محرمات میں سے ہیں ان کے سامنے ہونا باتیں کرنا وغیرہ اگر چہ جائز ہے کیونکہ ان سے پردہ نہیں ہے مگر احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ ان کے ساتھ اختلاط سے پرہیز کیا جائے اپنی بیوی کے بستر ہ سے ان کا بستر بالکل الگ تھلگ ہو کہیں انجانے میں شہوت کیساتھ ہاتھ نہ پڑجائے۔

اسی طرح جوان بیٹی، بہو، ساس، سوتیلی ماں وغیرہ سے جسمانی خدمت بھی نہ لی جائے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ خدمت کرتے وقت دونوں میں سے کسی ایک کے اندر شہوت پیدا ہو جائے اور شہوت کیساتھ مس پایا گیا تو حرمت مصاہرت ثابت ہو کر بیوی حرام ہو جائے گی۔ اسی طرح بیٹے کیلئے بہو بھی ناجائز ہو جائے گی اور غفلت میں اس کی پرواہ کئے بغیر پوری زندگی گناہ میں خود مبتلا رہے گا اور دوسرے کو گناہ میں مبتلا کر کے اپنی آخرت کو برباد کرنے کا خود ذریعہ بنے گا۔

اللہ ہم سبھوں کی حفاظت فرمائے۔ آمین

محرمات رضاعیہ

رضاعت کے معنی دودھ پلانے کے آتے ہیں:

دودھ پلانے والی عورت کو مرضعہ اور دودھ پینے والے بچہ کو رضیع اور بچی کو رضیعہ کہتے ہیں دودھ پینے اور پلانے کی وجہ سے وہی رشتے قائم ہوتے ہیں جو نسب کی وجہ سے قائم ہوتے ہیں اور رضاعت سے بھی وہی حرمت ثابت ہوتی ہے جو نسب اور مصاہرت کی وجہ سے ثابت ہوتی ہے چنانچہ ارشاد باری ہے:

---

[1] ونصا بها للزنا لربعة رجال ولو علق عتقه بالزنا وقع برجلين ولا حد الخ ولغيرها من الحقوق سواء كان الحق مالا او غيره كنكاح وطلاق ووكالة الخ رجلان او رجل وامرأتان (الدر المختار على هامش در المختار ص ۵۱۴ تا ۵۱۵ جلد ۴ كتاب الشهادة)

وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِىٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ. [1] کہ حرام کی گئی ہیں تم پر تمہاری مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہے اور تمہاری دودھ شریک بہنیں بھی تم پر حرام ہیں

چنانچہ جس عورت کا دودھ لڑکا لڑکی نے پی لیا تو وہ عورت اس لڑکا لڑکی کی ماں اور اس عورت کا شوہر جس کے جماع کی وجہ سے دودھ اترا ہے وہ اس کا باپ ہو گیا اب رضاعی ماں باپ کے اصول یعنی باپ، نانا، دادا او پر تک اس رضیع رضیعہ کو دادا، پردادا، نانا، پرنانا ہوں گے اور رضاعی ماں باپ کی ماں، نانی، دادی بھی اس رضیع رضعیہ کو دادی، پردادی، نانی، پرنانی ہونگی اور اس رضاعی ماں باپ کے لڑکے رضیع اور رضیعہ کے لئے بھائی اور اس بھائی کی اولاد بھتیجا اور بھتیجی ہیں خواہ رضاعی ماں کا یہ لڑکا موجودہ شوہر سے ہو یا دوسرے شوہر سے اور رضاعی ماں باپ کی لڑکی اس رضیع رضیعہ کی بہن اور اس رضاعی بہن کی اولاد رضیع رضیعہ کے بھانجے اور بھانجیاں ہیں اور رضاعی ماں کے بھائی بہن رضیع رضیعہ کے لئے ماموں اور خالہ ہیں اسی طرح رضاعی باپ کے بھائی رضیع رضیعہ کا چچا اور رضاعی باپ کی بہن پھوپھی ہیں جس طرح نسبی رشتے میں ان سب سے نکاح حرام ہے اسی طرح رضاعی رشتے میں بھی یہ سب رشتہ دار رضیع اور رضیعہ کے لئے حرام ہیں اور رضیع اور رضیعہ ان سب رشتہ داروں کے لئے حرام ہیں۔ نیز جس طرح رضاعت میں نسبی رشتوں کی حرمت ثابت ہوتی ہے اسی طرح سسرالی رشتوں کی حرمت بھی ثابت ہوتی ہے چنانچہ رضاعی باپ کی بیوی رضیع پر اور رضیع کی بیوی رضاعی باپ پر حرام ہے۔

مسئلہ:- اگر بڑی بہن نے چھوٹی بہن کو مدت شیر خوارگی میں دودھ پلایا تو اب ان دونوں بہنوں کی اولاد میں نکاح نہیں ہوسکتا۔

مسئلہ:- اسی طرح دو اجنبی لڑکا لڑکی نے کسی ایک عورت کا دودھ پی لیا تو یہ آپس میں بھائی بہن ہو گئے مثلاً زید کی لڑکی خالدہ اور عمرو کا لڑکا حامد نے ہندہ کا دودھ

[1] سورۃ النساء پارہ ٤ آیت ٢٣

پیا تو اب خالدہ اور حامد آپس میں رضاعی بھائی بہن ہوگئے دونوں کا آپس میں نکاح نہیں ہوسکتا خواہ دونوں نے ایک زمانہ میں ہندہ کا دودھ پیا ہو یا الگ الگ زمانے میں ایک دو برس کا فاصلہ ہو دونوں کا حکم ایک ہے۔[1]

حرمت سے کچھ رشتے مستثنیٰ ہیں

رضاعت سے وہی رشتے حرام ہوتے ہیں جو نسب سے حرام ہیں مگر رضاعت میں کچھ رشتے مستثنیٰ ہیں جس سے نکاح کرنا جائز ہے۔

(۱) رضاعی بھائی کے حقیقی بھائی بہن سے نکاح جائز ہے۔ (۲) رضاعی بیٹے کی بہن سے نکاح جائز ہے۔ جیسے خالد، حامد، حمیدہ، تینوں حقیقی بھائی بہن ہیں۔ اور خالد نے عظیمہ کا دودھ پیا تو اب خالد سے عظیمہ اور عظیمہ کے تمام بال بچوں کا نکاح حرام ہے کیونکہ یہ رضاعی بھائی بہن ہیں مگر خالد کے دوسرے بھائی حامد اور اس کی بہن حمیدہ کا نکاح عظیمہ کے بیٹے بیٹیوں سے ہوسکتا ہے۔ اسی طرح عظیمہ کا نکاح حمیدہ کے باپ سے ہوسکتا ہے یا عظیمہ کے شوہر کا نکاح خالد کی بہن حمیدہ سے ہوسکتا ہے۔ (۳) رضاعی بھائی کی رضاعی ماں سے نکاح جائز ہے۔ (۴) رضاعی بیٹے کی رضاعی بہن سے نکاح جائز ہے۔ جیسے ساجد کے دو سوتیلے یا رضاعی بھائی بہن ہیں اور ساجد نے اسماء کا دودھ پیا ہے تو اب ساجد کا نہ اسماء سے اور نہ اسماء کی لڑکیوں سے نکاح ہوسکتا ہے مگر ساجد کے جو سوتیلے یا رضاعی بھائی بہن ہیں ان سے اسماء کا خود اور اسماء کے شوہر کا اور اسماء کے لڑکوں اور لڑکیوں کا نکاح ہوسکتا ہے۔[2]

---

[1] حرم بسبب الرضاع ما حرم بسبب النسب قرابة وصهرية فی هذه المدة ولوكان الرضاع قليلًا لحديث الصحيحين المشهور يحرم من الرضاع ما يحرم من النسب (بحر الرائق صفحه ۳۸۸ جلد ۳) [2] قال ويحرم من الرضاع ما يحرم من النسب الحديث الذى روينا الاام اخته من الرضاع فلنه يجوز ان يتزوجها ولا يجوز ان يتزوج ام اخت من النسب ... ويجوز تزوج اخت ابنه من الرضاع ولا يجوز ذالك من النسب الخ ويجوز ان يتزوج الرجل باخت اخيه من الرضاع لانه يجوز ان يتزوج باخت اخيه من النسب وذالك مثل الاخ من الاب اذا كانت له اخت من امه جلز لاخيه من ابيه ان يتزوجها (هداية صفحه ۳۵۱ جلد ۲)

اسی طرح رضائی بھائی رضائی چچا، رضائی ماموں، رضائی پھوپھی، رضائی خالہ کی مائیں بھی محرمات سے نہیں ہیں اسی طرح اپنی رضائی پوتی کی ماں سے نکاح کرنا جائز ہے ایسے ہی اپنے رضائی بیٹے کی دادی اور نانی سے بھی نکاح جائز ہے نیز رضائی بیٹے کی پھوپھی اس کی بہن کی ماں اس کی بھانجی اور اس کی پھوپھی کی بیٹی سے نکاح جائز ہے اور اسی طرح عورت کو اپنے رضائی بہن کے باپ اپنے رضائی بیٹے کے بھائی اپنے رضائی پوتے کے باپ اور رضائی بیٹے کے دادا اور ماموں سے نکاح کرنا جائز ہے جبکہ نسبی رشتے میں یہ سب محرمات ہیں جن سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔[۱]

مسئلہ:- کسی شخص نے اپنی ایسی بیوی کو طلاق دیدی جس کو دودھ اترا ہوا تھا پھر مطلقہ نے عدت گزار کر دوسرے شخص سے نکاح کرلیا اور اس دوسرے شوہر نے بھی جماع کیا اور بچہ دوسرے خاوند کے نطفے سے پیدا ہوا پھر اس عورت نے کسی بچے کو دودھ پلا دیا تو پہلے شوہر کے ساتھ دوسرے شوہر سے بھی حرمت ثابت ہوگی ہاں اگر دوسرے شوہر سے حاملہ نہیں ہوئی تو اب حرمت صرف پہلے سے ہوگی۔

حرمت رضاعت بسبب زنا

ایک شخص نے زنا کیا اس کے نتیجے میں زانیہ سے بچہ پیدا ہوا پھر زانیہ نے کسی بچی کو دودھ پلایا تو حرمت زانی سے ثابت ہوجائے گی زنا کرنے والے اور اس کا باپ، دادا اور زانی کی اولاد یعنی بیٹے پوتے وغیرہ اس بچی سے نکاح نہیں کرسکتے ہاں زنا کرنے والے کا چچا اور ماموں اس لڑکی سے نکاح کرسکتا ہے۔[۲]

---

[۱] وتحل لم اخيه وام عمه وعمته وام خاله وخالته من الرضاع... وكذا يجوز له ان يتزوج بلم حفدته وبجدة ولده من الرضاع ولا يحل ذالك من النسب ... وكذا يجوز له ان يتزوج بعمة ولده من الرضاع... وكذا ام اخت ابنه وبنت اخت ولدهوبنت ... عمة ولده وكذا المرأة يجوزلها ان تتزوج بابى اختها او بلخى ابنها وبابى حفدتها وبجده ولدها وبخال ولدها من الرضاع ولا يجوز ذالك كله من النسب (عالم گیری صفحه ٣٤٣ جلد١ زكريا)

[۲] اذا طلق الرجل امرأته ولها لبن فتزوجت بزوج أخر بعد انقضت عدتها وطئها الثانى اجمعوا انها اذا ولدت من الثانى فاللبن من الثانى وينقطع من الاول واجمعوا على انها اذا لم تحمل من الثانى فاللبن من الاول- رجل زنى بامرأة فولدت منه فارضعت بهذا اللبن صغيرة لا يجوز لهذا الزانى ولا لاحد من آبائه واولاده نكاح هذه الصبية... ولعم الزانى وخاله ان يتزوج بهذا الولد كالمولود من الزنا (عالم گیری صفحه ٣٤٣ جلد ١ زكريا)

حرمت رضاعت کے شرائط

(۱) سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ دودھ پلانے والی عورت۔ اولاد پیدا کرنے کی عمر میں ہو یعنی بالغہ ہو اور بلوغ کی کم سے کم مدت نو سال ہے اگر نو سال سے کم عمر میں دودھ اتر آیا اور اس نے کسی بچہ کو دودھ پلا دیا تو حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی۔

مسئلہ: اگر کنواری لڑکی کو زرد رنگ کا پانی آ گیا اور اس نے کسی بچہ کو پلا دیا تو حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی۔ (مسئلہ) اگر کنواری لڑکی کو دودھ نکل آیا تو پھر حرمت رضاعت ثابت ہو جائیگی۔ (مسئلہ) اگر کسی عورت کی چھاتی سے زرد رنگ کی بہنے والی چیز بچہ کے منہ میں پہنچ گئی تو حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی اور یہ کہا جائے گا کہ اصل میں دودھ تھا لیکن اس کا رنگ متغیر ہو گیا ہے۔ (مسئلہ) اگر کسی مرد کی چھاتی سے نکلا ہوا دودھ کسی بچہ نے پی لیا تو حرمت ثابت نہیں ہوگی۔ (مسئلہ) اگر دو بچے نے کسی ایک جانور کا دودھ پی لیا تو بھی حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی۔ (مسئلہ) حرمت رضاعت ثابت ہونے کے لئے زندہ اور مردہ کا دودھ برابر ہے لہٰذا کسی بچے نے مردہ عورت کا دودھ پی لیا تو بھی حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی۔[1]

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ دودھ پینے والا بچہ مدت رضاعت (یعنی دودھ پینے کی عمر) میں دودھ پیا ہو اگر بڑا ہو کر پیا تو حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی۔

---

[1] ولو ان صبیۃ لم تبلغ تسع سنین نزل لها اللبن فارضعت به صبیا لم یتعلق به تحریم وانما یتعلق التحریم به اذا حصل من بنت تسع سنین فصاعداً ...... وکذا لو نزل للبکر ماء اصفر لا یثبت من ارضاعه تحریم ...... دخل فی فم الصبی من الثدی مائع لو نه اصفر تثبت حرمت الرضاع لانه لبن تغیر لونه ...... اذا نزل للرجل لبن فارضع به صبیا لا تثبت به حرمة الرضاع ...... ولبن الحیة والمیتة سواء فی التحریم ...... واذا ارتضع الصبیان من البن بهیمة لا یثبت به الرضاع (عالم گیری صفحه ۳٤٤ جلد۱)

(مسئلہ) اگر کسی بالغ مرد نے کسی بالغہ عورت کا دودھ پی لیا، یا بے اختیار شوہر کے منھ میں بیوی کا دودھ چلا گیا تو اس سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی مگر بالغ مرد یا شوہر کو عورت کا دودھ پینا حرام ہے البتہ نکاح نہیں ٹوٹے گا۔ (مسئلہ) اگر شوہر بچہ ہے اور بیوی بڑی ہے اور پھر نابالغ شوہر نے مدت رضاعت میں بیوی کا دودھ پی لیا تو حرمت ثابت ہو کر بیوی حرام ہو جائیگی۔[۱]

رضاعت کی مدت اور اس کا حکم

(بچے کو دودھ پلانے کی) مدتِ رضاعت دو سال ہے چاہے بچہ کی ماں دودھ پلائے یا کوئی دوسری عورت پلائے دو سال کے بعد بچے کو دودھ پلانا حرام ہے دو سال کے اندر کسی عورت نے کسی بچہ یا بچی کو دودھ پلا دیا تو حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی۔ خواہ دو سال مسلسل پلایا، یا کبھی بھی چند قطرے بھی اس کے حلق میں چلے گئے ہوں مدت رضاعت کو قرآن میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ [۲]	اور بچے والی عورتیں اپنے بچوں کو دو برس دودھ پلائیں اس شخص کیلئے جو مدت رضاعت کو مکمل کرنا چاہے۔

فائدہ اوپر جو دو سال مدت رضاعت قرآن میں بیان کیا گیا ہے وہ صاحبین یعنی امام ابو یوسف اور امام محمدؒ کا مذہب ہے۔ ورنہ امام ابو حنیفہؒ کا قول

---

[۱] قليل الرضاع وكثيره اذا حصل فی مدة الرضاع تعلق به التحريم الخ واذا مضت مدة الرضاعی لم يتعلق بالرضاعی تحريم (عالم گیری صفحه ۳٤۲ تا ۳٤۳ جلد ۱) مص رجل ثدی زوجته لم تحرم (درمختار) (مص رجل) قيد به احترازاً عما اذا كان الزوج صغيراً فی مدة الرضاع فانها تحرم عليه (شامی صفحه ٤۲۱ جلد٤)

[۲] سوره بقره آيت ۲۳۳

ڈھائی سال کا ہے۔[۱]

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی قدس سرہ حاشیہ ترجمہ شیخ الہند پر تحریر فرماتے ہیں کہ اس آیت سے تو اتنا معلوم ہوتا ہے کہ دودھ کی مدت جس کو ماں یا کوئی عورت پلائے اور اجرت باپ سے لینا چاہے تو اس کی انتہائی مدت دو برس ہے۔ مگر یہ معلوم نہیں کہ علی العموم دو برس سے زیادہ دودھ پلانے کی مدت نہیں ہے۔[۲]

مگر فتاوی دار العلوم میں حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی دیوبندی قدس سرہ احوط قول بتاتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ چونکہ دونوں قول مفتٰی بہ ہیں اس لئے احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ فطام (مدت رضاعت) میں صاحبین کے قول پر عمل کیا جائے کہ دو سال کے بعد بچہ کو دودھ نہ پلائے اور حرمت رضاعت میں امام ابو حنیفہؒ کے قول پر عمل کیا جائے کہ (اگر ڈھائی سال کے اندر بھی دودھ پی لے تو حرمت ثابت ہو جائے)۔[۳]

(۳) حرمت رضاعت کی تیسری شرط یہ ہے کہ دودھ اپنی اصلی حالت میں منھ اور ناک کے ذریعہ سے معدہ میں پہنچے اگر چہ پستان کو منھ میں لگا کر نہ پلایا جائے بلکہ دودھ کو باہر برتن وغیرہ میں نکال کر پلایا جائے تب بھی حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی لہٰذا اگر منھ اور ناک کے علاوہ کسی اور طریقہ سے دودھ پہنچایا گیا۔ مثلاً کان میں ٹپکا دیا گیا یا عضو مخصوص کے سراخ میں ڈال دیا گیا یا حقنہ کے ذریعہ استعمال کرایا گیا یا مقعد میں یا دماغ میں یا پیٹ کے زخم میں ڈال دیا گیا یا انجکشن کے ذریعہ سے عورت کا دودھ معدہ میں یا دماغ میں پہنچا دیا گیا تو ان تمام

---

[۱] حولان ونصف عنده وحولان فقط عندهما وهو الاصح فتح وبه يفتى كما فى الصحيح القدورى عن العون لكن فى الجوهرة انه فى الحولين ونصف ولو بعد الفطام محرم وعليه الفتوى (درمختار) قوله لكن الخ استدراك على قوله به يفتى وحاصله انهما قولان افتى بكل منهما (شامى صفحه ٣٩٥ جلد٤ زكريا) [۲] (تفسير شيخ الهند صفحه ٤٧ حاشيه ٣ پ ٢)

[۳] (فتاوى دار العلوم ديوبند صفحه ٤٣٤ جلد ٧)

صورتوں میں حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی۔ [۱]

دودھ کو کسی سیال چیز میں ملا کر پلانے کا حکم

اگر عورت کا دودھ پانی یا دوا یا جانور کے دودھ میں یا کسی پتلی سیال چیز میں مل گیا اور وہ کسی بچے کو پلا دیا گیا تو غالب کا اعتبار ہوگا اگر عورت کا دودھ ان چیزوں سے زیادہ ہے تو حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی۔ اور اگر دودھ کی مقدار کم ہے تو حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی۔ غالب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا رنگ، بو اور ذائقہ تینوں چیزیں یا ان میں سے کوئی ایک چیز محسوس و معلوم ہو اگر دودھ اور ملی ہوئی سیال چیزیں برابر ہیں تو بھی حرمت ثابت ہونا ضروری ہے کیونکہ دودھ مغلوب نہیں ہوا۔ [۲]

دو عورت کا دودھ باہم مل جائے

اگر دو عورت کا دودھ باہم مل گیا تو حضرت امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس عورت سے حرمت ثابت ہوگی جس کا دودھ زیادہ ہو لیکن امام محمدؒ کے نزدیک مطلقاً دونوں عورتوں سے حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی یہ ہی قول صحیح اور اقرب الی الاحتیاط ہے۔ اگر دونوں عورتوں کا دودھ برابر ہے تو بالاتفاق دونوں سے حرمت ثابت ہوگی۔ [۳]

دودھ کو جامدات میں ملا کر پلائے

اوپر تو بہنے والی چیزوں کے ساتھ ملنے کا حکم بیان کیا گیا ہے اب مسئلہ یہ ہے

---

[۱] ویثبت به... وان قل ان علم وصوله لجوفه من فمه او انفه لاغير (درمختار) لا غيرياتی محترزه فی قول المصنف والاحتقان والاقطار فی اذن وجائفة وآمة (شامی صفحه ۴۰۱ جلد ۴ زکریا) [۲] ومخلوط بماء او دواء او لبن اخری او لبن شاة اذا غلب لبن المرأة وكذا اذا استويا اجماعاً لعدم الاولوية (درمختار) تعتبر الغلبة بالاجزاء فی الجنس وفی غيره بتغير طعم او لون او ريح كما روی عن ابی یوسفؒ (شامی صفحه ۴۱۱ جلد۴)

[۳] وعلق محمد الحرمة بالمرأتين مطلقاً قيل وهو الاصح (درمختار) ولو استويا تعلق بهما (شامی صفحه ۴۱۲ جلد۴)

کہ اگر دودھ جمی ہوئی چیز ۔ مثلاً روٹی، ستو، بسکٹ وغیرہ میں ملایا گیا اور روٹی وغیرہ نے دودھ کو جذب کرلیا پھر وہی کھانا بچہ کو کھلایا گیا اور اس میں دودھ کا ذائقہ موجود ہے تو حرمت ثابت ہو جائے گی بشرطیکہ لقمہ لقمہ کر کے کھلایا گیا ہو اور اگر گھونٹ گھونٹ کر کے پلایا گیا ہو تو اس میں ذائقہ کا موجود ہونا شرط نہیں مطلقاً حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی...... اگر ان چیزوں کو دودھ میں ملا کر پکایا گیا تو کسی حال میں حرمت ثابت نہیں ہوگی خواہ دودھ غالب ہو یا مغلوب کیونکہ دودھ کی حقیقت بدل گئی۔[1]

دودھ کا دہی اور پنیر وغیرہ بنا کر کھلانے کا حکم

اگر کسی عورت نے اپنے دودھ کی چھاچھ یا دہی یا پنیر یا ماوا وغیرہ بنا کر اسے کسی بچے کو کھلا دیا تو حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی کیونکہ ان چیزوں پر دودھ کا اطلاق نہیں ہوتا۔[2]

حرمت رضاعت کے ثبوت کے لئے گواہ شرط ہے

رضاعت (یعنی دودھ پلانے) کے ثبوت کیلئے ضروری ہے کہ دو مرد گواہی دیں کہ فلاں عورت نے فلاں بچہ کو ددھ پلایا ہے اگر دو مرد نہیں ہیں تو کم سے کم ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی اس شرط کیساتھ ضروری ہے کہ وہ عادل ہوں اگر صرف ایک عورت یہ اقرار کرتی ہے کہ میں نے فلاں بچہ کو دودھ پلایا ہے اور اس کے علاوہ کوئی گواہ نہیں ہے تو صرف اس عورت کے دعوی اور اقرار کی وجہ سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی۔[3]

۱۔ وقال ان کان غالبا یحرم والخلاف مقید بالذی لم تمسه النار فاذا طبخ فلا تحریم مطلقا اتفاقا الخ (وان حساه حسوا) تثبت الحرمة فی قولهم جمیعاً (شامی صفحه ۴۱۲ جلد۴)

۲۔ قال فی البحر ولو جعل اللبن مخیضا او رائبا او شیرازا او جبنا او اقطا او مصلا فتنا وله الصبی لا تثبت به الحرمة لان اسم الرضاع لایقع علیه (شامی صفحه ۴۱۳ جلد۴)

۳۔ ولا تقبل فی الرضاع شهادة النساء منفردات وانما یثبت بشهادة رجلین اور رجل وامرأتین (قدوری صفحه ۱۷۰)

احتیاط کا تقاضا

محض ایک عورت کے کہنے سے یا صرف ایک مرد کے کہنے سے یا صرف چار عورتوں کی گواہی سے شرعاً تو حرمت ثابت نہیں ہوگی لیکن اگر شک ہوگیا کہ ہوسکتا ہے کہ عورت نے دودھ پلایا ہو تو احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ اس عورت اور اس کے بال بچوں سے رشتۂ نکاح قائم نہ کرے اگر بیوی کے متعلق یہی شک ہو جائے کہ رضاعی بہن ہے تو چھوڑ دے۔

کسی عورت نے دو چھوٹی بچیوں کو جو آپس میں سوکن ہیں دودھ پلا دیا

اگر کسی شخص نے دو شیر خوار بچیوں سے نکاح کیا اس کے بعد کسی اجنبی عورت نے آکر دونوں کو ایک ساتھ یا یکے بعد دیگرے دودھ پلا دیا تو دونوں شوہر پر حرام ہو جائیں گی پھر دونوں میں سے ایک سے جس کو پسند کرے اس سے نکاح کرلے یہی حکم تین بچیوں میں بھی ہوگا کہ تین سوکن ہیں تینوں کو کسی نے دودھ پلا دیا تو تینوں حرام ہو جائیں گی بشرطیکہ تینوں کو ایک ساتھ پلایا ہو اور اگر یکے بعد دیگرے دودھ پلایا تو پہلی دو حرام تیسری زوجیت میں رہے گی اور اگر پہلے دو کو پلایا پھر تیسری کو پلایا تو بھی یہی حکم ہے کہ تینوں حرام ہو جائیں گی اور اگر پہلے ایک لڑکی کو پلایا بعد میں دو کو تو پھر تینوں حرام ہو جائیں گی۔ پھر ان میں سے ہر ایک بچی کیلئے شوہر پر نصف مہر واجب ہوگا شوہر اس مہر کو دودھ پلانے والی عورت سے وصول کرلے گا جبکہ عورت نے شرارت کی نیت سے پلایا ہو۔ اگر شرارت کی نیت سے نہیں بلکہ دونوں یا تینوں بچیاں بھوک سے بلک رہی تھیں جان جانے کا خطرہ تھا عورت نے جان بچانے کے مقصد سے پلا دیا تو حرمت ثابت تو ہو ہی جائے گی مگر شوہر عورت سے مہر وصول نہیں کریگا۔[1]

---

[1] ولو تزوج صغيرتين رضعتين فجلت امرأة اجنبية فلرضعتهما معا او على التعلقب حرمتا عليه ويجوز ان يتزوج احداهما ايتهما شاء فان كن ثلاثا فلرضعتهن جميعا حرمن عليه وله ان يتزوج واحدة منهن ايتهن شاء وان ارضعتهن على التعاقب واحدة بعد واحدة حرمت عليه الاوليان وكانت الثالثة امرأته وكذا اذا ارضعت الثنتين معا ثم الثالثة حرمتا والثالثة امرأته ولو ارضعت الاولى ثم الثنتين معا حرمن جميعا (عالم گیری صفحه ۳۴۵ جلد۱) زکریا

بغیر شوہر کی اجازت کے کسی بچہ کو دودھ نہ پلائے

کوئی بھی عورت کسی دوسرے کے بچہ کو بغیر اپنے شوہر کی اجازت کے دودھ نہ پلائے ہاں اگر اس بچہ کی ماں وہاں نہیں ہے یا اسکی ماں کو دودھ نہیں ہو رہا ہے اور بچہ بھوک سے تڑپ رہا ہے تو بغیر شوہر کی اجازت کے بھی دودھ پلا سکتی ہے۔[۱]

تفریق قضاءِ قاضی کے ذریعہ ہوسکتی ہے

جب دو گواہوں نے دودھ پینے کی گواہی دیدی تو اب میاں بیوی کے درمیان جدائی ہو جائیگی مگر یہ تفریق قاضی کے حکم اور فیصلے سے ہوسکتی ہے قاضی نے تفریق کر دی تو عورت کو کچھ نہیں ملے گا بشرطیکہ جماع نہ ہوا ہو اگر جماع کر لیا ہے تو پھر مہر مثل یا مہر متعین جسکی مقدار مہر مثل سے کم ہوگی وہ شوہر پر واجب ہوگا اور نفقہ و سکنیٰ وغیرہ کچھ نہیں ملے گا۔[۲]

خون چڑھانے سے حرمت کا مسئلہ

آج کل ایک جدید مسئلہ پیش آگیا ہے کہ ایک انسان کا خون دوسرے انسان کے بدن میں پہنچایا جاتا ہے تو کیا اس سے حرمت ثابت ہوگی اسکے متعلق حضرت مولٰنا مفتی ظفیر الدین صاحب مدظلہ مفتی دار العلوم دیوبند نے تحریر فرمایا ہے کہ اس سے حرمت ثابت نہیں ہوگی اسلئے کہ رضاعت سے حرمت ثابت ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ عورت کا دودھ بچہ دو ڈھائی سال کی عمر کے اندر پیئے لہٰذا اگر دو ڈھائی سال کی عمر کے بعد یہ خون ایک جسم سے دوسرے جسم کی طرف منتقل کیا گیا ہے یا خون عورت کا نہیں مرد کا ہے تو بظاہر اس شرط مذکور کی بنیاد پر حرمت ثابت نہیں ہوگی۔ البتہ صرف ایک صورت زیر بحث رہ جاتی ہے وہ یہ کہ عورت کا خون دو ڈھائی سال یا اس سے کم عمر بچہ کے جسم

---

[۱] ویکره للمرأة ان ترضع صبیا بلا اذن زوجها الااذا خافت هلاکه (شلمی صفحه ۴۰۲ جلد ۴)

[۲] وهی شهادة عدلین او عدل و عدلتین لکن تقع الفرقة الا بتفریق القاضی (درمختار علی هامش شامی صفحه ۴۲۰ جلد ۴ زکرنا)

میں منتقل کیا جائے تو اس میں حرمت اسلئے ثابت نہیں ہوگی کہ اولاً رضاعت کی حرمت کتاب وسنت میں صراحۃً موجود ہے پھر یہ بھی دیکھا جائے کہ ظاہری طور پر دودھ پلانے میں حال یہ ہوتا ہے کہ دودھ پلانے والی عورت بچہ کو گود میں اٹھاتی ہے پیار کرتی ہے چھاتی سے چمٹاتی ہے اور اپنی محبت اس پر نچھاور کرتی ہے اور بچہ بھی اسکا اثر قبول کرتا ہے مگر خون منتقل کرنے میں ان باتوں میں سے کوئی بات نہیں پائی جاتی ہے۔[1]

حرمت موقتہ کے کئی اسباب ہیں

کل محرمات نو قسم کی ہیں ان نو کو اولاً دو قسم پر تقسیم کیا گیا ہے۔ مؤبدہ (ہمیشہ کے لئے حرام ہو) اسکے تین اسباب ہیں۔ نسبیہ، صہریہ، رضاعیہ۔ انکا بیان ہو چکا۔ اب دوسری قسم۔ موقتہ ہے (مطلب یہ ہے کہ ہمیشہ ہمیش کیلئے حرام نہ ہو بلکہ کسی عارض کی وجہ سے حرام ہوئی عارض ختم ہونے کے بعد حلال ہو جاتی ہے) اسکے چھ اسباب ہیں (۱) مالک ہونا (۲) مملوک ہونا (۳) تعلق مع الغیر یعنی کسی کی منکوحہ ہونا (۴) اختلاف مذہب (۵) مطلقۂ ثلاثہ (٦) جمع کرنا۔ قدرے تفصیل کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔

(۱) مالک ہونا

یعنی عورت کسی غلام کی مالکہ ہے تو وہ اپنے مملوک غلام کے لئے حرام ہے اسی طرح اس غلام سے بھی نکاح جائز نہیں جو اس عورت اور دوسرے کے درمیان مشترک ہے۔ اگر میاں بیوی میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کے کل یا جز کا مالک ہو جائے تو نکاح باطل ہو جائیگا۔[2]

---

[1] پیش لفظ فتاوی دارالعلوم ص ۳۲ جلد ۸)۔

[2] لایجوز للمرأة ان تتزوج عبدها ولاالعبد المشترك بينها وبين غيرها واذا اعترض ملك اليمين على النكاح يبطل النكاح بان ملك احد الزوجين صاحبه او شقصامنه كذافى البدائع۔ (عالم گیری صفحہ ۲۸۲ جلد ۱ زکریا)۔

(۲) مملوکہ ہونا

حرمت غیر مؤبدہ کا دوسرا سبب مملوکہ ہونا ہے۔ یعنی پہلے سے جب آزاد عورت نکاح میں موجود ہوتو باندی سے نکاح کرنا حرام ہے اسی طرح آزاد اور باندی سے ایک ساتھ بھی نکاح حرام ہے۔ مدبرہ اور ام ولد کا بھی یہی حکم ہے۔ اگر کسی نے ایک عقد میں آزاد اور باندی دونوں سے نکاح کیا تو آزاد کا نکاح صحیح ہوگا۔ باندی کا نکاح باطل ہو جائیگا (مگر شرط یہ ہے کہ آزاد عورت محرمات میں سے نہ ہو یا کسی وجہ سے اس سے نکاح حرام نہ ہو) اگر کسی نے پہلے باندی سے نکاح کیا پھر آزاد عورت سے تو دونوں کا نکاح درست ہو جائیگا۔[۱]

(۳) تعلق مع الغیر یعنی کسی کی منکوحہ ومعتدہ ہو

یعنی ان عورتوں کے ساتھ بھی نکاح حرام ہے جنکے ساتھ کسی دوسرے مرد کا حق متعلق ہو مثلاً وہ عورت کسی کے نکاح میں ہوتو اس سے نکاح کرنا حرام ہے (**لقوله تعالی والمحصنات من النساء**[۲]) یعنی وہ عورتیں حرام کی گئی ہیں تم پر جو شادی شدہ ہوں۔

اسی طرح اس عورت سے بھی نکاح حرام ہے جو کسی کی عدت میں ہو اب وہ عدت خواہ طلاق کی ہو یا موت کی یا ایسے نکاح فاسد اور شبہ نکاح کی جس میں جماع کر لیا گیا ہو۔[۳]

---

[۱] لا یجوز نکاح الامة علی الحرة ولا معها كذافی محیط السرخسی وكذا المدبرة وام الولد... ولو جمع بین الامه والحرة فی عقدة واحدة صح نكاح الحرة وبطل نكاح الامة وهذا اذا كان یصح نكاح الحرة وحدها فان لم یصح فضمها الی الامة لایوجب بطلان نكاح الامة كذا فی الخلاصة ولونكح الامة ثم الحرة صح نكلحهما (عالم گیری صفحه ۲۷۹ جلد ۱ زکرنا)۔

[۲] سورة النسلء آیت ٢٤

[۳] لا یجوز للرجل ان یتزوج زوجة غیره وكذلك المعتدة ... سواء كانت العدة عن طلاق او وفاة او دخول فی نكاح فاسد او شبهة نكاح (عالم گیری صفحه ۲۸۰ جلد ۱ زکریا)۔

مسئلہ: اگر کسی نے عدت میں ہی نکاح کر کے جماع بھی کرلیا اور اسکے نتیجے میں بچہ پیدا ہوا تو اس بچہ کا نسب عدت میں شادی کرنے والے سے ثابت ہوگا۔

اگر غیر کی منکوحہ سے نکاح کرلیا

اگر کسی شخص نے انجانے میں کسی دوسرے کی بیوی سے نکاح کرلیا اور پھر اسکے ساتھ جماع بھی کر چکا تو وہ دونوں کے درمیان جدائی کے بعد عورت پر عدت واجب ہوگی اور اگر بچہ پیدا ہو جائے تو نسب بھی ثابت ہوگا۔ اگر وہ شخص جانتا تھا کہ یہ دوسرے کی بیوی ہے اور پھر اس سے شادی کرلیا تو جدائی کے بعد اس عورت پر عدت واجب نہیں ہوگی اور اسکے خاوند کے لئے اس سے جماع کرنا جائز ہوگا۔[۱]

(۴) اختلاف مذہب۔ یعنی غیر مسلم سے نکاح

نکاح کیلئے زوجین کا ہم مذہب ہونا شرط ہے لہٰذا کافرہ اور مشرکہ عورتوں سے نکاح حرام ہے اسی طرح بت پرست، آتش پرست وغیرہ عورت ومرد سے رشتۂ نکاح قائم کرنا ناجائز ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَلاَ تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ الخ وَلاَ تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوا

کہ اے مسلمانوں تم مشرک عورتوں سے ہرگز نکاح نہ کرو۔ جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں اور نہ اپنی عورتوں کا نکاح مشرک مردوں سے کرو جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں۔

(فائدہ) کافر ومشرک مردوں اور عورتوں سے نکاح اس لئے ناجائز ہے کہ ازدواجی رشتہ آپسی محبت ومودت کا متقاضی ہے زوجین ایک دوسرے کو اپنی طبیعت وفطرت کی طرف کھینچتے ہیں اس کے بغیر اصل مقصد پورا نہیں ہوتا اور مشرکین کیساتھ اس

---

[۱] ولوتزوج بمنكوحة الغير وهو لايعلم انها منكوحة الغير فوطئها تجب العدة وان كان يعلم انها منكوحة الغير لاتجب حتى يحرم على الزوج وطوها (عالم گری صفحہ ۲۸۰ جلد ۱)

قسم کے تعلقات قریبہ اور محبت ومودت کا لازمی اثر یہ ہوگا کہ ان میں بھی کفر وشرک کی طرف میلان پیدا ہو یا کم از کم کفر وشرک سے نفرت ان کے دلوں سے نکل جائے اور اس کا انجام یہ ہوگا کہ یہ بھی کفر وشرک میں مبتلا ہو جائیں گے اور اس کا نتیجہ جہنم ہے۔ اسی کو اللہ رب العزت نے یوں بیان کیا ہے۔

اُولٰئِکَ یَدْعُوْنَ اِلَی النَّارِ وَاللّٰہُ یَدْعُوْ اِلَی الْجَنَّۃِ وَالْمَغْفِرَۃِ بِاِذْنِہٖ [1]

کہ یہ لوگ جہنم کی طرف دعوت دیتے ہیں اور اللہ اپنے حکم سے انسان کو جنت ومغفرت کی دعوت دیتا ہے۔

اہل کتاب یعنی یہود ونصاریٰ سے نکاح

مسلمان مرد کا نکاح کتابیہ یعنی یہودی اور عیسائی کی عورتوں سے جو دار الحرب میں رہتی ہیں یا دار الاسلام میں خراج وٹیکس دیکر رہتی ہیں جائز ہے اس کے برخلاف مسلمان عورتوں کا کتابی مرد سے نکاح جائز نہیں کیونکہ عورت فطرۃً ضعیف ہے شوہر کے عقائد ونظریات سے متاثر ہو کر اس کے اپنے دین کو بدل دینے کا خطرہ ہے اس کے برخلاف مرد پر عورت کے خیالات کا اثر پڑنا مستبعد ہے اسی کو قرآن کریم میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

اَلْیَوْمَ اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبَاتُ الخ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتَابَ مِنْ قَبْلِکُمْ [2]

کہ آج تمہارے لئے پاکیزہ چیزیں حلال کردی گئی ہیں اور پارسا عورتیں جو مسلمان ہوں اور پاکدامن عورتیں ان لوگوں میں سے جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے۔ (یعنی ان سے نکاح کر سکتے ہو)۔

(فائدہ) کتابیہ عورتوں سے نکاح کے جواز کا مطلب صرف اتنا ہے کہ ایسی

---

[1] سورہ بقرہ آیت ۲۲۱ [2] سورہ مائدہ آیت ۵

کتابیہ سے جو اپنے دین عیسائیت ویہودیت میں خالص ہو نکاح کرلیا تو نکاح صحیح ہوجائے گا اور اولاد ثابت النسب ہوگی لیکن روایات حدیث اس پر شاہد ہیں کہ یہ نکاح بھی پسندیدہ نہیں ہے آپؐ نے فرمایا کہ مسلمان کو اپنے نکاح کیلئے دیندار صالح عورت تلاش کرنا چاہئے چنانچہ کعب بن مالکؓ نے ایک کتابیہ سے نکاح کرنا چاہا تو حضورﷺ نے یہ کہہ کر منع فرمادیا تھا کہ (انها لاتحصنک) یہی وجہ ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ کو جب خبر پہنچی کہ عراق وشام کے مسلمانوں میں ایسے ازدواج کی کثرت ہونے لگی ہے تو بذریعہ فرمان ان کو اس سے روک دیا اور اسپر توجہ دلائی کہ یہ ازدواجی تعلق دیانۃً بھی مسلم گھرانوں کے لئے خرابی کا سبب ہے اور سیاسۃً بھی آج کے غیر مسلم اہل کتاب کے سیاسی مکروفریب اور سیاسی شادیوں کے مقاصد مسلم گھرانوں میں داخل ہوکر ان کو اپنی طرف مائل کرنا ان کے راز حاصل کرنا وغیرہ عیاں ہے۔ فاروق اعظم کی دُور بین نگاہیں ان واقعات کو دیکھ رہی تھیں۔ خصوصاً اس زمانہ کے یورپ کے اکثر عیسائی یا یہودی مردم شماری کے رجسٹروں میں اپنی قومیت عیسائی یا یہودی لکھتے ہیں مگر ان کو دین عیسائیت ویہودیت سے کوئی تعلق نہیں وہ بالکل ملحد اور بے دین ہیں نہ عیسیٰؑ کو مانتے ہیں اور نہ انجیل کو نہ موسیٰؑ پر ایمان رکھتے ہیں نہ تورات پر نہ خدا پر نہ آخرت پر۔ ظاہر ہے کہ حلت نکاح کا قرآنی حکم ایسے اہل کتاب کو شامل نہیں ان کی عورتوں سے نکاح قطعاً حرام ہے ایسے لوگ آیت قرآنی والمحصنت من الذین اوتوا الکتاب کے استثناء میں داخل نہیں ہیں۔[1]

ان فرقوں سے نکاح جن کی تکفیر کی گئی ہے

وہ فرقے جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں مگر علماء اہل سنت نے ان کی تکفیر کی ہیں ان سے رشتۂ نکاح جائز نہیں ہے جیسے مرزائی، قادیانی، چکڑالوی شیعہ غالی روافض

[1] معارف القرآن صفحہ ۴۸۶ ج ۱

غالی وغیرہ اور وہ فرقے جن کی تکفیر تو نہیں کی گئی ہے مگر وہ قرآن وحدیث کی رو سے مبتدع اور فاسق ہیں ان سے نکاح کرنا جائز تو ہے مگر احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ ایسے فرقے سے بھی نکاح نہ کیا جائے۔[۱]

(۵) مطلقہ ثلاثہ

یعنی وہ عورت بھی محرمات میں سے ہے جسکو شوہر نے تین طلاقیں دیدیں اور اگر باندی ہے تو دو طلاق کے بعد مغلظہ ہو جائگی تو اس عورت سے اسکا شوہر نکاح نہیں کرسکتا ہاں اگر وہ عورت عدت گزار کر کسی دوسرے مرد سے نکاح کرنیکے بعد اس سے صحبت بھی کرالی اور پھر اسکو شوہر ثانی نے بھی طلاق دیدی تو عدت گزار کر پہلے شوہر کی طرف لوٹ سکتی ہے اسکے بغیر لوٹنے کی کوئی صورت نہیں ہے جیسا کہ قرآن میں بھی اسکو بیان کیا گیا ہے (فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلا تَحِلُّ لَهٗ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجاً غَيْرَه[۲]) یعنی اگر شوہر نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی تو وہ اس کے لئے اسوقت تک حلال نہیں ہوسکتی جب تک کہ دوسرے سے نکاح اور اس کے بعد مجامعت وغیرہ بھی نہ پائی جائے۔[۳]

(۶) عورتوں کو جمع کرنا

محرمات کی ایک قسم کچھ عورتوں کو جمع کرنا بھی ہے اسکی دو قسمیں ہیں (۱)

---

[۱] لا یجوز نکاح المجوسیات ولا الوثنیات وسواءً فی ذالك الحرائر منهن والاماء... ویدخل فی عبدة الاوثان. عبدة الشمس والنجوم والصورالتی استحسنوها والمعطله والزنادقة والبلطنية والا بلحية وكل مذهب يكفربه معتقده الخ. ويجوز للمسلم نكاح الكتابية الحربية والزمية حرة كلنت اوامة ... والاولى ان لا يفعل (عالم گیری صفحه ۲۸۱ جلد۱ زکریا)

[۲] سوره البقره آیت ۲۳۰

[۳] لا يحل للرجل ان تتزوج حرة طلقها ثلاثا قبل اصابة الزوج الثانى ولامة طلقها ثنتين الخ حتى تتزوج غيره و يطاها و يطلقها و تنقضى عدتها (عالم گیری صفحه ۲۸۲ جلد ۱)

ذوات الارحام کوجمع کرنا (۲) اجنبیہ عورتوں کوجمع کرنا۔

ذوات الارحام کوجمع کرنا

ایسی دوعورتوں کونکاح اور ملکیت میں جمع کر کے ان سے وطی کرنا حرام ہے جو آپس میں ذی رحم اور نسبی رشتہ دار ہوں جیسے دو بہنوں کوجمع کرنا خواہ حقیقی بہنیں ہوں یا رضاعی اسکے متعلق قرآن میں صراحۃً ممانعت وارد ہوئی ہے (وان تجمعوا بین الاختین) یعنی یہ بھی تم پر حرام کیا گیا ہے کہ تم اپنے نکاح میں دو بہنوں کوجمع کرو... (بہنوں ہی کے حکم میں تمام ذی رحم ہیں) اسکے لئے فقہاء نے ایک ضابطہ بتلایا ہے کہ ایسی دوعورتوں کوجمع کرنا حرام ہے کہ ان دونوں میں سے ایک کومرد فرض کرلیا جائے تو انکا آپس میں نکاح کرنا حرام ہو جائے۔ جیسے دو بہن ہیں ایک بہن کو مرد فرض کرلیا تو ایک بھائی اور ایک بہن ہو گئے جنکا آپس میں نکاح جائزنہیں اسی طرح ایک بھتیجی اور دوسری پھوپھی ہے ان میں سے ایک مثلاً پھوپھی کومرد فرض کرلیا جائے تو وہ بھتیجی کا چچا ہو جائیگی جن دونوں کا آپس میں نکاح جائزنہیں۔ اسی طرح کسی لڑکی کے ساتھ اسکی حقیقی خالہ یارضاعی خالہ یا اس قسم کی اور رشتہ دار عورتوں کوجمع کرنا جائزنہیں جسمیں ایک کومرد فرض کر لینے سے نکاح جائز نہ ہو۔ حضور ﷺ کی حدیث ہے۔

عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ ﷺ لایجمع بین المرأۃ وعمتھا ولا یجمع بین المرأۃ وخالتھا[1]	حضرت ابو ہریرہؓ نقل کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ عورت اور اسکی پھوپھی یا اسکی خالہ کوایک نکاح میں جمع نہ کرو)۔

اسی طرح ہدایہ میں ہے:

[1] (بخاری) صفحہ ۷٦٦ جلد ۲)

ولا یجمع بین امرأتین لو کانت احداھما رجلا لم یجز له ان یتزوج بالاخری [۱]

ایسی دو عورتوں کو نکاح میں جمع نہ کیا جائے کہ اگران دوعورتوں میں سے ایک کومرد فرض کرلیا جائے تو انکا آپس میں نکاح جائز نہ ہو۔

ایک بہن کی عدت میں بھی دوسری بہن سے نکاح جائز نہیں

اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو طلاق رجعی یا طلاق بائن یا طلاق مغلظہ دیدی یا نکاح فاسد ہونیکی وجہ سے نکاح فسخ ہوگیا مگراس سے جماع کرلیا یا شبہ میں مبتلا ہوکر کسی عورت سے وطی کرلیا غرض ان میں سے کسی بھی صورت کے پیدا ہونے کی شکل میں اگر وہ عورت عدت گزار رہی ہو تو اس کی عدت میں اس کی بہن سے یا ان کی ذوات الارحام میں سے کسی سے نکاح کرنا اسی طرح حرام ہے جس طرح بیک وقت دونوں کا نکاح میں رہنا حرام ہے۔[۲]

اگر دو بہنوں سے نکاح کرلیا تو کیا کیا جائے

اگر کسی شخص نے ایک ہی عقد میں دو بہنوں سے نکاح کرلیا تو دونوں سے نکاح باطل ہوگا اوران دونوں کوان کے شوہر سے جدا کردیا جائے گا اگر یہ جدائی دخول سے قبل ہوئی ہے تو مہر کے طور پران دونوں کو کچھ بھی نہیں ملے گا۔اور اگر دخول کے بعد جدائی ہوئی ہے تو مہر مثل یا مہر متعینہ میں سے جسکی مقدار کم ہو وہ دونوں میں سے ہر ایک کو ملے گا اور عدت بھی واجب ہوگی۔[۳]

---

[۱] ھدایة صفحه ۳۰۹ جلد ۲ [۲] وحرم الجمع بین المحارم نکاحا ای عقداً صحیحاً وعدة ولو من طلاق بائن (درمختار علی ھامش شامی صفحه ۱۱۵ تا۱۱٦ جلد ٤ زکریا)

[۳] وان تزوجهما معاً ای الاختین الخ فرق القاضی بینه وبینهما...... اذا الحکم فی تزوجها معا البطلان وعدم وجوب المهر الا بالوطء (درمختار) اما فی مسألة تزوجهما معا فی عقد واحد فالبطلان نکاح کل منهما یقینا فاذا کان التفریق قبل الدخول فلا مهر لهما ولا عدة علیهما وان دخل بهما وجب لکل لأقل من المسمی ومن مهر المثل کما هو حکم النکاح الفاسد وعلیهما العدة (شامی صفحه ۱۲۰ جلد٤)

اور اگر دو بہنوں سے دو عقد میں یکے بعد دیگرے نکاح کیا تو جو نکاح بعد میں ہوگا وہ فاسد ہوگا اور شوہر کیلئے ضروری ہوگا کہ وہ اس سے خود علیحدگی اختیار کر لے ورنہ قاضی کو معلوم ہونے کے بعد قاضی جبراً علیحدہ کر دے پھر یہ علیحدگی جماع سے قبل ہوئی ہے تو علیحدگی کے احکام (مہر عدت وغیرہ میں سے) کوئی حکم نافذ نہیں ہوگا اور اگر دخول کے بعد علیحدگی ہوئی ہے تو مہر مثل یا مہر متعینہ میں سے جس کی مقدار کم ہے وہ ملے گا اور اس پر عدت بھی واجب ہوگی اور بچہ پیدا ہو جائے تو اس (مرد) سے نسب بھی ثابت ہوگا اور اس شخص کو اپنی بیوی یعنی پہلی منکوحہ سے اس وقت تک علیحدہ رہنا ہوگا جب تک کہ اس کی بہن کی عدت پوری نہ ہو جائے۔[1]

اجنبیہ عورتوں کو جمع کرنے کا طریقہ

اجنبیہ کو جمع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ شریعت میں ایک آزاد مرد کیلئے بیک وقت چار سے زائد اور غلام کے لئے دو سے زیادہ عورت سے نکاح کرنا جائز نہیں بلکہ حرام ہے۔ ہاں بیک وقت آزاد مرد چار عورتوں سے نکاح کر سکتا ہے قرآن نے اس کی اجازت دی ہے۔

فَانْکِحُوْ مَا طَابَ لَکُمْ مِنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ[2]

اور حلال عورتوں میں سے جو تمہیں اچھی لگے نکاح کرلو دو دو، تین تین، چار چار عورتوں سے بیک وقت۔

توأم یعنی دو جڑی ہوئی عورت سے نکاح

ایسی عورت جو پیدائشی طور پر جڑی ہوئی ہو اس کو کسی ایک ہی شخص کے نکاح میں دینا جائز ہے یا نہیں تو سمجھئے کہ ایسی عورت کی اولاً تین صورتیں ہیں (ا) اول یہ کہ

[1] وان تزوجهما فی عقدتين فنكاح الاخيرة فاسد ويجب عليه ان يفارقها ولو علم القاضی بذلك يفرق بينهما فان فارقها قبل الدخول لا يثبت شئ من الاحكام وان فارقها بعد الدخول فلها المهر ويجب لاقل من المسمى ومن مهر المثل وعليها العدة ويثبت النسب ويعتزل عن امرأته حتى تنقضی عدة اختها (عالم گیری صفحہ ۲۷۷ تا ۲۷۸ جلد ۱ زکریا)

[2] سورة النسلء پارہ ٤ آیت ۳ رکوع ۱۲

اس کے تمام اعضاء جوڑے جوڑے نہ ہوں بلکہ بعض اعضاء جوڑے ہوں مگر جسم کا اہم حصہ ایک ہو مثلاً کمر سے سر تک پورا دھڑ اور پیشاب پائخانہ وغیرہ کا راستہ ایک اور باقی ہاتھ پیر چار چار ہوں تو خلقۃً یہ ایک ہے ایسی عورت کا نکاح کسی ایک ہی شخص سے کرنے میں کوئی اشکال نہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اس کا بدن دو اور تمام اعضاء جوڑے جوڑے ہوں صرف کسی ایک جانب اس قدر جڑا ہوا ہے کہ جان اور صحت کو بغیر خطرہ میں ڈالے ہوئے آپریشن وغیرہ کے ذریعہ علیحدہ کرنا ممکن ہو تو پھر کسی ایک ہی شخص کے نکاح میں اس کو دینا جمع بین الاختین کی صورت ہے جو نص قرآنی سے حرام ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ جسم خلقی طور سے اس قدر جڑے ہوئے ہیں کہ آپریشن وغیرہ کے ذریعہ بھی جدا کرنا ممکن نہ ہو بڑے بڑے ماہر سرجن اور ڈاکٹر اس سے عاجز ہوں تو پھر ایسی عورت کے نکاح کے سلسلے میں علماء کی مختلف آراء ہیں حضرت تھانوی نے عدم جواز کا فتوی دیا ہے[۱]

جبکہ جناب مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی کا خیال یہ ہے کہ عورت بغیر نکاح کے اپنی عصمت کی حفاظت نہیں کر سکتی گناہ میں پڑ جانے کا قوی اندیشہ ہے تو پھر استثناءً واستحساناً نکاح جائز ہونا چاہئے۔[۲]

راقم الحروف کو انہیں کی رائے پسند ہے۔ کیونکہ اس ترقی یافتہ سائنسی اور فن طب کی وسعت کے دور میں جان اور صحت کو بغیر خطرہ میں ڈالے علیحدہ کرنے سے جب ایسے ماہر فن تجربہ کار ڈاکٹر اور سرجن عاجز ہوں تو بظاہر یہ تو اُم خلقۃً ایک ہے۔ اس لئے ایسی عورت کا نکاح کسی ایک ہی شخص سے کر دینے میں ان شاء اللہ کوئی گناہ نہیں ہوگا۔

[۱] (امداد الفتاوی صفحہ ۲۳۸ جلد ۲) [۲] (جدید فقہی مسائل صفحہ ۱۶۱ جلد ۱)

حاملہ سے نکاح کرنا

عورت کا حمل اگر شوہر سے ہے اور شوہر نے اس کو طلاق دیدیا یا اس عورت کو چھوڑ کر وفات پا گیا تو ایسی حاملہ عورت سے نکاح اس وقت تک جائز نہیں ہوگا جب تک کہ وضع حمل نہ ہوجائے۔ کیونکہ حاملہ کی عدت حمل سے فراغت ہے اور درمیان عدت نکاح درست نہیں۔

اور اگر حمل زنا کی وجہ سے ہے تو پھر ایسی عورت سے نکاح درست ہے مگر وضع حمل تک ہمبستری ناجائز ہے۔ البتہ اگر نکاح کرنے والا خود زانی ہے تو اس کے لئے فوراً وطی کرنا بھی جائز ہے۔[1]

بعض حلال عورتیں جن سے نکاح کرنے میں غلط شبہ پایا جاتا ہے

مذکورہ محرمات کے علاوہ تمام عورتیں نکاح کے لئے حلال ہیں کیونکہ قرآن نے محرمات کو بیان کرنے کے بعد فرمایا ہے (وَاُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ [2]) کہ ان کے علاوہ تمام عورتیں تمہارے لئے حلال کردی گئی ہیں مگر بعض عورتیں ایسی ہیں کہ شرعاً ان سے نکاح جائز ہے مگر جہالت یا سماج میں کثرت سے ان عورتوں کیساتھ رشتۂ نکاح نہ ہونے کی وجہ سے لوگوں کو شبہ ہوگیا ہے کہ وہ بھی محرمات میں سے ہیں ہم یہاں چند مثالیں پیش کرتے ہیں۔

(۱) چچا خواہ حقیقی ہو یا علاتی یا اخیافی ان کی بیویاں محرمات میں سے نہیں ہیں چچا کے طلاق دینے یا ان کی وفات کے بعد ان کی بیویوں سے عدت کے بعد نکاح درست ہے۔ (۲) اسی طرح ماموں کی طلاق یا اس کی وفات کے بعد اس کی بیویوں سے عدت گزر جانے پر نکاح درست ہے۔ (۳) بھائی خواہ چھوٹا ہو یا بڑا ان کی بیوی

---

[1] صح نکاح حبلی من زنی لاحبلی من غیرہ ...... وان حرم وطؤھا ودواعیه حتی تضع ... لونکحھا الزانی حل له وطؤھا اتفاقا (درمختار) قوله حبلی من غیر الخ شمل الحبلی من نکاح صحیح او فاسد او وطء شبھة (شامی صفحه ۱۴۱ جلد۴)

[2] سورة النساء آیت ۲۴ پاره ۵ رکوع ۱

(یعنی بھابی اور بھاوج) سے بھائی کے طلاق دینے یا بھائی کی وفات کے بعد نکاح درست ہے۔(۴) بھتیجہ اور بھانجہ کی مطلقہ ومتوفی عنہا زوجہا سے بھی عدت کے بعد نکاح جائز ہے۔(۵) بھابی اور بھاوج کی اس لڑکی سے جوان کے بھائی کے علاوہ پہلے خاوند سے ہے نکاح صحیح ہے۔(۶) چچازاد، ماموں زاد، خالہ زاد بھائی بہن کی لڑکیوں سے بھی رشتہ نکاح جائز ہے۔(۷) سوتیلی ماں کی ماں اور اس کی حقیقی بہن اور اس کی اس لڑکی سے جو پہلے شوہر سے ہے نکاح جائز ہے نیز سوتیلی ماں کے لڑکے (جو پہلے شوہر سے ہے) کی لڑکی سے نکاح جائز ہے(۸) سوتیلے باپ کی لڑکی (جو اس کی ماں کے بطن سے نہیں) سے نکاح جائز ہے(۹) بیٹے کی بیوی کی ماں اور بیٹی کے شوہر کی ماں (یعنی سمدھن) سے نکاح جائز ہے(۱۰) بیوی کی سوتیلی ماں اور اس کی اس لڑکی سے جو پہلے شوہر سے ہے اپنایا اپنے اس لڑکے کا جو پہلی بیوی سے ہے نکاح کرسکتا ہے۔(۱۱) عورت اور اس کی سوتیلی ماں کو نکاح میں جمع کرنا جائز ہے۔(۱۲) بیوی کی حقیقی بہن یا اس کی بھتیجی اور بھانجی سے بیوی کو طلاق دینے یا اس کی وفات کے بعد نکاح درست ہے۔(۱۳) ایک بہن کی موجودگی میں دوسری بہن سے نکاح حرام ہے پہلی کی اولاد ثابت النسب اور دوسری کی اولاد ثابت النسب نہیں ہے مگر ان دونوں کی اولاد کا آپس میں نکاح جائز ہوگا کیونکہ یہ دونوں بھائی بہن نہیں ہیں مگر احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ نہ کیا جائے اور اگر دونوں بہنوں سے ایک ہی ساتھ نکاح کیا تو پھر دونوں کی اولاد ثابت النسب ہے ان اولاد کا آپس میں رشتہ نکاح جائز نہیں ہوگا۔(۱۴) بیوی کو وطی سے قبل طلاق دیدیا تو اس کی اس بیٹی سے نکاح جائز ہے جو پہلے شوہر سے ہے اگر طلاق سے قبل بیوی سے وطی کرلیا تو پھر اس کی بیٹی سے نکاح درست نہیں۔(۱۵) بیوی کے پہلے شوہر کی لڑکی (جو اس کے بطن سے نہیں ہے) سے علی الاطلاق نکاح جائز ہے خواہ اس بیوی سے وطی کیا ہو یا نہ کیا ہو۔(۱۶) بیوی کی حقیقی ماں سے نکاح مطلقا جائز نہیں خواہ بیوی سے جماع کیا ہو یا نہ کیا ہو(۱۷) اسی طرح باپ کی منکوحہ سے مطلقاً نکاح درست

نہیں خواہ باپ نے اس عورت سے جماع کیا ہو یا نہ کیا ہو (۱۸) بہنوئی کی بیٹی (جو اس کی بہن کے بطن سے نہیں ہے) سے نکاح جائز ہے (۱۹) مخطوبہ (یعنی جس سے صرف منگنی ہوئی ہے) کی ماں بیٹی وغیرہ سے نکاح جائز ہے (۲۰) زانی سے زانیہ کا نکاح درست ہے (۲۱) زانی کی اولاد (جو اس کی منکوحہ سے ہے) کا نکاح مزنیہ کی اولاد (جو اس زانی کے نطفہ سے نہیں ہے) سے جائز ہے[۱]

ہر مذہب میں چند بیویاں رکھنے کی عام اجازت

ایک مرد کیلئے چند بیویاں مذہب اسلام ہی میں نہیں بلکہ تقریباً تمام ادیان وملل میں روا ہے حتیٰ کہ انبیاء علیہم السلام بھی اس دستور پر عمل پیرا ہیں چنانچہ حضرت ابراہیمؑ کی دو دو بیویاں تھیں اور حضرت اسحاقؑ وحضرت موسیٰؑ کی بھی کئی بیویاں منقول ہیں حضرت سلیمانؑ کی بیسوں بیویاں تھیں حضرت داؤدؑ کو تو سو ازواج بیک وقت موجود تھیں ان کے علاوہ توریت انجیل اور دیگر صحف انبیاء میں حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی متعدد ازواج کا تذکرہ ملتا ہے کہیں بھی تعدد ازدواج کی ممانعت کا ادنیٰ سا اشارہ بھی نہیں یہی وجہ ہے کہ عرب، ہندوستان، ایران، مصر، بابل وغیرہ ممالک کی ہر قوم میں کثرت ازدواج کی رسم جاری تھی۔ اسی طرح پادری نکسن اور جان ملٹن وغیرہ نے پرزور الفاظ میں اس کی تائید کی ہے۔

اور ویدک تعلیم میں غیر محدود دس دس، تیرہ تیرہ اور ستائیس تک بیویوں کی اجازت دی ہے چنانچہ کرشن جو ہندوؤں میں واجب التعظیم، اوتار مانے جاتے ہیں ان کی سینکڑوں بیویاں تھیں لہٰذا جو مذہب اور قانون عفت وعصمت کو باقی اور اپنے آپ کو زنا وغیرہ جیسے مہلک اور گھناؤنے معاشرے سے پاک رکھنا چاہے گا تو اس کے لئے تعدد ازدواج کی اجازت دیئے بغیر کوئی چارہ نہیں کیونکہ جس قوم اور جس ملک میں تعدد

---

[۱] یہ تمام مسائل فتاوی شامی، فتاوی عالم گیری، امداد الفتاوی، فتاوی دارالعلوم، فتاوی محمودیہ فتاوی رحیمیہ وغیرہ کتب فقہ وفتاوی کے متفرق اوراق منتشر جزئیات کا خلاصہ ھے۔

ازدواج پر پابندی ہے وہاں کا مشاہدہ ہے کہ کھلے طور سے بے محابہ زنا کا صدور کثرت سے وہیں ہو رہا ہے اس کے علاوہ بہت سارے نقصانات کا سامنا کر کے انہیں شرمندہ ہونا پڑ رہا ہے جبکہ چند بیویوں کی اجازت دینے میں ان تمام فتنہ وفساد کے انسداد کیساتھ بہت سارے فوائداور مصلحتیں ہیں۔

تعدد ازدواج کی حکمتیں وفوائد

یہ بات نا قابل انکار حقیقت ہے کہ اللہ رب العزت کے تمام احکام وقوانین کی حکمتوں اور مصلحتوں کا پتہ لگالینا عقل انسانی کی دسترس سے باہر ہے اسی وجہ سے انسان کو حکمتیں اور مصلحتیں معلوم کئے بغیر احکامات پر عمل کرنے کا مکلّف بنایا گیا ہے یہی ایمان اور بندگیٔ تام کا تقاضا ہے لیکن سلف اور خلف سے احکام کے مصالح بیان کرنے کا کم وبیش معمول چلا آرہا ہے اس لئے چند مصلحتیں اور فوائد کے بیان کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں مگر کوئی ضروری نہیں ہے کہ جو حکمتیں بیان کی جائیں وہی اس حکم کے مشروع ہونے کے اسباب ہوں۔ (وہ چند فوائد یہ ہیں)

پہلا فائدہ اور حکمت

تحصین فرج اور حفاظت نظر تعدد ازدواج کا سب سے بڑا فائدہ ہے۔ اس لئے کہ قدرت نے بعض آدمی کو ایسا قوی، تندرست ہونے کے ساتھ مالی اعتبار سے اتنا خوشحال اور فارغ البال بنایا ہے کہ ان کے لئے ایک بیوی کافی نہیں ہوسکتی ہے کبھی اتفاقی طور سے کسی شادی شدہ مرد کو کسی غیر منکوحہ عورت سے بہت زیادہ تعلق پیدا ہو جاتا ہے اور عورت کی طرف سے بھی مثبت ردعمل ظاہر ہوتا ہے اب اگر اس خواہش کی تکمیل کیلئے نکاح ثانی کی اجازت نہ دی جائے تو زنا جیسے شرمناک جرم میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہے یہ اس شخص کے حق میں ظلم ہوگا جو طاقت وقدرت کیساتھ مالی اعتبار سے بھی چند بیویوں کے حقوق ادا کرسکتا ہو۔ اوران کی ہر خواہش کو پوری کرسکتا ہو بلکہ ایسے قوی اور

توانا اور لاکھوں اور کروڑوں روپئے کی مالیت کے مالک شخص کا اپنے یا غیر خاندان کی چار غریب عورتوں سے جو تنگدستی اور فقر وافلاس اور محتاجگی کی زندگی بسر کر رہی ہیں نکاح کر کے ان کو خوشحالی میں تبدیل کرنا حقیقت میں مرجھائی ہوئی زندگی کو دوبالا کرنا ہے کیونکہ جب اتنے مزدور پرورش پاتے ہوں تو یہ بیچاری بھی ان کی زوجیت میں آ کر اپنے دامن عفت کو محفوظ کر کے ہمیشہ ہمیش کی عزت کی زندگی بسر کرے تو یقیناً یہ نکاح عبادت اور اعلیٰ ترین ہمدردی کا ثبوت ہوگا۔

دوسرا فائدہ اور حکمت

اسی طرح عورت کی عمر ہر وقت اس قابل نہیں رہتی کہ خاوند سے ہم بستر ہو سکے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہر ماہ کم سے کم تین روز اور زیادہ سے زیادہ دس روز حیض کے ایام میں لازمی طور سے شوہر کو پرہیز کرنا پڑتا ہے۔ تیسرے یہ کہ ایام حمل میں بھی جماع سے پرہیز عین حکمت ہے تا کہ جنین (پیٹ کے اندر کا بچہ) کی صحت پر کوئی اثر نہ پڑے۔ چوتھے یہ کہ بعض عورت امراض جسمانی اور توالد وتناسل کی تکلیف میں مبتلا ہونے کی وجہ سے اس قابل نہیں رہتی کہ اس سے جماع کیا جائے اور اس سے فائدہ اٹھایا جائے تو ایسی صورت حال میں مرد کے زنا سے محفوظ رہنے کی عقلاً اس سے بہتر کیا صورت ہوگی کہ اس کو نکاح ثانی کی اجازت دیدی جائے ورنہ مرد خواہشات کی تکمیل کیلئے ناجائز ذرائع استعمال کرنے پر مجبور ہوگا۔

تیسرا فائدہ اور حکمت

مشاہدہ اور مردم شماری کے نقوش سے معلوم ہوتا ہے کہ مرد کی بنسبت عورتوں کی تعداد زیادہ ہے اور قیامت کے قریب عورتوں کی کثرت بلکہ اکثریت کی حدیث میں پیش گوئی جلد ہی صادق ہوتی نظر آ رہی ہے کہ مرد کم اور عورتیں زیادہ پیدا ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ لاکھوں مرد لڑائیوں میں مارے بھی جاتے ہیں ہزاروں مرد گاڑیوں میں

ایکسیڈینٹ کا شکار ہو کر ختم ہو رہے ہیں تو عورتیں پیدا زیادہ ہو رہی ہیں اور مرتی کم ہیں تو ان کی تعداد مرد کے مقابلے میں کیوں نہ زیادہ ہو خصوصا یورپ میں تو عورتوں کی تعداد مرد سے کئی گنا زیادہ ہے چنانچہ برطانیہ کلاں میں بوئروں کی جنگ سے پہلے بارہ لاکھ انہتر ہزار تین سو پچاس ۱۲۶۹۳۵۰ عورتیں ایسی تھیں کہ ایک بیوی والے قاعدے کے تحت کوئی مرد ان کے یہاں نہیں تھا کہ جس سے ان عورتوں کا نکاح ہو سکے اسی طرح فرانس میں ۱۹۰۰ء کی مردم شماری میں عورتوں کی تعداد مرد کے مقابلے میں چار لاکھ تیس ہزار سات سو نو ۴۳۳۷۰۹ زیادہ تھی۔ جرمنی میں ۱۹۰۰ء کی مردم شماری میں ہر ہزار مرد کیلئے ایک ہزار بتیس ۱۰۳۲ عورتیں موجود تھیں گویا کل آبادی میں آٹھ لاکھ ستاسی ہزار چھ سو اڑتالیس ۸۸۷۶۴۸ عورتیں ایسی تھیں جن سے شادی کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ سوئیڈان میں ۱۹۰۱ء کی مردم شماری میں ایک لاکھ بائیس ہزار آٹھ سو ستر۔ ۱۲۲۸۷۰ اور ہسپانیہ میں ۱۸۹۰ء کی مردم شماری میں چھ لاکھ چوالیس ہزار سات سو چھیانوے ۶۴۴۷۹۶ عورتیں مردوں سے زیادہ تھیں یہ ان ممالک کی بات ہے جہاں بہت پہلے سے ہم دو ہمارے دو کا نعرہ ہے۔ اور آج بھی کسی کو شک ہے تو عورتوں کی تعداد کو سرکاری کاغذات مردم شماری ہندو بیرون ہند میں ملاحظہ کرلے کہ عورتوں کی تعداد مردوں کے مقابلے میں لاکھوں زیادہ ہے کہ نہیں اب ہم سوال کرتے ہیں کہ کم از کم چالیس پچاس لاکھ عورتوں کیلئے کونسا قانون تجویز کیا جائے یورپ میں تو ایک بیوی کے قانون کی رو سے خاوند نہیں مل سکتا تو اب ان لاکھوں عورتوں کو یوں کہنا چاہئے کہ وہ اپنی فطرت کے خلاف چلیں اور ان کے دلوں میں مردوں کی کبھی خواہش ہی پیدا نہ ہو مگر یہ امر ناممکن ہے اب اگر متعدد شادیوں کی اجازت نہ دی جائے تو یہ زائد عورتیں معطل ہو کر رہ جائیں گی اسلام میں مرد کو متعدد شادیوں کی اجازت دینا بے کس عورتوں کا سہارا ہے اور ان کی عصمت کی حفاظت کا واحد ذریعہ ہے۔ عورتوں پر اسلام کے اس احسان کا شکر واجب ہے کہ تم کو خداوند قدوس نے تکلیف سے بچایا اور ٹھکانا دیکر راحت پہنچائی۔

چوتھا فائدہ اور حکمت

بیوہ، مطلقہ اور بد صورت ناچار اور اسی طرح کی وہ عورتیں جن کا عقد موجودہ زمانہ میں ایک مشکل مسئلہ بن گیا ہے ان عورتوں کو کوئی کنوارا لڑکا اٹھانا نہیں چاہتا تو ان کی شادی ایسے مردوں سے ہو جانا نسبتاً آسان ہے جن کے یہاں پہلے سے بیوی ہو کیونکہ عقد ثانی کے وقت مرد وہ شرط اور مانگ نہیں کرتا جو عقد اوّل کے وقت کرتا ہے اور عقد ثانی کے وقت اس کا عورتوں کو پسند کرنیکا معیار پہلے کی بنسبت پست ہو جاتا ہے کسی معقول وجہ سے وہ عقد ثانی کا خواہاں اور ضرورت مند ہوتا ہے اس طرح ایک اہم اور مشکل معاملہ کا حل عقد ثانی کی صورت میں نکلتا ہے۔

پانچواں فائدہ اور حکمت

اسی طرح بسا اوقات عورت مستقل بیماری یا عقیم (بانجھ) ہونے کی وجہ سے بچے جننے کی قدرت نہیں رکھتی اور مرد کو بقاء نسل اور اولاد کی ضرورت و رغبت ہے تو ایسی صورت میں اس عورت کو بلا وجہ طلاق دیکر علیحدہ کر دینے یا کوئی الزام تھوپ کر برطرف کر دینے سے بہتر یہ ہے کہ اسکو زوجیت میں باقی رکھتے ہوئے شوہر اپنی نسل کی ضرورت کیلئے دوسرا نکاح کر لے یا اسی طرح ایک مرد کو کثرت اولاد کی ضرورت اور اپنی تعداد بڑھانی مقصود ہو تو اس کے لئے یہی صورت ہے کہ کئی کئی بیویاں کرے۔

چھٹا فائدہ اور حکمت

بسا اوقات زوجین کے مابین تعلقات ناخوشگوار ہو جاتے ہیں اور صحیح طور سے نباہ نہیں ہو پاتا دونوں کا مزاج نہیں ملتا اور خاندانی دباؤ یا لوگوں میں بدنامی کی وجہ سے یا کسی اور مصلحت سے مرد اپنی بیوی کو طلاق بھی نہیں دیتا اور عورت بھی طلاق کو ناگوار سمجھتی ہے اور شوہر اس عورت سے اپنی خواہش اور زوجیت کا عملی تعلق قائم کرنے پر آمادہ نہیں تو اس طرح پیچیدہ صورت میں شوہر کیلئے نکاح ثانی کے علاوہ کوئی صورت

خواہش کی تکمیل اور اپنی زندگی خوشگوار بنانیکی نہیں ہوسکتی۔

چند بیویوں کی اجازت پر کی جانے والی تنقیدات کا دفاع

مگر افسوس کہ اس جائز اور سراپا مصلحت آمیز اور بے شمار فوائد پر مشتمل تعدد ازدواج پر یورپ اور اہل مغرب کی طرف سے عیش پسندی کا الزام ہے اور وہ اس قانون کو ظالمانہ قانون کا نام دیتے بھی نہیں شرماتے اور ہمارے بعض مسلم افراد کی شخصی غلطی بھی طعنہ زنی کا موقع دے رہی ہے۔

چند بیویاں رکھنے کو تو ایک طرف ہدف ملامت اور خلاف تہذیب سمجھا جارہا ہے مگر دوسری طرف بلا نکاح کے لاتعداد آشنائی اور میل ملاپ و زنا، بدکاری جو تمام انبیاءؑ و مرسلینؑ کی شریعت اور ہر مذہب وقوم میں حرام ہے اسکو مدعیان تہذیب خلاف تہذیب نہیں سمجھتے۔ جو تعدد ازدواج کے منکر ہیں وہ اپنے دامن میں جھانک کر دیکھیں تو ذرا کہ وہ زبانی طور سے پاک اور عملی طور سے ناپاک عمل زنا کاری وغیرہ میں مبتلا ہیں کہ نہیں ان کی خواہشوں نے یہ ثابت کردیا ہے کہ فطرت میں تعدد اور تنوع کی آرزو موجود ہے۔ ان کو سوچنا چاہئے کہ خداوند علیم وحکیم نے انسانوں کی وسیع خواہشوں اور اندرونی میلانوں کی رعایت فرما کر ان کے لئے ایسا قانون تجویز فرمایا ہے کہ مختلف جذبات اور دلی طبائع کو بھی عفت اور تقوی وطہارت کے دائرے میں محدود رکھ سکے۔

تعدد ازدواج میں شرعی پابندیاں

عام طور سے ناواقف لوگوں میں پروپگنڈہ کرنے والوں نے یہ بھی مشہور کر رکھا ہے کہ مسلمانوں کے مذہب میں کئی بیویاں کرنا ہر ایک کیلئے ضروری اور لازمی ہے کم سے کم بہت ہی ثواب کی چیز ہے حالانکہ شرعی قوانین سے تھوڑی سی مناسبت رکھنے والا طالب علم بھی یہ بات جانتا ہے کہ شریعت نے صرف تعدد ازدواج کی اجازت دی ہے یا زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ بعض مفسرین نے آیت کے سیاق سے صرف دو کا

استحباب اور چار کا جواز بیان کیا ہے اسکے ساتھ یہ بھی پابندی لگادی ہے کہ۔ چار عورتوں سے زیادہ عورتوں کو ایک ساتھ نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔ چنانچہ قرآن صاف لفظوں میں کہتا ہے:

فَانْكِحُوْا مَاطَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَنْ لَّاتَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً۔[1]

اور حلال عورتوں میں سے جو تمہیں اچھی لگے نکاح کرلو دو دو، تین تین، چار چار عورتوں سے پھر اگر تم ڈرو کہ ان میں انصاف نہ کرسکو گے تو ایک پر بس کرو۔

اس سے معلوم ہوا کہ کسی مصلحت کی وجہ سے چار عورتوں سے بیک وقت نکاح کیا جاسکتا ہے مگر ان تمام بیویوں کے درمیان عدل وانصاف اور مساوات و برابری کا معاملہ کرنا واجب ہے حتی کہ رات گزارنے میں بھی باری مقرر کرنیکا حکم دیا گیا ہے۔ اگر عدل ومساوات کی طاقت نہیں ہے تو پھر ایک ہی نکاح پر بس کرو بغیر عدل و برابری کے ایک بیوی کی طرف جھک پڑنا گناہ اور قابل مواخذہ گردانا گیا ہے۔ حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا:

(اذا کانت عندالرجل امرأتان فلم یعدل بینهما جاء یوم القیامة و شقه ساقط)[2]

کہ قیامت کے دن دو بیویوں کے درمیان عدل نہ کرنے والا اس حال میں آئے گا کہ اس کا ایک پہلو لٹکا ہوا ہوگا (یعنی زبان حال سے ظلم کی داستان سنا رہا ہوگا اور اس شخص کی رسوائی وذلت کا تماشہ ہر ایک دیکھ رہا ہوگا)

اس سے معلوم ہوا کہ تمام بیویوں کے درمیان برابری کرنا فرض ہے اور اس میں کنواری شوہر رسیدہ بوڑھی جوان قدیمہ جدیدہ غرض ہر طرح کی بیویاں برابر ہیں تو برتاؤ بھی سب کیساتھ برابر ہونا چاہئے اگر کسی سے تعلق قطع رکھے گا تو شرعاً مجرم ہوگا۔

[1] سورۃ النساء آیت ۳ [2] (ترمذی صفحہ ۲۱۷ جلد ۱)

مظلوم بیوی کو علیحدگی کا اختیار دیا گیا ہے

بیویوں کے درمیان صرف ضروری مساوات ہی نہیں رکھی گئی بلکہ کسی ایک پر ظلم کیا تو مظلوم بیوی کو شریعت نے یہ حق دیا ہے کہ وہ شوہر سے چھٹکارا کیلئے اپنا معاملہ قاضی شریعت کے پاس پیش کردے قاضی معاملات کی تحقیق کرنے کے بعد نکاح کو منسوخ کردیگا۔

اگر بیوی زوجیت میں رہتے ہوئے اپنا حق معاف کردے

اگر کوئی شخص دوسری شادی کرتے وقت یا شادی کے بعد بیوی سے یہ فیصلہ کرلیتا ہے کہ میں تمہارے حقوق ادا کرنے سے قاصر ہوں اگر تم چاہو تو میں تم کو طلاق دیدوں یا نہیں تو زوجیت میں رہتے ہوئے اپنا حق معاف کردو اگر بیوی اس پر راضی ہوگئی تو شوہر کیلئے جائز ہوگا کہ صرف نان ونفقہ ادا کرنے کے سوا ان کے ساتھ شب باشی نہ کرے تو کوئی گناہ نہیں ہوگا مگر پھر بھی جہاں تک ممکن ہو سکے اس کے حقوق زوجیت ادا کرنے کی کوشش کرے اگرچہ اس نے معاف کردیا کیونکہ دوسری بیوی کے پاس جاتے ہوئے اس کے دل کو ٹھیس پہنچے گی۔[۱]

ایک بیوی پر اکتفا کرنے میں عافیت ہے

عورت میں قساوت قلبی اور لڑائی جھگڑا کا مادّہ زیادہ ہوتا ہے اور عورتوں کی طبیعت کمزور ہوتی ہے اور گھریلو جھگڑا لڑائی سے آدمی کی زندگی اجیرن بن کر رہ جاتی ہے اس لئے عافیت اسی میں ہے کہ دوسری شادی حتی الوسع نہ کی جائے۔[۲]

عورتوں کو چند شوہر کرنے کی اجازت نہ دینا عین حکمت ہے

اہل یورپ کی یہ بھی مضحکہ خیز دلیل ہے کہ جب عورت کو تعدد نکاح کی

---

[۱] آپ کے مسائل اوران کا حل صفحہ ۱۸۴ جلد ۵ [۲] (آپ کے مسائل اوران کا حل صفحہ ۱۴۱ جلد ۵)

اجازت نہیں تو مرد کو بھی اجازت نہیں ہونی چاہئے مرد کوئی بیویاں کرنے کی اجازت دینا اور عورتوں کو اس سے منع کرنا مساوات کے خلاف ہے حالانکہ کوئی بھی عقل سلیم رکھنے والا انسان اس کا فیصلہ خود کر سکتا ہے کہ جس عورت کے چند شوہر ہوں تو وہ عورت کس کی راز دار اور کس کی اہلیہ بن سکے گی کون شوہر اس اشتراک کی صورت میں اس کے نان ونفقہ اور اس کے بچے کی پرورش کا ذمہ دار ہوگا اگر سب تیار ہو جائیں تو وجوہ ترجیح کیا ہوگی اگر کسی ایک کو ترجیح دیدی تو پھر آپس میں فساد برپا ہوگا۔

علامہ ابن قیمؒ نے اپنے ایک بیان میں بہت اچھے انداز میں فرمایا کہ اللہ تعالی نے مرد کیلئے چار عورتوں سے نکاح جائز رکھا ہے عورت کیلئے چار مردوں سے نہیں اس میں پروردگار عالم کی بہت ساری حکمتیں ہیں۔ اگر عورتوں کو دو یا زیادہ شوہر کے پاس بیک وقت رہنے کی اجازت دیدی جاتی تو عالم میں فساد برپا ہوتا اور نسب تو ضائع ہو کر ہی رہ جاتا بلکہ دونوں شوہر آپس میں لڑتے یہاں تک کہ قتل وغارت گری تک کی نوبت آتی اور ایسی عورت کہ جس کے کئی برابر کے شریک حقدار ہوں کیسے سکھ سے رہ سکتی اور وہ شرکاء بھی کب چین سے زندگی گزار سکتے اگر یہ کہا جائے کہ مرد کی خواہشات کا احترام تو کیا گیا کہ اسے ایک سے زائد عورتوں سے لطف اندوز ہونے کی اجازت دیدی گئی مگر عورت کو نہیں دی گئی حالانکہ دونوں میں خواہش اور جذبہ یکساں ہوتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ عورت کا مزاج نسبۃً سرد ہوتا ہے اسلئے اس کی ظاہری وباطنی حرکات بھی مرد کے مقابلہ میں کم ہوتی ہیں اس کے برخلاف مرد میں قوت اور حرارت دونوں زیادہ ہوتی ہیں اس لئے اس کو چند بیویاں رکھنے کی اجازت دی گئی عورتوں کو چند کیساتھ رہنے کی اجازت نہ دی گئی اور اسی قوت وصلاحیت کی بناء پر مردوں کو عورتوں پر نگراں اور متکفل بھی بنایا گیا چنانچہ وہ اپنی بیویوں کی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے بسا اوقات خطرات

تک مول لے لیتا ہے اور بڑی بڑی مشقتیں برداشت کرتا ہے اس لئے حلیم وشکور خدا نے اسکو یہ رعایت دی ہے تاکہ اس کی محنت ومشقت کا صلہ کچھ تو زائد ملے رہا کسی کا یہ کہنا کہ عورت میں مرد کے بالمقابل زیادہ خواہش ہوتی ہے وہ خلاف واقعہ ہے بھلا مردوں اور عورتوں کا کیا مقابلہ ہاں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ عورتیں فارغ ہونے اور نفقہ کی ذمہ داری نہ ہونے کی وجہ سے یا بعض دوسری کمزوریوں کی وجہ سے جذبات کا شکار ہوجاتی ہیں اور اپنے نفس پر قابو نہیں رکھ پاتی ہیں اس لئے سطحی نظر رکھنے والے غلط فہمی میں مبتلا ہوجاتے ہیں [1]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد نکاح کی حکمتیں

پہلی حکمت:

اصل حکمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد نکاح کرنے کی یہ ہے کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد پوری انسانیت کیلئے ہدایت ہے اور آپ نے دنیا میں تشریف لاکر دین متین کو مکمل فرمایا اور ایک مکمل قانون اور دستور العمل یعنی قرآن لیکر آئے جس میں مکمل نظام عمل ہے اس کے بعد کسی قانون کی ضرورت نہیں لیکن محض قانون لوگوں کی اصلاح کیلئے کافی نہیں ہوسکتا ہے جب تک کوئی عملی نمونہ لوگوں کے سامنے نہ ہو کہ لوگ اس نمونہ کو دیکھ کر ویسا ہی عمل کرسکیں اسی لئے خود قرآن نے اس نمونہ کیطرف رہنمائی کرتے ہوئے فرمایا کہ نمونہ کسی اور جگہ تلاش کرنے کی ضرورت نہیں (**لقد کان لکم فی رسول الله اسوة حسنة**) خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں تمہارے لئے ایک بہترین نمونۂ عمل موجود ہے اسی کی پیروی کرو اسی میں کامیابی ہے۔

اب دیکھا جاتا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی کے دو پہلو ہیں (۱) ایک

---

[1] (اعلام الموقعین) صفحہ ٥ – ١٠٤ جلد ٢ ملخوذ معاشرتی مسائل

باہر کی زندگی (۲) دوسرے گھر کے اندر کی عائلی زندگی حضور ﷺ کے عملی حالات کا صحیح اندازہ کرنے کے لئے ضروری تھا کہ آپؐ کے دونوں رخوں کے حالات لوگوں کے سامنے ظاہر کئے جائیں تا کہ پورے طور سے امت عمل پیرا ہو سکے۔تو بیرونی زندگی کے حالات کو حضرات صحابہ کرامؓ کی جماعت نے اس کمال ودیانت کے ساتھ کما حقہ دنیا کو پہونچایا کہ اس کی نظیر کسی ملت ومذہب میں نہیں مل سکتی۔کسی امت نے اپنے نبی علیہ السلام کی زندگی کے حالات کو اس تفصیل وتحقیق وتدقیق کیساتھ تو کیا اس کا عشر عشیر بھی پیش نہیں کیا۔اور دوسری خانگی زندگی جس میں آپ کی عبادت تہجد شب بیداری اور فقیری ودرویشی، اخلاقی وعملی کردار کے عام حالات پوشیدہ رازرات کی تاریکیوں میں عبادت کا ذوق وشوق، سونا اور جاگنا اور اہل وعیال کیساتھ رہنے کا طریقہ، حسن سلوک، خدا ترسی اور راست بازی وغیرہ اتنے بڑے خزانہ علم کی کما حقہ حفاظت اور پھر اس کی روایات کیلئے ایک کثیر جماعت کی ضرورت تھی کثیر جماعت کی روایت کے بعد کسی قسم کے شبہ کی گنجائش نہیں رہتی لیکن وہ عام لوگوں کا کام نہیں تھا بلکہ ایسی جماعت کی ضرورت تھی جو اندرونی حالات سے بالکل واقف اور صاحب حالات کے رازداں ہوں وہ بیویوں کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں ہوسکتا کیونکہ رات کی تاریکیوں میں جبکہ عالم الغیب کے علاوہ کوئی دوسرا حالات کا معائنہ نہیں کرسکتا سوائے بیویوں کے کہ وہ اس وقت کی بھی رازداں ہوتی ہیں اس لئے حضورؐ نے متعدد نکاح کیا تا کہ آپ ﷺ کی پوری خانگی اور گھریلو حالات نہایت وثوق واعتماد کے ساتھ دنیا کے سامنے آجائیں بہت سارے شرعی وہ احکام جو عورتوں سے متعلق تھے مردوں سے بیان کرنے میں حیا وحجاب معلوم ہوتا تھا ان احکام شرعیہ کی تبلیغ ازواج مطہرات ہی کے ذریعہ ہوسکتی تھی بس یہی مقصد تھا حضورؐ کے تعدد ازدواج کا ورنہ اسکے علاوہ (نعوذ باللہ) کوئی حظِ نفس اور خواہشات کے ہیجان میں مبتلا ہو کر زیادہ عورتوں کو جمع نہیں فرمایا یہی تو وجہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کے

علاوہ آپ کی بقیہ تمام ازواج مطہراتؓ پہلے سے بیوہ یا مطلقہ تھیں جو نہ اپنے حسن و جمال اور مال و دولت کی وجہ سے مشہور تھیں اور نہ آپؐ کے یہاں عیش وعشرت کا کوئی سامان تھا اگر لذات وخواہشات پر عمل کرتے تو صرف نو ۹ بیویوں پر اکتفا نہ فرماتے۔ کیونکہ روایت میں آتا ہے کہ صحابہ نے آپؐ کے اندر تیس ۳۰ مردوں اور بعض روایت میں ہے کہ چالیس ۴۰ مردوں کی قوت کا اندازہ کیا جب ایک مرد کے اندر چار عورت کی قوت کی وجہ سے چار عورتوں سے نکاح کی اجازت دی گئی ہے تو پھر اس اعتبار سے آپؐ کے اندر ایک سو بیس یا ایک سو چالیس عورت کی قوت تھی بلکہ اس سے بھی آگے ابو نعیم نے شرح شفا میں نقل کیا ہے کہ چالیس ۴۰ جنتی مردوں کی قوت آپؐ کے اندر موجود تھی اور ایک جنتی مرد کو دنیا کے سو مردوں کے برابر طاقت ہوگی تو اس اعتبار سے آپؐ کے اندر چار ہزار مردوں کی قوت بیک وقت موجود تھی اسکے باوجود صرف نو بیویوں پر اکتفا خواہش نفس نہیں بلکہ کمال صبر اور کمال زہد تھا پچیس سال کی عمر میں چالیس سالہ بیوہ اور بڑھیا عورت سے بھلا کون کنوارا جوان نکاح کرسکتا ہے بس جناب آقا علیہ کا مقصد پوری امت مسلمہ کو ازواج مطہراتؓ کے ذریعہ سے دین پہنچانا تھا درحقیقت امہات المؤمنینؓ کے مکانات مسلمانوں کی ماؤں اور بہنوں کیلئے گویا درس گاہیں تھیں جن سے تمام صحابیاتؓ فیض یاب ہوئی ہیں بسا اوقات صحابہؓ کو بھی کوئی مشکل مسئلہ درپیش ہوتا تو وہ بھی ازواج مطہراتؓ کی طرف رجوع کرتے تھے بہت سی روایات وآثار اس پر شاہد ہیں۔[1]

دوسری حکمت:

دوسری حکمت حضورؐ کے نکاح میں یہ تھی کہ امت چند بیویوں کے درمیان برتاؤ کرنے کا طریقہ سیکھے اگر آپؐ متعدد نکاح نہ کرتے اور صرف حقوق ادا کرنے اور بیویوں کے مابین مساوات قائم کرنے کی تعلیم دینے پر اکتفا فرماتے تو لوگوں پر اتنا اثر نہیں پڑتا

[1] مستفاد فتاوی رحیمیہ واشرف الجواب)

بلکہ کسی کو شبہ ہوسکتا تھا کہ حضور علیہ السلام تو خود متعدد نکاح کئے نہیں اور عورتوں کے اتنے حقوق اور مساوات کی اتنی رعایت جو باریک سے باریک تر ہے بیان کر دینے پر اکتفا فرما کر چلے گئے اگر آپ علیہ السلام بھی خود متعدد نکاح کرتے تو معاذ اللہ اس پر عمل پیرا نہیں ہو سکتے۔ مگر اب کسی کو اشکال کرنے کا حق نہیں رہا کیونکہ حضور علیہ السلام نے امت سے زیادہ بیویاں کر کے ان تمام کے حقوق کو اس خوبی کیساتھ ادا فرما گئے کہ کوئی نظیر نہیں پیش کر سکتا۔

تیسری حکمت:

یہ بھی بتائی جاتی ہے کہ حضور علیہ السلام نے چند نکاح کر کے امت کو یہ بتلا دیا کہ جن کے پاس چند بیویاں ہوں اور ان میں سے کسی ایک کی طرف غیر اختیاری طور سے میلان زیادہ ہو تو بھی اپنی طرف سے کوئی بات ایسی نہ کرے جس سے ایک کی ترجیح دوسرے پر ظاہر ہو رہی ہو بلکہ امور اختیاریہ میں برابری اور عدل کا خیال پورا رکھے اور آپؐ نے صرف زبانی طور پر نہیں فرمایا بلکہ عملاً کر کے دکھلا دیا کہ حضرت عائشہؓ کی طرف دلی میلان زیادہ تھا مگر تمام ازواجؓ کے مابین عدل اور مساوات میں فرق نہیں آنے دیا اور حضرت عائشہؓ کی طرف دلی میلان کی وجہ سے اللہ کی طرف عذر و معذرت کر کے فرمایا:

اللھم ھذہ قسمتی فیما املک فلا تلمنی فیما تملک ولا املک [1]

کہ اے اللہ رب العزت جتنا میرے بس میں تھا میں نے مساوات برتا بس مجھے اس بات میں مؤاخذہ نہ کرنا جس پر مجھے قدرت نہیں ہے۔

حضرت عائشہؓ کی طرف قلبی میلان کی وجوہ

پہلی وجہ:

دلی میلان کا عائشہؓ کی طرف ہونا یہ قدرتی فیصلہ تھا کیونکہ خداوند قدوس بھی

---

[1] (ترمذی شریف صفحہ ۲۱۷ جلد۱

حضرت عائشہؓ سے محبت کرتے ہیں اسلئے حضور ﷺ کے دل کو بھی مائل کردیا تھا تاکہ آپ ﷺ بھی ان سے محبت کرنے لگیں یہی وجہ تھی کہ عائشہؓ کے نکاح سے قبل حضرت عائشہؓ کی تصویر کو فرشتے کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ایک حریر میں بند کرکے آپؐ کے پاس بھیج دیا تھا آپؐ نے جب اس کو کھولا تو عائشہؓ کی تصویر تھی یہ معاملہ کسی اور بیوی کیساتھ نہیں کیا گیا۔[1]

دوسری وجہ:

یہ تھی کہ کسی بیوی کے بستر اور کپڑے میں سوتے ہوئے وحی نہیں اترتی تھی سوائے حضرت عائشہؓ کے کہ ان کے ساتھ آپ ﷺ لحاف میں بھی ہوتے تھے تو بلا تکلف وحی کا سلسلہ جاری ہوجاتا تھا۔[2]

تیسری وجہ:

ان وجوہات کیساتھ سونے پر سہاگہ یہ تھا کہ عائشہؓ کو قدرتی طور سے وہ ذہانت وفقاہت اور حسن سیرت حاصل تھی جو تمام بیویوں سے برتر تھی انہیں وجوہات کی بنا پر حضورؐ کو حضرت عائشہؓ سے فطری محبت زیادہ تھی۔ مگر سوائے قلبی محبت کے ظاہری برتاؤ سب کیساتھ برابر تھا۔

آنحضرت ﷺ کی خوشگوار زندگی کے اپنی بیویوں کیساتھ چند واقعے

آنحضرت ﷺ اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ ایک پر مسرت اور خوشگوار زندگی گزارتے تھے اور اپنی بیویوں کے حق میں انتہائی مہربان اور ہنس مکھ تھے اور ان کے مزاج اور عمر کا لحاظ فرما کر ان کے تقاضے کو پورا کرتے تھے چنانچہ روایت میں آتا ہے کہ حضرت عائشہؓ سے نکاح کے وقت آپ کی عمر پچاس سال سے زیادہ تھی اور عائشہؓ نو

---

[1] مسلم شریف صفحہ ۲۸۵ جلد ۲ [2] بخاری شریف صفحہ ۵۳۲ جلد ۱ باب فضل عائشہ

سال کی بچی تھیں میاں بیوی کی عمر میں بظاہر کوئی جوڑ نہیں تھا مگر حضور ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے برتاؤ ایسا ہی کیا جیسا کہ ان کی عمر کا تقاضا تھا یہاں چند واقعے بطور نمونہ کے نقل کئے جاتے ہیں۔[۱]

پہلا واقعہ:

ایک مرتبہ مسجد کے قریب عید کے دن حبشی لڑکے خوشی میں کھیل کود رہے تھے اور جنگ کے لئے ورزش کررہے تھے۔ (حضورؐ نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ حبشیوں کا کھیل دیکھوگی انہوں نے خواہش کا اظہار کیا) تو حسن اخلاق کے پیکر رحمت عالمؐ نے پردہ کرکے عائشہؓ کو اس وقت تک کھیل دکھلایا جب تک کہ عائشہؓ نے خود منع نہ کردیا آپ خود اندازہ کیجئے کہ بچپن میں کھیل دیکھنے کا شوق کتنی دیر تک ہوتا ہے اتنی دیر کھڑے ہوکر آپؐ کھیل دکھلاتے رہے۔[۲]

دوسرا واقعہ:

حضرت عائشہؓ خود واقعہ بیان کرتی ہیں کہ (جب میں چھوٹی تھی اور نئی نئی بیاہی گئی تھی) تو میں حضور ﷺ کے گھر گڑیوں سے کھیلا کرتی تھی اور میری ہم جولیاں بھی میرے ساتھ کھیلتی تھیں پھر جب حضور ﷺ (گھر میں) تشریف لاتے تو میری سہیلیاں (شرم کی وجہ سے) آپ ﷺ سے چھپ جاتیں اور متفرق ہوجاتیں مگر حضور ﷺ (ان کو جمع کرکے) پھر میرے پاس بھیج دیتے (اور کہتے آؤ بھاگتی کیوں ہو جس طرح کھیلتی تھیں اسی طرح کھیلتی رہو) پھر وہ میرے ساتھ کھیلنے لگتی تھیں۔[۳]

فائدہ:

عائشہؓ کے ساتھ جو گڑیاں تھیں ان میں ایسی صورت بنی ہوئی نہیں تھی جو حرام

---

[۱] ماخوذ اشرف الجواب ص ۵۷ تا ۵۸ حصہ ۱ [۲] بخاری شریف ص ۷۸۰ ج ۱
[۳] مشکوۃ ص ۲۸۰ ج ۲

ہے بلکہ کپڑوں اور چیتھڑوں کو لپیٹ کر بغیر صورت کے یوں ہی (کنیا پتلا) بنائی گئی تھیں جو کہ جائز ہے۔

تیسرا واقعہ:

حضرت عائشہؓ ایک سفر میں حضور ﷺ کے ساتھ تھیں وہ بیان کرتی ہیں کہ دوران سفر میں نے حضور ﷺ کے ساتھ دوڑنے میں مقابلہ کیا تا کہ دیکھیں کہ کون آگے نکلتا ہے (اس وقت عائشہؓ کم سن ہونے کی وجہ سے) ہلکی پھلکی تھیں آگے نکل گئیں کچھ عرصہ کے بعد آپ کا پھر ہم سے دوڑنے میں مقابلہ ہوا مگر اس وقت میں فربہ تھی (یعنی میرا بدن بھاری ہو چکا تھا) اس لئے حضور ﷺ آگے نکل گئے (مگر حضور ﷺ نے اس مرتبہ میری تسلی کیلئے فرمایا(ھذہ بتلک السبقۃ) یعنی پہلی مرتبہ تم جیتی تھی اس مرتبہ میں جیت گیا لہٰذا دونوں برابر سرابر ہو گئے۔[1]

(فائدہ) حضور ﷺ کے یہ واقعے ہمارے لئے سبق آموز ہیں بھلا کوئی بوڑھا آدمی کنواری بچی کی اتنی دلداری کرسکتا ہے بلکہ بوڑھا تو درکنار جوان اور ہم عمر بھی اتنا نہیں کرسکتا جتنا جناب آقا نے عائشہؓ اور دیگر ازواجؓ کے ساتھ کر کے دکھلا گئے۔ آج لوگ وقار کا پوٹلہ لئے پھرتے ہیں اگر وقار جمانا ہو تو کہیں اور جمالو اپنی بیویوں، بچوں کیساتھ تو گھل مل کر رہنا ہی حسن معاشرت ہے اپنی بیوی کے ساتھ ہنسی خوشی اور باہمی پیار و محبت کیساتھ رہنا ہی سنت نبوی ہے حضور ﷺ کی حدیث ہے قال رسول اللہ ﷺ خیر کم خیر کم لاھلہ و انا خیر کم لاھلی کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے اچھا اور بہتر وہ شخص ہے جو اپنے اہل وعیال کے حق میں بہتر ہو اور میں تو اپنے گھر والوں کیلئے تم میں ہر ایک سے اچھا ہوں۔[2]

---

[1] (مشکوۃ) صفحہ ۲۸۱ جلد ۲ [2] (مشکوۃ) شریف صفحہ ۲۸۱ جلد ۲

عورت کی غلطیوں پر چشم پوشی کرنے کی وصیت

میاں بیوی دونوں کو ایک دوسرے کے حقیقی ہمدرد اور غمگسار بن کر رہنا چاہئے خاص طور سے مردوں کو ہدایت ہے کہ عورت کے نازک جذبات اور ضعفِ خلقت وطبیعت کی بہت زیادہ رعایت کریں۔ یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی زندگی کے آخری حج حجۃ الوداع کے موقع پر عورتوں سے متعلق ہدایت کرتے ہوئے بلیغ انداز میں فرمایا۔

واستوصوا بالنساء خیرا فانھن خلقن من ضلع وان اعوج شئ فی الضلع اعلاہ فان ذھبت تقیمہ کسرتہ وان ترکتہ لم یزل اعوج فاستوصوا بالنساء خیرا [۱]

اے لوگو! عورتوں سے متعلق بھلائی کی وصیت قبول کرلو کیونکہ وہ ٹیڑھی پسلی سے پیدا کی گئی ہیں اور سب سے زیادہ ٹیڑھا پن اس پسلی میں ہے جو اوپر کی ہے لہٰذا اگر تم اس ٹیڑھی پسلی کو سیدھی کرنے کی کوشش کروگے تو اس کو توڑ دوگے (یعنی طلاق دیدوگے) اگر اس کو اپنی حالت پر چھوڑ دوگے تو ٹیڑھی ہی رہے گی لہٰذا عورتوں کے متعلق بھلائی کی وصیت قبول کرلو۔

ایک حدیث میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کی غلطیوں کو نظر انداز کر کے خوبی ہی کو سامنے رکھنے کی ہدایت فرمائی ہے۔

لا یفرک مومن مؤمنۃ ان کرہ منھا خلقا رضی منھا آخر [۲]

کہ کوئی مسلمان مرد کسی مسلمان عورت سے بغض رکھ کر اس کو علیحدہ نہ کردے اگر اس کی نظر میں اس عورت کی کوئی عادت ناگوار بھی ہوگی تو دوسری عادت اسی عورت کی خوشگوار اور اچھی بھی ہوگی۔

[۱] (بخاری شریف ص ۷۷۹ ج ۲) [۲] مشکوۃ ص ۲۸۰ ج ۲)

(فائدہ) اس روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کوئی یار دوست اور کوئی بیوی یا شوہر اپنے مزاج کے بالکل مطابق نہیں مل سکتا کیونکہ کوئی بھی انسان خامیوں اور عیوب سے بالکل پاک نہیں ہے انسان تو خوبی اور خامی دونوں کا مجموعہ ہے اسلئے بری خصلتوں اور عادتوں سے چشم پوشی کر کے اچھی عادتوں کو خاطر میں لانا چاہئے اور ان کے ساتھ خوشگوار زندگی گزارنے کی کوششیں کرنی چاہئے۔

عورتوں کو مارنے کا کیا حکم ہے

عورتوں کی فطرت میں ہی ٹیڑھا پن ہے اسلئے اسکو نظر انداز کرتے رہنے کا حکم دیا گیا ہے انکی غلطیوں پر مارنا پیٹنا انتہائی غیر انسانی اور غیر مہذب حرکت ہے چنانچہ عبداللہ ابن زمعہؓ نے حضورؐ کی ایک مرفوع حدیث نقل کی ہے آپؐ فرماتے ہیں:

لایجلد احد کم امراته جلد العبد ثم یجامعها فی آخر الیوم [1] کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو غلام کی طرح بے دردی سے نہ مارے اور پھر دن کے آخری حصہ میں اس سے جماع کرے۔

(فائدہ) اس حدیث میں ایک فطری اور طبعی نقطہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جو شخص اپنی بیوی سے جنسی لذت حاصل کرتا ہے اور اپنی خواہشات کی تکمیل اسی سے کرتا ہے اور صرف ضرورت پوری کرنے تک محدود نہیں بلکہ ایک جان دو جسم میں گویا تقسیم ہے ایک دوسرے کے راز دار اور رفیق حیات بن کر ساتھ رہنے کا وعدہ ہے تو ایک طرف تو اسکے ساتھ ایسا پر کیف معاملہ ہو اور دوسری طرف اسکے ساتھ اتنا وحشیانہ اور بے دردانہ سلوک کہ اسکو جانوروں اور غلاموں کی طرح مارے اور کوڑے برسائے جسکے ساتھ اتنی گہری محبت اسکے ساتھ ایسا ظالمانہ برتاؤ بھلا اس نازک طبیعت پر کیا گزریگا۔

---

[1] بخاری شریف ٧٨٤ ج ٢

کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ جس سے زیادہ محبت ہوتی ہے اسکی جانب سے تھوڑی بے رخی بھی بہت تکلیف دہ ہوتی ہے چہ جائے کہ اس کے ساتھ ایسا معاندانہ برتاؤ ہو لیکن اگر عورت اتنی شیر ہو جائے کہ اپنے شوہر کے حکم کی پابندی نہ کرے اور شوہر کے کہنے سننے کا اس پر کوئی اثر نہ ہوتا ہو اور شوہر کو یہ یقین ہو جائے کہ اب بغیر سختی کے راہ راست پر نہیں آسکتی تو پھر ایسی عورت کو معمولی مار مارنیکی قرآن وحدیث میں اجازت تو ہے مگر اصلاح کے دو طریقے کے بعد تیسرے درجے میں اجازت دی گئی ہے۔ چنانچہ قرآن کی آیت ہے۔

وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ[۱]

اور جو عورتیں ایسی ہوں کہ تم کو انکی بد دماغی (یعنی نافرمانی) کا احتمال ہو تو ان کو (پہلے) زبانی نصیحت کرو (پھر بھی نہ مانے) تو ان کو انکے لیٹنے کی جگہ میں تنہا چھوڑ دو (یعنی انکے بستر سے علیحدگی اختیار کر کے تھوڑی بے رخی کرو اسکے بعد بھی اصلاح نہ ہو تو مجبوری کے درجے میں) اعتدال سے ان کو مارو اعتدال سے مارنیکا مطلب یہ ہے کہ ہاتھ سے یا چھوٹی ہلکی لکڑی سے ایسی مار مارے کہ بدن پر اثر (چھوٹ) اور زخم اور نشان بھی نہ لگے اور ہڈی ٹوٹنے اور زخم لگنے تک نوبت نہ آئے اور چہرہ پر تو مارنے کی مطلقاً ممانعت ہے چنانچہ مشکوٰۃ کی ایک حدیث ہے کہ آپؐ نے فرمایا (لاتضرب بالوجہ) کہ اسکے چہرے پر مت مارا کرو۔

بیویوں کو چند ہی غلطیوں پر معمولی مار مارنیکی اجازت ہے

علماء نے بیان کیا ہے کہ انکی ہر غلطی پر مارنے کی اجازت نہیں ہے ہاں قاضی خاں کے بیان کے مطابق چار کوتاہیوں پر عورتوں کی پٹائی کی جاسکتی ہے۔

---

[۱] سورۃ النساء آیت ۳٤

للزوج الخ وله ان یضربها علی اربعة منها ترک الزینة اذا ارادالزوج الزینة. والثانیة ترک الا جابة اذا اراد الجماع وھی طاھرة والثالثة ترک الصلوۃ... وترک الغسل عن الجنابة والحیض بمنزلة ترک الصلاة. والرابعة الخروج عن منزله بغیر اذنه [1]

یعنی شوہر کو یہ حق ہے کہ عورتوں کو چار غلطیوں پر مارے (۱) شوہر کی خواہش اور اسکے حکم کے باوجود زینت وآرائش ترک کر دے (۲) شوہر جماع کا خواہش مند ہو مگر بیوی بغیر کسی عذر (یعنی حیض وغیرہ سے) پاک ہونے کی صورت میں بھی جماع سے انکار کر دے (۳) اسلامی فرائض جیسے نماز پڑھنا چھوڑ دے اسی طرح جنابت وناپاکی اور حیض وغیرہ سے فراغت پر غسل نہ کرنا بھی ترک فرائض کے حکم میں ہے (یعنی عورت کے ان چیزوں کے بعد غسل نہ کرنے اور انکار کرنے پر مار سکتا ہے) (۴) چوتھی وجہ یہ ہے کہ بیوی اپنے شوہر کی اجازت ورضامندی کے بغیر گھر سے باہر جاتی ہو تو مار سکتا ہے۔

بہر حال ان چار چیزوں کی وجہ سے فقہاء نے قرآن وحدیث کی رو سے مارنے کی اجازت بدرجہ مجبوری دی ہے ورنہ دوسری حدیث میں آپؐ نے فرمایا (ولن یضرب خیار کم) یعنی جو اچھے اور شریف لوگ ہیں وہ بیویوں کو ہرگز نہیں ماریں گے اسی وجہ سے انبیاء علیہم السلام سے کہیں ایسا منقول نہیں ہے کہ انہوں نے اپنی بیویوں کو مارا ہو۔ لہذا یہ مار پیٹ کی سزا تنبیہ کیلئے تو روا ہے مگر یہ غیر شریفانہ طریقہ ہے شریفانہ تنبیہ تو اپنے ہی مکان میں اپنے بستر کو انکے بستر سے الگ کر لینا ہے۔ [2]

مرد عورتوں کا ذمہ دار اور حاکم ہے

اوپر مرد کو تعلیم دی گئی ہے کہ عورتوں کے معاملے میں نرمی کرے اور ان کی خامیوں کو نظر انداز کر کے خوشگوار زندگی گزارے مگر جب عورت سے ایسی نازیبا حرکت

[1] (فتاوی قاضی خاں علی ھامش عالم گیری ص ۴۴۲ جلد ۱)۔
[2] (اقتباس معارف القرآن و مظاهر حق)۔

کا صدور ہونے لگے جو حدود شریعت سے باہر ہو تو اسکی پکڑ اور خبر گیری اور مکمل نگرانی کرنے والا مرد کو بنایا گیا ہے چنانچہ ارشاد ربانی ہے (اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْض [۱]) یعنی مرد حاکم ہے عورتوں پر اس سبب سے کہ اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو (یعنی مردوں کو) بعض (یعنی عورتوں) پر فضیلت دی ہے۔

چوں کہ دنیا کے ہر اجتماعی نظام کیلئے ضروری ہوتا ہے کہ اسکا ایک ذمہ دار اور امیر ہو جس کی امارت اور نگرانی میں رہ کر دوسرے تمام افراد کام کر سکیں ورنہ انتظام میں بگاڑ کا ہونا عین ممکن ہے اسی طرح رشتہ نکاح کے ذریعہ مرد اور عورت کے خاندانوں کو جوڑ دیا جاتا ہے اور ایک نئے خاندان کی شروعات کے ساتھ میاں بیوی کے درمیان ایک عجیب جوڑ اور تعلق پیدا ہو جاتا ہے اب اگر اس میں کسی کو ذمہ دار قرار نہ دیا جاتا تو گھریلو زندگی میں بد نظمی کا پیدا ہونے کا احتمال تھا۔ جو نکاح کے مقصد کے خلاف ہے اسلئے اس عائلی نظام یعنی امور خانہ داری کا ذمہ دار مرد کو منتخب کیا گیا کیونکہ اس کی علمی اور عملی قوتیں بہ نسبت عورتوں اور بچوں کے زیادہ ہوتی ہیں یہ معاملہ روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ مگر مرد کو عورتوں پر امتیاز دینے کا مطلب ہرگز ایسا نہیں کہ عورت ایک لونڈی اور مرد آقا کی طرح رہے۔ بلکہ تفوق اور مرتبۂ قوامیت کا مستحق مرد کو بعض ایسی صلاحیت واہلیت کے پیش نظر قرار دیا گیا ہے جو مرد کے اندر پائی جاتی ہے عورت میں نہیں اور یہ چیزیں صرف وہبی ہیں کسی کے عمل کو اس میں دخل نہیں اسی حقیقت کو قرآن نے اس طرح بیان کیا ہے (بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ) ورنہ تو بنیادی حقوق میں دونوں برابر ہیں جیسا کہ قرآن میں بیان کر دیا گیا ہے۔

(وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَة [۲])
یعنی شرعی ضابطہ کے مطابق عورتوں کا حق مردوں پر اسی طرح ہے جس طرح مردوں کا حق عورتوں پر ہے ہاں البتہ مردوں کا کچھ مرتبہ عورتوں سے زیادہ ہے۔ عورتوں کے غم کو

[۱] سورة النسلہ آیت ۳۴ [۲] سوره البقرة آیت ۲۲۸

اور ہلکا کرنے کے لئے قرآن نے مردوں کو ہدایت دی (عَنْ تَرَاضٍ بَيْنَهُمَا وَتَشَاوُرٍ) کہ امور خانہ داری میں مرد بیوی کے مشورہ سے کام کرے۔ایک کودوسرے کے حقوق کی رعایت کا حکم دیا گیا لیکن حقوق کی برابری کا مطلب یہ نہیں کہ دونوں کے حقوق صورتاً مماثل ہوں بلکہ عورت پرایک قسم کی ذمہ داری عائد ہے تو مردوں کودوسری قسم کی ذمہ داری دی گئی ہے۔

عورتوں پرامور خانہ داری یعنی بال بچوں کی تربیت وحفاظت،مرد کی خدمت واطاعت اور گھر کے مال کواسراف سے بچا کر اعتدال کے ساتھ خرچ کرنا وغیرہ ذمہ داریاں ہیں تو مردوں پر بیوی بچے کیلئے کسبِ معاش بیوی کا مہر،نفقہ اورتمام ضروری اخراجات کے انتظام وغیرہ کی ذمہ داریاں ڈالدی گئیں۔جس کے اندر جوصلاحیت تھی اس کا بار اس پرڈالدیا گیا مگر اس کا مطلب پھر بھی یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ عورت کواپنے نفقات میں مرد کامحتاج بنا کر اس کا مرتبہ کم کردیا گیا ہے بلکہ کام کے اصول اور کارندہ کی اہلیت کے اعتبار سے ڈیوٹیاں تقسیم کردی گئی ہیں جس کے ذمہ جتنا بڑا کام آتا ہے اس کا نام اور عہدہ بھی اتنا ہی بڑا ہوتا ہے مرد کے ذمہ مشکل کام سونپے گئے اس لئے اس کو حاکمیت کا عہدہ دیا گیا مگر اس سے عورت کا درجہ کم نہیں ہوا اس کی مثال تو ایسی ہی ہے جیسے انسان کا سر اس کے ہاتھ سے اور انسان کا دل اس کے معدے سے افضل ہے مگر سر کا افضل ہونا ہاتھ کے مقام اور اس کی ضرورت واہمیت کو کم نہیں کرتا اسی طرح مرد کے حاکم ہونے سے عورت کا مرتبہ نہیں گھٹتا بلکہ (اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ) میں قرآن کریم کی حکیمانہ حکمت کا اظہار ہے کہ مردوں کی یہ فضیلت وتفوق خود عورتوں کی مصلحت اور فائدہ کے عین مطابق ہے کہ مرد کو جب حاکم بنادیا گیا تو عورتوں اور بچوں کے اخراجات کا بار بھی اسی پرڈالدیا گیا گویا مرد محنت کرتا ہے اور عورت آرام سے رہتی ہے۔

مرد وعورت کے مابین مساوات کا نعرہ

اسلام ایک مہذب اور فطرۃً پرحکمت مذہب ہے جس میں ہر ایک کا ایک درجہ ہے اسی درجہ پر ان کو اتارا جاتا ہے۔ مگر اقوام متحدہ چارٹر آئیڈیل ملکوں یورپ وغیرہ میں مرد وزن کی مساوات کا دعوی ہے اور اس کی کوششیں کی جارہی ہیں کہ مساوات ثابت ہو جائے لیکن اسلامی قانون کی رو سے یہ غیر فطری کوشش ہے اور یہ نا قابل انکار حقیقت ہے کہ جس قوم نے بھی قانون اسلام کے خلاف الگ نظریہ قائم کیا وہ اس پر مکمل طور پر ایک دن بھی عمل نہ کرسکی اسی نظریہ میں سے ایک مساوات کا نظریہ ہے کیونکہ عورت کی طبیعت اور مخصوص جبلت اس کے اس قانون اور نظریہ کو عملی میدان میں اتارنے سے مانع ہے۔ اخیر میں مجبور ہو کر اپنے قانون کے بل کو توڑ مروڑ کرنے کے درپے ہوتے ہیں اور یہ بات ظاہر ہے کہ قانون کے ردوبدل کرنے میں فائدہ کے بجائے بڑا نقصان ہوتا ہے۔ ان قوانینِ مساوات کو عملی جامہ پہنانے سے وہ قاصر ہیں اور ان کو وہ تسلیم بھی کررہے ہیں کیونکہ آئیڈیل ملکوں یورپ وغیرہ سے جب سوال ہوتا ہے کہ اعلی عہدوں پر فائز ہونے میں کیا تناسب رہا کتنی عورتیں وزیراعظم کتنی عورتیں فوج کی اعلی عہدہ دار کتنی عورتیں کمانڈر انچیف کتنی پائلٹ بڑے عہدے تو درکنار معمولی عہدہ پر بھی کتنی عورتیں فائز کی گئیں تو جواب میں یہ ہی ملتا ہے کہ ایک بھی نہیں۔ اس لئے کھلے طور سے کہا جاسکتا کہ مرد وعورت کے خلقی تفاوت اور مرد وزن کے تضاد کو سامنے رکھتے ہوئے مساوات کا نعرہ جذباتیت اور ناعاقبت اندیشی کے سواء اور کچھ نہیں ہے جن قوموں نے مساوات کی رٹ میں عورتوں کو پردہ سے نکالکر بازاروں، میدانوں اور پارکوں اور سڑکوں اور اس کے علاوہ دفاتر اور سیاست میں لاکر کھڑا کر کے بے پردہ کیا اس کا جو غلط نتیجہ سامنے آیا اور آرہا ہے وہ ظاہر ہے خود ان کو اس کا اعتراف کر کے شرمندہ ہونا پڑ رہا ہے ایک مشہور امریکی پروفیسر نے اس کو اس طرح بیان کیا ہے کہ اب تو ہم کھانا ہوٹلوں

اور ریسٹوران میں کھاتے ہیں ہماری روٹی بیکری سے آتی ہے کپڑے لانڈری میں دھلتے ہیں پہلے تفریح کیلئے لوگ خاندانوں کی طرف رجوع کرتے تھے لیکن اب اس کے لئے سینماؤں تھیٹروں اور کلبوں کا رخ کیا جاتا ہے پہلے خاندان ہماری دلچسپی کا مرکز تھا اور خاندانی زندگی ہی میں سکون و آسائش تلاش کی جاتی تھی مگر اب خاندان کے افراد بکھر گئے اگر گنے چنے ایک جگہ رہتے بھی ہیں تو وہ مقصد حاصل نہیں ہوتا جو ایک ساتھ رہنے میں ہونا چاہئے ہمارے گھر آرام اور راحت کی جگہ نہ رہے جہاں چاہتے ہیں رات گزارتے ہیں۔[۱]

مسٹر جونی انیج ایک امریکی خاتون ہے جو نفسیات و جنسیات کی ماہر ہے انہوں نے دہلی کی ایک کانفرنس میں کھلے طور پر کہا۔ امریکی سوسائٹی سیاسی اقتصادی اور جنسی اعتبار سے اب تیزی کیساتھ ماضی کی روایات کی طرف لوٹ رہی ہے مجھے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ دن دور نہیں جب کہ امریکی عورتیں اپنی قدیم روایات کے مطابق گھر کی چہار دیواری میں ہی بند ہو کر خود کو بچوں اور گھر کی دیکھ بھال تک محدود کرلیں گی بہر حال بہت سارے مغربی سمجھدار انسان مرد و زن کی فطرت کو سمجھ کر مساوات کے جذبات سے توبہ کر رہے ہیں۔[۲]

حقوق زوجہ

مرد عورت کا قوام اور ذمہ دار ہے اس لئے مردوں پر کچھ فرائض اور ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں ان کو حقوق زوجہ کہا جاتا ہے جن کا ادا کرنا مرد پر لازم ہے وہ حقوق دو طرح کے ہیں۔ ۱۔ کچھ مالی۔ ۲۔ کچھ غیر مالی۔ حقوق مالی چند ہیں ان میں سے ایک حق مہر ہے یہ سب سے پہلا فریضہ ہے مہر کی ادائیگی کے بغیر کوئی چارہ نہیں اس لئے مہر کے احکام و مسائل کو قدرے تفصیل کیساتھ بیان کیا جاتا ہے۔

---

۱ (ترجمان القرآن۔ اپریل ۱۹۵۷ء) ۲ سہ روزہ دعوت ۱۳ نومبر ۱۹۸۵ء

مہر کی تعریف

مہر شریعت میں ان رقوم یا جنس کو کہتے ہیں جو مرد پر عورت کیلئے بوجہ عقد نکاح اور عورت سے جنسی منافع حاصل کرنے اور اس سے لطف اندوز ہونے کی وجہ سے واجب ہوتا ہے۔[۱]

مہر کی شرعی اہمیت

مہر عورت کا ایسا حق ہے جو اس کی مرضی کے بغیر شوہر کے ذمہ سے ساقط نہیں ہوسکتا حتی کہ اگر زوجین باہمی رضامندی سے بھی ساقط کرنا چاہیں (مثلاً دونوں باہم رضامندی سے نکاح ہی کے وقت ساقط کرتے ہوئے کہیں کہ نہ ہم لیں گے اور نہ دیں گے) تو بھی ساقط نہیں کر سکتے کیونکہ یہ شریعت کا حکم ہے اس پر عمل ضروری ہے صاحب بدایۃ المجتہد فرماتے ہیں۔

من جهة انه لايجوز التراضی علی اسقاطه يشبه العبادة [۲]

کہ اس طرح مہر کے ساقط کرنے پر زوجین کا رضامند ہوجانا جائز نہیں کیونکہ مہر عبادت کے مشابہ ہے اور عبادت کو اپنی مرضی سے ساقط نہیں کر سکتے۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں۔

المهر واجب شرعا ابانة لشرف المحل [۳]

کہ مہر شرعاً واجب ہے تا کہ محل نکاح کے شرف کا اظہار ہو۔ مہر ایک لازمی ہدیہ ہے محبت کی کلید، نکاح کی عظمت، عورت کے شرف کا اظہار ہے مہر کا نکاح میں طے کرنا اور اس کی ادائیگی کو ضروری سمجھنا قانون شریعت کا ایک شعار ہے۔

---

[۱] ثم عرف المهر فی العناية بانه اسم للمال الذی يجب فی عقد النكاح علی الزوج فی مقابلة البضع اما بالنسبة او بالعقد واعترض بعد شموله للواجب وبالوطء بشبهة ومن ثم عرفه بعضهم بأنه اسم لما تستحقة المرأة بعقد النكاح او الوطئ (شامی صفحه ۲۳۰ جلد ٤)

[۲] (بداية المجتهد ۱٦ جلد ۲) [۳] (هداية صفحه ۳۲۳ جلد ۲)

مہر کے اقسام

مہر کی اولاً دو قسمیں ہیں۔ ۱۔ مہر معجّل۔ ۲۔ مہر موَجل۔ پھر ان میں سے ہر ایک کی دو دو قسمیں ہیں۔ ۱۔ مہر مسمیٰ۔ ۲۔ مہر مثل۔

مہر معجّل کی تعریف:

معجّل تعجیل سے بنا ہے بمعنی جلدی کرنا، اصطلاح فقہاء میں مہر معجّل اس مہر کو کہتے ہیں جو بوقت عقد نکاح دیا جائے یا بوقت عقد فی الحال دینا قرار پائے۔

مہر معجّل کا حکم:

پورا یا نصف یا جو کچھ مہر معجّل ہے اس کا مطالبہ عورت فی الحال کرسکتی ہے یہ اس کا حق ہے اگر چاہے تو طے شدہ نقد مہر کے وصول کئے بغیر شوہر کو وطی اور مباشرت وغیرہ سے روک سکتی ہے۔[۱]

مہر موَجل کی تعریف:

موَجل اجل سے بنا ہے بمعنی مدت مقرر کرنا، اصطلاح فقہاء میں مہر موَجل اس مہر کو کہتے ہیں جس کی ادائیگی کیلئے کچھ مدت مقرر کی گئی ہو خواہ وہ مدت قریب ہو یا بعید۔ یا لاعلی التعیین ادھار چھوڑ دیا گیا ہو اور مطلق مہر باندھ کر عقد نکاح کر دیا گیا ہو۔

مہر موَجل کا حکم:

مہر موَجل کا مطالبہ زوجہ شوہر سے مدت مقررہ سے پہلے نہیں کرسکتی اگر مدت متعین نہیں تو پھر اس کی انتہائی مدت عرف ورواج پر یا مفارقت (یعنی طلاق، خلع، فسخ نکاح وغیرہ) پر ہے یا زوجین میں سے کسی کی وفات پر ہے۔ اس سے قبل عورت کو

---

۱ ولها منعه من الوطء دواعية الخ لاخذ ما بين تعجيله من المهر كله او بعضه او اخذ قدر ما يعجل لمثلها عرفا به يفتى لان المعروف كاالمشروط (درمختار) اى ان لم يبين تعجيله او تعجيل بعضه فلها المنع لاخذ ما يعجل لها منه عرفا (شامی صفحه ۲۹۱ جلد٤)

مطالبہ کا حق حاصل نہیں ہوگا نیز طلاق رجعی سے بھی مطالبہ کا حق حاصل ہوجائے گا اگرچہ شوہر نے رجوع کرلیا ہو۔[۱]

(فائدہ) مہر مؤجل غیر متعینہ مدت کی انتہائی مدت اگرچہ طلاق یا موت ہے مگر شوہر کیلئے مناسب یہ ہے کہ اپنی زندگی میں جلد سے جلد ادا کرنے کی کوشش کرے کیونکہ مہر شوہر کے ذمہ ایک قسم کا قرض ہے اور انسانی زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں اچانک کس وقت چل بسے اور یہ قرض اس کے ذمہ باقی رہ جائے۔ اس کی کوئی خبر نہیں دراصل مہر کی اہمیت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت کے اندر اصل مہر میں تعجیل ہے اس لئے کہ مہر استحلال فرج کیلئے مشروع ہوا ہے اور مہر مؤجل تو صرف ایک رعایت ہے یہی وجہ ہے کہ مہر مؤجل طے پانے کی صورت میں بھی بیوی کو پہلی ملاقات میں نقد روپے، پیسے، ہدیہ، تحفہ وغیرہ کچھ نہ کچھ دینا ضروری ہے بغیر کچھ دیئے بیوی سے فائدہ اٹھانا شرعاً غیر مناسب ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے اسی سلسلے کی ایک روایت منقول ہے۔

ان علیا رضی الله عنه لما تزوج فاطمة بنت رسول الله صلی الله علیه وسلم رضی الله عنها اراد ان یدخل بها فمنعه رسول الله صلی الله علیه وسلم حتی یعطیها شیأ فقال یا رسول الله لیس

کہ حضرت علیؓ نے جب حضور ﷺ کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ سے شادی کی تو ان کے ساتھ دخول کا ارادہ کیا مگر حضور ﷺ نے بغیر کچھ دیئے حضرت علیؓ کو فاطمہؓ سے فائدہ اٹھانے سے منع فرمادیا۔ اس پر حضرت علیؓ نے

[۱] لاخلاف لاحد ان تاجیل المهر الی غایة معلومة نحو شهر او سنة صحیح وان کان لا الی غایة معلومة فقد اختلف المشائخ فیه قال بعضهم یصح وهو الصحیح وهذا لان الغایة معلومة فی نفسها وهو الطلاق او الموت الخ وبالطلاق الرجعی یتعجل الموجل ولوراجعها لا یتأجل (عالم گیری صفحہ۳۱۸ جلد۱)

لی شئ فقال له النبی صلی الله علیه وسلم اعطها درعک فاعطاها درعه ثم دخل بها. [۱]	حضور ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے کہ دوں حضور ﷺ

نے فرمایا کہ اپنی زرہ ہی دیدو چنانچہ اس کے بعد حضرت علیؓ نے اپنی زرہ دیکر حضرت فاطمہؓ کے ساتھ شب زفاف منائی۔

نیز حضرت جابرؓ سے ایک اور حدیث منقول ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ:

من اعطی فی صداق امرأة مِلأ کفیه سویقا او تمرا فقد استحل. [۲]	جس شخص نے اپنی بیوی کے مہر میں سے (کچھ حصہ بطور مہر معجّل کے دیدیا اگرچہ) دونوں ہاتھ بھر کر ستو یا کھجور

ہی کیوں نہ ہوتو اس نے اپنی عورت کو اپنے لئے حلال کرلیا۔

(نوٹ) پہلی ملاقات میں اس طرح شوہر کے کچھ دینے سے مہر ذمہ سے ساقط نہیں ہوگا مہر مؤجل جو طے پایا ہے وہ بہر حال ادا کرنا ہوگا۔

مہر مسمّی کی تعریف:

مسمّی تسمیہ سے بنا ہے بمعنی معین، اصطلاح فقہاء میں مہر مسمّی وہ مہر ہے جو بوقت عقد نکاح متعین کیا گیا ہو یا نکاح کے بعد زوجین نے باہمی رضامندی سے طے کرلیا ہو یا قاضی نے نکاح کے بعد مقرر کیا ہو۔[۳]

مہر مثل کا مطلب:

مہر مثل وہ مہر ہے جو بیاہی جانے والی عورت کے باپ کی خاندانی عورت کا ہو

---

۱ (ابوداؤد کتاب النکاح صفحه ۲۸۹ تا ۲۹۰ جلد ۱)

۲ ابو داؤد شریف صفحه ۲۸۷ جلد ۱

۳ سمی لها مهرا اولا فالمطلقات اربع وما فرض بتراضیهما او بفرض قاض مهر المثل بعد العقد الخالی عن المهر (درمختار علی هامش شامی صفحه ۲۴۶ جلد ٤)

جو اس بیاہی جانے والی عورت کے مثل ہے۔ یعنی یہ کم عمر ہے تو وہ خاندانی عورت بھی نکاح کے وقت کم عمر تھی۔ اسی طرح مال، جمال، شہر، زمانہ، عقل، دینداری، بکارت، ثیوبت (یعنی نکاح کے وقت یہ باکرہ ہے تو وہ بھی باکرہ یا یہ ثیبہ تھی) نیز علم وادب، اخلاق وعادات، غرض جس وقت ان خاندانی عورتوں کا نکاح ہوا تھا اس وقت ان باتوں میں وہ بھی اسی کے مثل تھیں جس کا اب نکاح ہورہا ہے۔ تو جو پہلی والی کا مہر مقرر ہوا تھا وہی اس بعد والی کا مہر مثل ہے۔

خاندانی عورت سے مراد ددھیالی ہی لڑکیاں مراد ہیں نہ کہ ننہالی۔ جیسے بہن پھوپھیاں چچازاد بہنیں وغیرہ۔ مہر مثل میں ماں کے مہر کا اعتبار نہیں۔ ہاں اگر ماں بھی باپ کے خاندان ہی کی ہے تو اس کا مہر بھی مہر مثل ہوگا۔[1]

کن کن عورتوں کو کتنا اور کس قسم کا مہر ملے گا

مطلقہ اور متوفی عنہا زوجہا عورتیں جن کو اب تک مہر نہیں ملا ہے اس کی چار قسمیں ہیں اور ہر ایک کو مہر ملنے کی صورتیں مختلف ہیں جس کو قدرے تفصیل کیساتھ بیان کیا جارہا ہے۔

(۱) پورا مہر مسمی لینے والی وہ عورت ہے جس کو دخول یا خلوت صحیحہ کے بعد طلاق ہوئی اور اس سے قبل اس کا مہر بھی متعین ہوچکا تھا تو اس کو پورا مہر اور عدت کا خرچہ بھی ملے گا۔ نیز زوجین میں سے کوئی مرجائے اور اس کا مہر بھی پہلے سے متعین تھا تو اس کو بھی پورا مہر ملے گا۔ اگرچہ موت، وطی اور خلوت سے پہلے ہوئی ہو۔[2]

(۲) پورا مہر مثل لینے والی وہ عورت ہے جس کو وطی یا خلوت صحیحہ کے بعد

---

[1] والحرة مهر مثلها الشرعی مهر مثلها اللغوی ای مهر امرأة تماثلها من قوم ابيها لا امها ان لم تكن من قومه كبنت عمه وفی الخلاصه يعتبر باخواتها وعماتها الخ وتعتبر المماثلة فی الاوصاف وقت العقد سنا وجمالا ومالا وبلدا وعصرا وعقلا ودينا وبكارة وثيوبة وعفة وعلما وادبا وكما خلق (درمختار علی هامش شامی صفحه ۲۸۱ تا ۲۸۳ جلد٤)

[2] ومن سمی مهراً عشرة فمازاد فعليه المسمی ان دخل بها او مات عنها (هداية صفحه ۳۲٤ جلد۲)

طلاق ہوئی اور اس سے قبل اس کا مہر متعین نہیں ہوا تھا تو اس کو پورا مہر مثل ملے گا۔ (اور عدت کے خرچے کی بھی مستحق ہوگی) نیز اسی طرح زوجین میں سے کوئی وفات پا جائے اور اس کا مہر متعین نہیں تھا تو اس کو بھی پورا مہر مثل ملے گا اگر چہ وطی یا خلوت صحیحہ سے قبل ہی موت ہوئی ہو۔ نیز زوجین خواہ عدم بلوغ کی ہی حالت میں انتقال کر جائیں۔[1]

اس سلسلے میں ایک حدیث بھی ملتی ہے جو مذکورہ مسئلہ کی دلیل ہے۔

عن علقمة عن ابن مسعود انه سئل عن رجل تزوج امرأة ولم يفرض لها شياءً ولم يدخل بها حتى مات فقال ابن مسعود لها مثل صداق نسائها ولا وكس ولا شطط وعليها العدة ولها الميراث فقام معقل ابن سنان الاشجعي فقال قضى (رسول الله صلى الله عليه وسلم) فى بروع بنت واشق امرأة منا بمثل ما قضيت ففرح بها ابن مسعود[2]

حضرت علقمہؒ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے متعلق نقل کرتے ہیں کہ ان سے ایک ایسے شخص کے سلسلے میں سوال کیا گیا جس نے ایک عورت سے نکاح کیا اور اس کا کچھ مہر بھی مقرر نہیں کیا تھا اور پھر اس نے ابھی اپنی بیوی سے دخول بھی نہیں کیا تھا (یعنی نہ تو جماع کیا تھا اور نہ خلوت صحیحہ ہوئی تھی) کہ اس شخص کا انتقال ہوگیا۔ (حضرت ابن مسعودؓ نے ایک مہینہ تک اس مسئلہ پر غور وفکر کرنے کے بعد اپنے اجتہاد سے) فرمایا کہ اس عورت کو دوسری خاندانی عورت کا مہر مثل ملے گا نہ اس میں کوئی کمی ہوگی نہ زیادتی نیز اس عورت پر (شوہر کی وفات کی)

[1] والمهر يتأكد بلحد معان ثلاثة، الدخول ، والخلوة الصحيحه، وموت احد الزوجين سواء كان مسمى او مهر المثل الخ وان تزوجها ولم يسم لها مهرا او تزوجها على ان لا مهر لها فلها مهر مثلها ان دخل بها او مات عنها وكذا اذا ماتت هى (عالم گیری ۳۰۳ تا ۳۰۴ جلد ۱)
[2] (مشكوة صفحه ۲۷۷ جلد۲)

عدت بھی واجب ہوگی اور اس کو میراث بھی ملے گی یہ سنکر حضرت معقل ابن سنان اشجعیؓ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے خاندان کی ایک عورت بروع بنت واشقؓ کے بارے میں یہی حکم دیا تھا جو اس وقت آپ نے بیان کیا حضرت ابن مسعودؓ اس پر خوش ہوئے (کہ حق تعالی نے میری رہبری فرمائی اور میرا یہ فیصلہ آنحضرت ﷺ کے حکم کے مطابق ہوا)۔

(۳) متعینہ مہر کا نصف پانے والی وہ عورت ہے جس کو وطی اور خلوت صحیحہ سے قبل طلاق دی گئی ہو اور اس سے پہلے اس کا مہر بھی متعین ہو چکا تھا تو اس کو مہر مسمی کا نصف ملے گا۔[۱] اور اسکو عدت بھی گزارنی ہوگی۔ قرآن میں بھی اس کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ:

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّا اَنْ يَعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَ الَّذِىْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ وَاَنْ تَعْفُوْا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ [۲]

اگر تم نے عورتوں کو طلاق دیدی ہے ان کو ہاتھ لگانے سے پہلے اور تم نے انکا مہر بھی اس سے قبل مقرر کر دیا تھا تو اس صورت میں نصف مہر دینا ہوگا یہ اور بات ہے کہ عورت نرمی برتے (اور معاف کردے) یا وہ مرد جس کے اختیار میں عقد نکاح ہے نرمی سے کام لے (اور پورا مہر دیدے اور تم کو نرمی ہی سے کام لینا چاہئے (کہ پورا مہر دیدو) کیونکہ یہ تقوی کے زیادہ مناسب ہے اور آپسی معاملات میں فیاضی کو نہ بھولو تمہارے اعمال کو اللہ تعالی دیکھ رہا ہے۔

(۴) متعہ پانے والی وہ عورت ہے جس کو وطی اور خلوت صحیحہ سے پہلے طلاق

---

[۱] ویجب نصفه بطلاق قبل وطی او خلوة (درمختار) (ویجب نصفه) ای نصف المهر المذکور وهو العشرة ان سمّاها او دونها او الاکثر منها ان سماه (شامی صفحه ۲۳۵ جلد ٤)

[۲] سورہ بقرہ پارہ ۲ آیت ۲۳۷

دیدی گئی اور اس سے قبل اس کا مہر بھی متعین نہیں ہوا تھا تو اس کو مہر نہیں ملے گا کیونکہ اس کا مہر تو متعین تھا نہیں اور خلوت صحیحہ نہ ہونے کی وجہ سے مہر مؤکد بھی نہیں ہوا تو یہ خالی کی خالی رہ گئی، مگر نکاح ہونے کے بعد نکاح توڑ دینے سے عورت کا کچھ نہ کچھ نقصان تو ضرور ہوا اس لئے اس کی تلافی کیلئے اللہ کی جانب سے اس عورت کو متعہ دینے کا حکم ہوا ہے چنانچہ ارشاد باری ہے۔

لاَ جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَالَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً وَّمَتِّعُوْهُنَّ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ مَتَاعاً بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ[۱]

اور تم پر کوئی مواخذہ نہیں اگر بیویوں کو ایسی حالت میں طلاق دیدو کہ نہ تو ان کو تم نے ہاتھ لگایا ہے اور نہ ان کیلئے کچھ مہر مقرر کیا ہے تو ان کو فائدہ پہنچاؤ (کچھ نہ کچھ دیکر) صاحب وسعت کے ذمہ اس کی حیثیت کے موافق ہے اور تنگدست کے ذمہ اس کی حیثیت کے موافق۔ ایک خاص قسم کا فائدہ پہنچانا ہے قاعدہ کے موافق واجب ہے خوش معاملہ لوگوں پر۔

نیز متعہ پانے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اگر زوجین نے اپنی رضامندی سے یا قاضی کے ذریعہ نکاح کے بعد مہر مقرر کیا اور وطی یا خلوت صحیحہ سے قبل طلاق یا تفریق ہوگئی تو اس کو بھی مہر کے بجائے متعہ ملے گا۔

البتہ وطی اور خلوت صحیحہ کے بعد طلاق اور تفریق ہوئی ہے تو پھر پورا مقرر کردہ مہر ملے گا۔[۲]

---

[۱] سورہ بقرہ آیت ۲۳۶

[۲] ولو فرض القاضی لها مهرا او فرض الزوج بعد العقد ففی حال التاكيد يتأكد كما يتأكد مهر المثل وان طلقها قبل الدخول تجب المتعة ولا ينتصف المفروض (عالم گیری صفحه ۳۰٤ جلد۱)

متعہ کی وضاحت

متعہ کے معنی لغت میں تحفہ، زادِ قلیل، نفع رسانی کے ہیں کہ عارضی اور وقتی فائدہ اٹھایا جاسکے اصطلاعِ شرع میں متعہ تین کپڑے کا ایک جوڑا (کرتا، اوڑھنی، ایک ایسی چادر جو سر سے پاؤں تک لپیٹی جاسکے) کا نام ہے جو مطلقہ عورت کو دیا جائے۔ اگر کپڑے نہیں تو اس معیار کی دوسری چیزیں جو اس علاقے میں رائج ہوں یا اس کی قیمت اس طور پر دی جائے کہ مہرِ مثل کے نصف سے زیادہ نہ ہو۔ عورت کو اس کے قبول کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔

متعہ کا حکم اور اس کا معیار

متعہ دینا شوہر پر واجب ہے نہ دینے پر گنہ گار ہوگا۔ متعہ شوہر کی حیثیت کے مطابق دیا جائے گا شوہر اگر غریب ہے تو سوتی کپڑا وغیرہ دیگا جو پانچ درہم سے کم کا نہ ہو اور اگر مالدار ہے تو اعلیٰ معیار مثلاً ریشم وغیرہ کے کپڑے دیگا جو مہرِ مثل کے نصف سے زیادہ نہ ہوں اگر متوسط ہے تو متوسط درجے کے کپڑے دے گا۔[1]

متعہ مستحب

مذکورہ بالا جن عورتوں کو کچھ مہر نہیں ملتا ان کو متعہ دینا واجب ہے البتہ ان کے علاوہ باقی عورتوں کو جن کو پورا یا کچھ نہ کچھ مہر ملتا ہے متعہ دینا مستحب ہے کہ رخصت کرتے وقت کپڑے وغیرہ دیکر خوشی کیساتھ رخصت کرے۔[2]

---

[1] وتجب متعة لمفوضة وهی من زوجت بلا مهر طلقت قبل الوطٔ وهی درع وخمار وملحفة لا تزيد علی نصفه ای نصف مهر المثل لو الزوج غنيا ولا تنقص عن خمسة دراهم لو فقيرا وتعتبر المتعة بحالهما کا لنفقة به يفتی (درمختار) (وتعتبر المتعة بحالهما) ای فأن کانا غنيين فلها الا علی من الثياب اوفقيرين فالادنی او مختلفين فالوسط وما ذکره قول الخصاب وفی الفتح انه الاشبه بالفقه والکرخی اعتبر حالها واختاره القدوری والامام السرخسی اعتبر حاله وصححه فی الهداية (شامی صفحه ٢٤٥ جلد٤)

[2] وتستحب المتعة لمن سواها ای المفوضة (درمختار علی هامش شامی صفحه ٢٤٥ جلد٤)

نکاح فاسد میں وطی اور خلوت صحیحہ سے قبل فرقت ہوگئی تو مہر ومتعہ کچھ بھی نہیں ملے گا

پانچویں قسم ان عورتوں کی ہے جن کو نہ مہر ملے گا نہ متعہ اس کی صورت یہ ہے کہ نکاح کے ارکان صحیح طور سے نہ پائے جانے کی وجہ سے نکاح منعقد ہی نہیں ہوا بلکہ باطل ہوگیا یا شرائط نکاح کا لحاظ نہ کرنے کی وجہ سے نکاح فاسد ہوا مثلاً بغیر گواہ کے خفیہ نکاح ہوا یا ایسے بہرے گواہ کی موجودگی میں نکاح ہوا جو ایجاب وقبول کو نہ سن سکے یا اپنی محرمات میں سے کسی سے نکاح کیا یا زوجین ہم مذہب نہیں ہیں یا کسی عورت سے عدت میں نکاح کیا یا خنثیٰ مشکل سے نکاح کیا یا انسان کے بجائے جنات وغیرہ سے نکاح کیا۔ وغیرہ وغیرہ۔ تو ان تمام صورتوں میں اگر مرد نے وطی نہیں کی اور فرقت واقع ہوگئی تو عورت کو نہ مہر ملے گا اور نہ متعہ البتہ اگر عورت سے جماع کر چکا ہے تو پھر مرد پر مہر لازم ہوگا۔ اگر متعینہ مہر مہر مثل سے کم ہے تو متعینہ، ورنہ مہر مثل دیا جائے گا۔

نوٹ: یہاں پر خلوت صحیحہ وطی کے حکم میں نہیں ہوگی بلکہ مہر کے لزوم کیلئے وطی شرط ہے۔[1]

نیز اسی طرح وطی اور خلوت صحیحہ سے قبل زوجین کے مابین ایسی فرقت واقع ہوجائے جو طلاق کے حکم میں نہیں ہے جیسے خیار بلوغ کیوجہ سے وطی اور خلوت صحیحہ سے قبل فرقت ہوگئی تو ان صورتوں میں پورا مہر ساقط ہوجائے گا خواہ یہ فرقت عورت کی طرف سے ہوئی ہو یا اس کا سبب مرد کی طرف سے ہو۔[2]

---

[1] ویجب مہر المثل فی نکاح فاسد وھو الذی فقد شرطا من شرائط الصحۃ کشھود بالوطء فی القبل لا بغیرہ کالخلوۃ لحرمۃ وطئھا ولم یزد مہر المثل علی المسمی لرضاھا بالحط ولو کان دون المسمی لزم مہر المثل لفساد التسمیۃ بفساد العقد (درمختار علی ھامش شامی صفحہ ۲۷۴تا ۲۷۵ جلد۴)

[2] (فصل) اما بیان ما یسقط بہ کل المہر فالمہر کلہ یسقط باسباب اربعۃ منھا الفرقۃ بغیر طلاق قبل الدخول بالمرأۃ وقبل الخلوۃ بھا فکل فرقۃ حصلت بغیر طلاق قبل الدخول وقبل الخلوۃ تسقط جمیع المہر سواء کانت من قبل المرأۃ او من قبل الزوج وانما کان کذلک لان الفرقۃ بغیر طلاق تکون فسخا للعقد وفسخ العقد قبل الدخول یوجب سقوط کل المہر لان فسخ العقد رفعہ من الاصل وجعلہ کان لم یکن (بدائع الصنائع صفحہ ۵۹۰ جلد۲)

وطی بالشبہ سے بھی مہر مثل لازم ہوگا

اگر کسی نے ایسی خاتون سے وطی کی جس کی حلت میں شبہ ہو (یعنی مرد یہ سمجھ رہا ہو کہ یہ میری بیوی ہے حالانکہ وہ اس کی بیوی نہیں) تو ایسی عورت کو مہر مثل دینا پڑیگا اور عورت عدت بھی گزارے گی بغیر عدت گزارے نہ دوسرا نکاح کرسکتی ہے اور نہ اپنے شوہر کے پاس رہ سکتی ہے۔ مگر یہ زنا بھی نہیں کہلائیگا اس سے بچہ جو پیدا ہوگا اسی سے اس کا نسب ثابت ہوگا۔

وطی بالشبہ کی قسمیں

وطی بالشبہ کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) وطی بشبهة المحل۔ اسکو وطی بشبهة الملک اور بشبهة حکمیة بھی کہتے ہیں۔ یعنی ایسی عورت سے جماع کیا کہ دلائل سے اس کی حلت میں شبہ ہو اگرچہ قوی دلیل سے حلت ثابت نہ ہو۔ جیسے کسی نے اپنی اس معتدہ سے وطی کرلی جس کو الفاظ کنائی سے طلاق دی ہے اور پھر وہ اس طلاق کی عدت میں ہو۔ یا اپنی اس بیوی سے وطی کی جو مصاہرت یا ارتداد کی وجہ سے حرام ہوگئی ہو۔ (۲) وطی بشبهة الفعل جسے وطی بشبهة الاشتباہ بھی کہتے ہیں۔ یعنی ایسی خاتون سے وطی کیا کہ دلائل سے تو اس کی حلت میں شبہ نہ ہوتا ہو مگر وطی کرنے والے نے غیر دلیل کو دلیل سمجھ کر وطی کو جائز گمان کرلیا ہو۔ جیسے کسی نے لفظ صریح سے تین طلاق والی مطلقہ سے یا خلع یا طلاق بالمال والی بائنہ سے یا ایسی خاتون سے وطی کی جس کو عورتوں نے اس کے پاس بیوی کہہ کر بھیج دیا ہو تو ان تمام صورتوں میں حرمت ثابت ہے مگر کچھ چیزیں ایسی ہیں کہ اُن سے حلت کا شبہ ہوتا ہے۔

(۳) وطی بشبہۃ العقد۔ یعنی ایسی خاتون سے وطی کی کہ صورتاً اس کے ساتھ عقد نکاح کا ایجاب وقبول ہوا لیکن شرعاً نکاح متحقق نہ ہوا ہو۔ جیسے محرمات ابدیہ، یا غیر کی منکوحہ یا معتدہ یا اپنی مطلقہ ثلاثہ سے (حلالہ کے بغیر) نکاح کے بعد وطی کی یا پانچ عورتوں یا دو بہنوں کو ایک ساتھ نکاح میں جمع کرکے وطی کی یا ایک بہن کے نکاح میں

رہتے ہوئے دوسری بہنوں سے نکاح کے بعد وطی کی یا نکاح فاسد کے بعد وطی کی۔تو ان تمام صورتوں میں اگر چہ صورتاً نکاح کا ایجاب وقبول ہوا ہے لیکن حقیقۃً وشرعاً نکاح نہیں ہوا اس لئے ایسے نکاح کے بعد وطی کرنے کو وطی **بشبهة العقد** کہا جاتا ہے۔

وطی بالشبہہ کی ان تینوں قسموں میں وطی کرنے والے پر موطوءہ کیلئے مہر مثل واجب ہوگا۔[1]

مہر مسمی میں شوہر نے نکاح کے بعد اضافہ کردیا

بوقت عقد نکاح زوجین کی رضامندی سے دونوں کی حیثیت کے مطابق مہر طے ہوا مگر نکاح کے بعد متعینہ مہر میں شوہر نے اپنی خوشی سے اضافہ کردیا تو یہ زیادتی سمیت پورا مہر شوہر پر واجب ہوگا نہ ادا کرنے پر گنہ گار ہوگا بشرطیکہ طلاق یا فرقت وطی اور خلوت صحیحہ کے بعد ہوئی ہو یا دونوں میں سے کسی کی موت ہوگئی ہو خواہ وطی اور خلوت صحیحہ نہ پائی گئی ہو لیکن اگر وطی اور خلوت صحیحہ سے قبل طلاق واقع ہوگئی تو پھر اضافہ شدہ مہر ساقط ہوکر صرف مہر مسمی کا نصف ملے گا۔[2]

اسی طرح عورت اپنی مرضی سے مہر میں کمی کرسکتی ہے کیونکہ مہر اس کا حق ہے

---

[1] الشبهة ما يشبه الثابت وليس بثابت فی نفس الأمر وهی ثلاثة انواع شبهة حكمية فی المحل وشبة اشتباه فی الفعل وشبة فی العقدالخ لأحد بلازم بشبهة المحل أی الملك وتسمی شبهة حكمية... وان ظن حرمته كوط ... معتدة الكنايات ولو خلفا خلاعن مال وان نوی بها ثلاثاً نهر لقول عمر رضی الله عنه الكنايات رواجع... ووط ... زوجة حرمت بردتها او مطاوعتها لابنه أو جماعه لأمها أو بنتها لأن من الائمة من لم يحرم به... ولأحد ايضا بشبهة الفعل وتسمی شبهة اشتباه أی شبهة فی حق من حصل له اشتباه ان ظن حله ... كوطئ ... معتدة الثلاث ولو جملة... ومعتدة الطلاق علی مال وكذا المختلعه علی الصحيح بدائع كوطئ ... و ... وط امرأة زفت اليه وقال النسلء هی زوجتك ولم تكن كذلك معتمدا ... خيرهن ... ولأحد ايضا بشهة العقد ای عقد النكاح عنده ای الامام كوط محرم نكحها : او وط فی نكاح بغير شهود (درمختار علی هامش شامی صفحه ۲۶ تا ۳۴جلد۶ ومستفاد مجموعه قوانی اسلامی ۱۰۹تا ۱۱۰)

[2] او زيد علی ما سمی فانها تلزمه (درمختار) ای الزيادة ان وط او مات عنها وهذا التفريع مستفاد من مفهوم قوله لا ينصف ای بالطلاق قبل الدخول فيفيد لزومه وتاكده بالدخول ومثله الموت (شامی صفحه ۲٤٦ جلد٤)

اس لئے وہ اپنا حق ساقط کرسکتی ہے۔

مہر کی شرعی مقدار

شریعت میں زیادہ مہر کی کوئی حد مقرر نہیں ہے مگر کم سے کم مہر کی حد متعین ہے اس سے کم باندھنے کا کوئی اعتبار نہیں وہ دس درہم یا اس کی قیمت ہے[۱] دس درہم کا وزن ساڑھے اکتیس (31½) ماشہ چاندی اور تولہ کے حساب سے دو تولہ ساڑھے سات (7½) ماشہ چاندی ہے، گرام کے حساب سے تیس (30) گرام (618 ملی گرام) چاندی ہوتی ہے آج یعنی ۲۰۰۱ء میں تقریباً تین سو (300) روپئے اس کی قیمت ہوتی ہے۔[۲]

کونسی چیز مہر بن سکتی ہے

ہر وہ چیز مہر بن سکتی ہے جس سے فائدہ اٹھانا جائز ہو اور وہ چیز معلوم اور متعین ہو اور انسان کو اس کی ادائیگی پر قدرت بھی ہو جیسے سونا، چاندی، یا ان سے ڈھلے ہوئے سکے، یا اس کے مثل رائج کرنسی (نوٹ پیسے)، کیلی وموزونی اشیاء (جیسے غلہ پھل فروٹ دودھ گھی شہد) یا دیگر سامان تجارت یا کسی چیز کی منفعت جیسے غلام، نوکر، مزدوران کے علاوہ مہر میں مکان، زمین، جانور وغیرہ کو بھی مقرر کرسکتے ہیں۔

لیکن ایسی چیز جس سے فائدہ حاصل کرنا جائز نہیں اور وہ معلوم و متعین بھی نہ ہو اور نہ اس کی ادائیگی پر قدرت ہو تو اس کو مہر قرار دینا درست نہیں اگر مہر قرار دیدیا تو نکاح منعقد تو ہو جائیگا مگر مہر مثل واجب ہوگا جیسے مہر میں حرام چیزیں خون، شراب، خنزیر

---

[۱] باب المهر (واقله عشرة دراهم) ای اقل المهرشرعا للحديث لا مهر اقل من عشرة دراهم الخ ومراد المصنف ان اقله عشرة او مايقوم مقامها بالقيمة (بحر الرائق صفحه ۲۴۹ تا ۲۵۰ جلد۳)

[۲] اوزان شرعيه از حضرت مولانا مفتی محمد شفيع صاحبؒ بحواله جواهر الفقه ص ۴۰۷ تا ۴۲۹ جلد۱۔

یا دوسرے کی ملکیت کی کسی چیز کو مہر قرار دینا درست نہیں اگر قرار دیدیا تو اسکے عوض مہر مثل لازم ہوگا۔[۱]

مہر فاطمی کی مقدار

حضرت فاطمہؓ کا مہر جس کو عرف عام میں مہر فاطمی کہتے ہیں چار سو (۴۰۰) مثقال چاندی تھی[۲] جو اٹھارہ سو (۱۸۰۰) ماشہ چاندی اور تولہ کے حساب سے ایک سو اکتیس تولہ تین ماشہ چاندی ہوتی ہے آج کے موجودہ گرام کے حساب سے ایک کیلو چھ سو پینتیس گرام چاندی ہوتی ہے چاندی کی قیمت چونکہ گھٹتی بڑھتی رہتی ہے اس لئے ادا کرتے وقت بازار سے معلوم کر کے اس کی قیمت ادا کی جائے۔

مہر فاطمی سنت اور موجب برکت ضرور ہے جس کو قدرت ہو اس کو اس سنت پر عمل کرنا بہتر ہے مگر مہر فاطمی باندھنے پر اصرار نہیں کہ باندھنا ہی چاہئے بلکہ اگر اس مقدار میں مہر ادا کرنے کی قدرت نہ ہو تو پھر اپنی استطاعت کے بقدر ہی باندھنا چاہئے تاکہ سہولت سے ادا ہو سکے۔[۳]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اور صاحبزادیوں کا مہر

ام المؤمنین حضرت ام حبیبہؓ اور آپ کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کے علاوہ

---

[۱] وغير الدراهم يقوم مقلمها باعتبلر القيمة وقت العقد فی ظاهر الرواية حتى لوتزوجها على ثوب او مكيل او موزون وقيمته يوم العقد عشرة فصلرت يوم القبض اقل ليس لها الرد وفی العكس لها ما نقص كذا فی النهر الفائق ...... المهر انما يصح بكل ما هو مال متقوم والمنافع تصلح مهرا غير ان الزوج اذا كان حرا وقد تزوجها على خدمته اياها جاز النكاح ويقضى لها بمهر المثل عند ابی حنيفة وابی يوسف رحمهما الله تعالى هكذا فی الظهرية ... وكذا لو تزوج المسلم المسلمة على ميتة او دم او خمر او خنزير لم تصح التسمية ولو تزوجها على منافع سائر الاعيان من سكنى داره وركوب دابته والحمل عليها وزراعة لرضه ونحو ذلك من منافع الاعيان مدة معلومة صحة التسمية (عالم گیری۳۰۲ ۔ ۳۰۰۳ جلد۱)

[۲] قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الله تعالى امرنی ان ازوّج فاطمة من علیؓ وقد زوجته على اربع مائة ومثقال فضة (تاريخ الخميس صفحه ٣٦٢ جلد ١ ماخوذ حاشيه بهشتی زيور صفحه ٤٢ حصه٦ [۳] (مستفاد فتاوی محموديه واحسن الفتاویٰ مظاهر حق)

تمام صاحبزادیوں اور ازواج مطہرات کا مہر حضور ﷺ نے پانچ سو درہم چاندی مقرر فرمایا تھا۔[۱] پانچ سو درہم چاندی کی مقدار پانچ سو پچہتر (۵۷۵) ماشہ تقریباً ایک سو اکتیس (۱۳۱) تولہ چاندی ہے ہمارے یہاں کے حساب سے ایک کیلو پانچ سو تیس (۵۳۰) گرام چاندی ہوتی ہے۔

حضرت ام حبیبہؓ کا مہر چار ہزار چار سو (۴۴۰۰) دینار تھا اس کا وزن بارہ ہزار چھ سو (۱۲۶۰۰) ماشہ چاندی ہے ہمارے ہندوستانی وزن کے حساب سے بارہ کیلو دو سو سینتالس (۱۲۔۲۴۷) گرام چاندی ہوتی ہے۔ جو حضور ﷺ نے خود ادا نہیں کیا تھا بلکہ اصحمہ نجاشی شاہ حبش نے حضور ﷺ کی طرف سے ادا کیا تھا۔[۲]

زیادہ مہر باندھنے کے سلسلے میں غلط معاشرہ

مہر کی ادائیگی لازمی اور ضروری ہے اس لئے مہر اتنا ہی مقرر کیا جائے کہ شوہر اپنی استطاعت اور حیثیت کے مطابق سہولت سے ادا کر سکے مگر آج لمبا چوڑا مہر باندھنے کا ایسا عام رواج ہو چکا ہے کہ لوگ اس کو فخر سمجھتے ہیں لڑکے والوں کا امتحان اور لڑکی کی شان وشوکت کا اظہار زیادہ مہر باندھ کر کیا جاتا ہے زبانی جمع خرچ کے طور پر مہر مؤجل (ادھار مہر) باندھ دیا جاتا ہے جس کی ادائیگی کی نیت بالکل نہیں ہوتی۔ ڈھیر سے ڈھیر مہر باندھنے کا ایک عذر یہ بھی پیش کیا جاتا ہے کہ شوہر مہر کے بوجھ کی وجہ سے بیوی کو چھوڑ نہ سکے۔ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ یہ عذر لغو ہے اول تو جن کو چھوڑنا ہوتا ہے چھوڑ ہی دیتے ہیں پھر کچھ بھی ہو اور جو مہر کے تقاضے کے خوف سے نہیں چھوڑتے وہ چھوڑنے سے بدتر کر دیتے ہیں یعنی نہ طلاق دیتے ہیں اور نہ پاس رکھتے

---

۱ عن عمر بن الخطاب قال ... ما علمت رسول الله صلى الله عليه وسلم نكح شيئا من نسائه ولا انكح شيا من بناته على اكثر من اثنتى عشرة اوقية (مكشوة شريف صفحه ۲۷۷ جلد ۲

۲ (مشكوة شريف صفحه ۲۷۷ جلد۲)

ہیں بیچ میں معلق رکھتے ہیں نہ ادھر کی نہ ادھر کی ان کا کوئی کیا کر لیتا ہے یہ سب فضول عذر ہے اصل میں یہ افتخار اور شان وشوکت کیلئے ایسا کیا جاتا ہے۔[۱]

حضور ﷺ کا ارشاد ہے (**ان اعظم النکاح برکۃ ایسرہ مؤنۃ**[۲]) کہ سب سے بابرکت اور مسعود نکاح وہ ہے جس میں مالی بار (مہر) کم سے کم ہوتا کہ دشواریوں میں مبتلا نہ ہونا پڑے حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے ایک خطبہ میں زیادتی مہر سے منع کرتے ہوئے بلیغ انداز میں فرمایا تھا کہ:

الا لا تغالوا بصدق النساء فانها لوكانت مكرمة فی الدنيا او تقوى عندالله كان اولا كم بها النبی ﷺ.[۳]

خبردار عورتوں کا مہر زیادہ باندھکر غلومت کیا کرو اگر زیادہ مہر دنیا میں عزت کی بات ہوتی یا اللہ کے نزدیک تقوی اور پسندیدہ چیز ہوتی تو اللہ کے نبی ﷺ اس کے زیادہ مستحق تھے کہ وہ اپنا مہر زیادہ باندھتے۔

بہت کم مہر باندھنا بھی غیر مناسب ہے

جس طرح بہت زیادہ مہر طے کرنا شریعت میں مطلوب نہیں اسی طرح بہت کم اور معمولی مہر مقرر کرنا بھی خلاف سنت ہے بعض علاقے اور بعض برادریوں میں اتنا کم مہر مقرر کیا جاتا ہے کہ سن کر ہنسی آجاتی ہے اس سے صرف عورتوں کی ناقدری اور بے وقعتی ہی نہیں بلکہ شریعت کے ایک حکم کی توہین بھی سمجھی جاتی ہے اس سلسلے میں اعتدال کی راہ اختیار کرنی چاہئے شریعت میں زیادہ مہر کی حد اس لئے مقرر نہیں کی گئی ہے کہ شوہر اپنی استطاعت کے مطابق مقرر کرے اور سہولت سے ادا کر سکے۔

---

[۱] (بهشتی زیور صفحه ٤١ حصه ٦)
[۲] (مشكوة ٢٦٨ جلد٢)
[۳] ابوداؤد شريف صفحه ٢٨٧ جلد ١

مہر نہ ادا کرنے پر وعید

مہر بیوی کا حق ہے شوہر پر ایک قسم کا قرض ہے ادا نہ کرنے پر سخت وعید یں وارد ہوئی ہیں اسی سلسلے میں حضور ﷺ کی ایک حدیث ہے کہ جناب آقا ﷺ نے فرمایا ہے۔

من تزوج امرأة بصداق ینوی ان لا یودیه فهو زان ومن ادان دینا ینوی ان لا یقضیه فهو سارق [1]

کہ جس نے مال مہر کے عوض کسی عورت سے نکاح کیا اور نیت یہ رکھی کہ اس مہر کو ادا نہ کریگا تو وہ دراصل زانی ہے اور جس نے قرض لیا اور نیت یہ کی کہ قرض ادا نہ کریگا تو دراصل وہ چور ہے۔

(فائدہ) جب مہر بھی ایک طرح کا قرض ہے تو اس کا ادا نہ کرنا اور دنیا سے چلا جانا آخرت میں مؤاخذہ کا سبب ہے حدیث میں آتا ہے کہ حضور ﷺ نے ایسے شخص کی نماز جنازہ پڑھنے سے انکار کر دیا تھا جس نے قرض ادا نہیں کیا تھا۔

مہر معاف کرانے کا رواج اور اس کا شرعی حکم

یہ رواج بھی عام طور سے رائج ہے کہ مہر مؤجل (ادھار مہر) خوب زیادہ مقرر کر کے پھر اس کو معاف کرالیا جاتا ہے اب اس معافی کی دو صورتیں ہیں (۱) اول یہ کہ عورت کے مرض الوفات میں شوہر معاف کرائے تو اس کا حکم یہ ہے کہ یہ معافی شرعا معتبر نہیں کیونکہ اب مہر میں عورت کی ملکیت ختم ہو کر اس کے ورثاء کی ملکیت ثابت ہو چکی ہے اور درمختار میں ہے کہ مرض الموت کا ہبہ وغیرہ بحکم وصیت کے ہے اور وارث کیلئے وصیت جائز نہیں (لا وصية لوارث) حدیث کی وجہ سے (۲) دوسری صورت یہ ہے کہ عورت اپنی زندگی میں معاف کرتی ہے خواہ شوہر کے

[1] مسند امام احمد بن حنبل

مرنے کے وقت معاف کرے تو یہ اس کا حق ہے معاف کرسکتی ہے۔[۱]

قرآن میں بھی اس کو بیان کیا گیا ہے۔

وَآتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْساً فَكُلُوْهُ هَنِيئاً مَرِيْئاً [۲]

کہ تم لوگ اپنی بیویوں کو مہر خوش دلی سے دیدیا کرو ہاں اگر وہ خوش دلی سے چھوڑ دیں اس مہر میں سے کچھ (یا کل)

تو تم اس کو مزیدار اور خوشگوار سمجھ کر کھاؤ اب ہم کو اپنے معاشرے میں ذرا غور کرنا چاہئے کہ کیا یہ معافی خوش دلی سے ہو رہی ہے ہرگز نہیں خوش دلی سے معافی پر اس کو اس وقت محمول کرسکتے ہیں جبکہ اِکاّ دُکاّ کبھی کبھار کوئی شخص مہر کی ادائیگی سے عاجز ولاچار ہو جائے اور پھر عورت اس پر رحم کھا کر محبت میں آ کر معاف کردے۔ مگر موجودہ دور کا حال ایسا نہیں ہے معاف کرانے کا ایسا رواج ہو گیا ہے کہ شوہر خواہ کتنا ہی مالدار اور صاحب استطاعت کیوں نہ ہو پھر بھی معاف کرانے کے سواء مہر کی ادائیگی کو ضروری نہیں سمجھتا اور عورت بھی رسم ورواج کے دباؤ میں آ کر محض بدنامی کے ڈر سے مجبوراً معاف کردیتی ہے حضرت تھانویؒ آیت مذکورہ کی تفسیر کرتے ہوئے بیان القرآن میں تحریر فرماتے ہیں کہ جو کسی جبر سے معاف کرے وہ عنداللہ معاف نہیں ہوتا۔[۳]

مہر سے چھٹکارے کیلئے حیلہ

اگر بیوی سے مہر کی معافی کے ایسے کلمات کہلائے جن کو وہ سمجھ بھی نہیں پا رہی ہے اور شوہر بیوی کو اس سے آگاہ بھی نہیں کرتا ہے تو اس سے مہر معاف نہیں ہوگا مہر سے سبکدوشی کی دو ہی صورت ہے یا تو اس کو ادا کردے یا خود عورت خوش دلی سے معاف

---

[۱] وصح حطها لكله او بعضه عنه (درمختار) وان لا تكون مريضة مرض الموت ... ولو وهبته فی مرضها فمات قبلها فلا دعویٰ لها بل لورثتها بعد موتها (شامی ۲۴۸ جلد۴)

[۲] سورة النساء آيت ۴ [۳] بيان القرآن

کردے اس کے علاوہ مہر سے چھٹکارے کی کوئی صورت اور کوئی حیلہ نہیں ہے۔[1]

مہر معاف کراتے وقت گواہ کا موجود ہونا

مواخذۂ اخروی سے بچنے اور دیانۃً معاف ہونے کے لئے گواہوں کا موجود ہونا بوقت معافی ضروری نہیں ہے مگر جب عورت مہر کی معافی سے انکار کردے کہ میں نے معاف نہیں کیا ہے تو پھر قاضی کے سامنے ایسے دو شرعی گواہ کا پیش کرنا شوہر پر واجب ہوگا جو معافی کے وقت موجود تھے بغیر گواہ پیش کئے شوہر کے معافی کا دعوی قضاءً معتبر نہیں ہوگا۔[2]

مہر معاف کرنے کے بعد مطالبہ کا حق نہیں

بغیر جبر و اکراہ کے جب عورت نے مہر معاف کردیا تو پھر دوبارہ مطالبہ کرنا صحیح نہیں ہے۔ اگرچہ بعد میں میاں بیوی کے مابین رشتۂ نکاح ختم ہوگیا ہو[3]

مہر کے سلسلے میں زوجین کے اختلاف کے وقت شوہر کے قول کا اعتبار ہوگا

شوہر نے کوئی چیز دی تھی بعد میں عورت کہتی ہے کہ تم نے یہ چیز مجھے بطور ہدیہ یا تحفہ دی تھی اور شوہر دعوی کرتا ہے کہ نہیں میں نے یہ چیز بطور مہر دی تھی تو اس اختلاف کی صورت میں قسم کیساتھ شوہر کے قول کا اعتبار ہوگا البتہ کھانے پینے کی کوئی چیز شوہر نے دی تھی تو اس کو مہر میں محسوب نہیں کیا جائے گا اور شوہر کے قول کا اعتبار نہ ہوگا قسم کے ساتھ عورت کے قول کا اعتبار ہوگا۔[4]

---

[1] (فتاوی دار العلوم صفحہ ۲۵٦ جلد۸)

[2] (فتاوی دار العلوم صفحہ ۲۵۷ جلد۸ صفحہ۳۰۵ جلد۸)

[3] اذا وهب لحد الزوجين لصاحبه لا يرجع فى الهبة وان انقطع النكاح بينهما (فتاوى قاضيخان على هامش عالم گیری صفحه ۲۷٤ جلد۳ فصل فى الرجوع فى الهبة)

[4] ولو بعث الى امرأته شيأ ولم يذكر جهة عند الدفع غير جهة المهر... فقالت هو اى المبعوث هدية وقال هو من المهر... فالقول له بيمينه ... فى غير المهيأ للاكل ... والقول لها بيمينها فى المهيا له كخبز ولحم مشوى لان الظاهر يكذبه (درمختار على هامش شامى صفحه ۳۰۱ تا ۳۰۲ جلد ٤)

(مسئلہ) شوہر نے کچھ رقم مہر کے عوض دی تو اتنی رقم ادا ہو جائے گی اگر چہ عورت کو اس کی اطلاع نہ دی ہو۔

مہر کی مقدار میں اختلاف ہو جائے

نکاح کے بعد زوجین کے مابین مقدار مہر میں اختلاف ہو جائے بایں طور کے شوہر کم اور عورت زیادہ کی دعویدار ہو تو اس کی تین صورتیں ہیں۔ (۱) اگر میاں بیوی دونوں ہی شہادت پیش کریں تو جس کا دعوی مہر کے خلاف اور بعید ہوگا اسی کا قول معتبر ہوگا (۲) اگر صرف ایک فریق نے اپنے دعوی پر شہادت پیش کی تو ہر حال میں اسی کا دعوی معتبر ہوگا خواہ اس کا دعوی مہر مثل کے موافق ہو یا مخالف (۳) اگر دونوں ہی اپنے دعوی پر بینہ قائم کرنے سے عاجز رہیں تو قسم کے ساتھ اس فریق کی بات مانی جائے گی جس کا دعوی مہر مثل سے زیادہ قریب ہے۔[۱]

مہر قسط وار ادا کرنا طے پایا

اگر مہر تھوڑا تھوڑا قسط وار ادا کرنا طے پائے تو جائز ہے سہولت جس طرح ادا کرنے میں ہو ادا کر سکتے ہیں پورا مہر ایک ہی مرتبہ ادا کرنا ضروری نہیں ہے۔[۲]

کسی برادری میں مہر کی کوئی خاص مقدار مقرر کرنا

کسی فرد یا کسی جماعت کو یہ حق نہیں ہے کہ مہر کی کوئی خاص مقدار مقرر کر دے کہ اس سے کمی وزیادتی کی اجازت نہ ہو ہر شخص خواہ مخواہ اس مقدار پر مجبور ہو جائے کیونکہ جب شریعت نے اس کی کوئی خاص مقدار متعین نہیں کی تو دوسرا کون ہوتا ہے

۱۔ وإن اختلفا فی قدره حال قيام النكاح فالقول لمن شهد له مهر المثل بيمينه وای أقام بينة قبلت سواء شهد مهر المثل له أولها اولا ولا وان اقاما البينة فبينتها مقدمة ان شهد مهر المثل له وبينته مقدمة ان شهد مهر المثل لها لان البينات لا ثبات خلاف الظاهر (درمختار على هامش شامی ۲۹۷ جلد٤)

۲۔ (امداد الفتاوی صفحه ۲۹٤ جلد۲)

متعین کرنے والا البتہ شریعت نے کم سے کم مقدار تو متعین کردی ہے کہ دس درہم سے کم جائز نہیں اور اس سے زیادہ کی کوئی حد نہیں۔[1]

طلاق کے بعد پھر دوبارہ اسی شوہر سے نکاح ہوا تو دوہرا مہر واجب ہوگا

وطی یا خلوت صحیحہ کے بعد طلاق دی گئی خواہ طلاق بائن، یا طلاق رجعی کی صورت میں عدت گزار کر بائن ہوئی تو پورا مہر شوہر پر لازم ہو چکا: اب پھر دوبارہ اسی شوہر سے نکاح کیا تو پھر اس نکاح کا علیحدہ مہر واجب ہوگا مہر اول ادا نہیں کیا ہے تو مہر اول مہر ثانی دونوں ادا کرنا ضروری ہے۔[2]

فاحشہ عورت کا مہر

اگر عورت نے زنا کروایا یا کوئی اور فحش کام کیا تو اس کا گناہ اس کے سر ہے مگر مہر اس کا ساقط نہیں ہوگا۔[3]

نابالغ کی بیوی کا مہر کس پر ہے

مہر کے وجوب کے لئے بلوغ شرط نہیں اگر عدم بلوغ کی حالت میں نکاح ہوا ہے تو نابالغ بچہ ہی پر مہر لازم ہوگا البتہ اگر باپ ذمہ داری لے لیتا ہے تو پھر بیوی اپنے خسر سے وصول کرے گی۔ اور باپ اپنے نابالغ بچے کے مال میں سے مہر کے بقدر لے لے گا۔[4]

---

۱ فتاوی محمودیه صفحه ۲٤٦ جلد۱۳)

۲ فتاوی دار العلوم صفحه ۳۱۸ جلد۸

۳ ویتلکد عند وط او خلوة صحت (درمختار) (ویتاکد) ای الواجب من العشرة او الاکثر وافاد ان المهر وجب بنفس العقد (شامی صفحه ۲۳۳ جلد٤)

٤ وان زوج الاب ابنه الصغیر امرأة وضمن عنه المهر ان کان فی صحة الاب جاز وان اخذت المرأة المهر من الاب فی القیاس یرجع الاب علی الصغیر فی ماله (فتاوی قاضی خاں علی هامش عالم گیری صفحه ۳۵۸ جلد۱)

زوجہ کے مرنے کے بعد مہر وارث کا ہے

اگر عورت مرجائے تو اس کا مہر اس کے وارثوں کے درمیان قاعدۂ شرعیہ کے مطابق تقسیم ہوگا۔ پھر اس مہر میں سے شوہر کو بھی حصہ ملے گا جس طرح میراث کے قاعدہ کے موافق بیوی کے دوسرے مال میں سے ملتا ہے۔[۱]

مہر کب واجب اور مؤکد ہوتا ہے

مسئلہ گزر چکا ہے کہ مہر صرف صحیح عقد نکاح سے واجب ہوتا ہے مگر کبھی ساقط بھی ہوجاتا ہے جیسے خلوت صحیحہ سے قبل عورت کے کرتوت کی وجہ سے نکاح ٹوٹ گیا اور تفریق ہوگئی یا کسی اور سبب سے تفریق ہوئی جس کا باعث خود عورت ہے تو واجب شدہ مہر ساقط ہوجائے گا۔ البتہ اگر خلوت صحیحہ کے بعد تفریق ہوئی تو مہر مؤکد ہوجائے گا اگر چہ اس کا باعث خود عورت ہو یا زوجین میں سے کسی کی موت ہوگئی تو بھی واجب شدہ مہر ساقط نہ ہوگا خلاصہ یہ ہے کہ خلوت صحیحہ اور زوجین میں سے کسی کی موت سے مہر مؤکد ہوجاتا ہے۔[۲]

خلوت صحیحہ کی تعریف

خلوت صحیحہ کا حاصل یہ ہے کہ نکاح صحیح کے بعد میاں بیوی دونوں ایسی جگہ جمع ہوجائیں جہاں باطمینان ہمبستری کرنے میں کوئی چیز مانع نہ ہو، نہ مانع حسی، نہ طبعی، نہ

---

[۱] (فتاوی دارالعلوم صفحہ ۲٤۷ جلد۸)

[۲] وتجب العشرة ان سماها او دونها ويجب لاكثر منها ان سمى الاكثر ويتاكد عند وطٔ او خلوت صحت من الزوج او موت لاحدهما (درمختار) (قوله ويتأكد) اى الواجب من العشرة او الاكثر وافاد ان المهر وجب بنفس العقد لكن مع احتمالٍ سقوطه بردتها او تقبيلها ابنه او تنصفه بطلاقها قبل الدخول وانما يتاكد لزوم تمامه بالوطٔ نحوه... واذا تاكد المهر بما ذكر لا يسقط بعد ذلك وان كانت الفرقة من قبلها لان البدل بعد تأكده لا يحتمل السقوط الا بالابراء كالثمن اذا تاكد بقبض المبيع (شامی ۲۳۳ جلد٤)

شرعی۔(مانع حسی) یہ ہے کہ دونوں اس قدر بیمار ہیں کہ جماع پر قدرت نہیں یا تو دونوں بالکل چھوٹے بچے ہیں یا بیوی کی شرمگاہ میں ایسی بڑھی ہوئی ہڈی ہے جو جماع کیلئے مانع ہے۔(مانع طبعی) یہ ہے کہ زوجین کے علاوہ کوئی تیسرا عقلمند آدمی موجود ہو یا تنہائی نہ ہو بلکہ کھلی جگہ یا کھلا مکان ہو۔(مانع شرعی) یہ ہے کہ شرعاً بیوی سے جماع کرنا جائز نہ ہو جیسے عورت کا حیض کی حالت میں ہونا یا زوجین یا دونوں میں سے کسی ایک کا حج کے احرام میں ہونا۔یا رمضان کے روزہ کی حالت میں ہونا یا فرض نماز میں مشغول ہونا وغیرہ وغیرہ۔

(نوٹ) ان میں سے بعض مثال بیک وقت تینوں کی مثال ہوسکتی ہے اور بعض دو کی اور بعض صرف ایک کی، علامہ شامی نے اس پر سیر حاصل کلام کیا ہے[۱]

زوجہ کا نفقہ

بیوی کا دوسرا حق شوہر پر نفقہ ہے اس سلسلے میں بہتر یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو ہم پیالہ وہم نوالہ بنائے دونوں ایک ساتھ رہیں حیثیت کے مطابق جو کچھ بھی میسر ہو اس میں دونوں گزارہ کریں جیسا کہ شریف گھرانے کا طریقہ ہے کہ شوہر کسب معاش کر کے جنسی سامان گھر میں مہیا کرتا ہے اور بیوی اپنی سلیقہ مندی اور ہوشیاری سے شوہر کے اس کمائے ہوئے مال کو ضائع ہونے سے بچاتی اور اس کی حفاظت کرتی ہے اور پورے گھرانے اور متعلقین کی ضروریات پوری کرتی ہے اس سلسلے میں حضور ﷺ کی ایک حدیث ہے ایک صحابی حضرت معاویہ قشیریؓ فرماتے ہیں۔

---

[۱] والخلوط ... کالوطئۃ بلا مانع حسی کمرض لاحدھما یمنع الوطٔ وطبعی کوجود ثالث عاقل... وشرعی کلحرام لفرض او نفل ومن الحسی رتق... وقرن... وعفل... وصغر ولو بزوج لایطلق معہ الجماع الخ (درمختار علی ھامش شامی ۲۴۹ تا ۲۵۰ جلد۴)

قلت یا رسول الله ما حق زوجة احدنا علیه قال ان تطعمها اذا طعمت وتکسوها اذا کتسیت ولا تضرب الوجه ولا تقبح ولا تهجر الا فی البیت (رواه احمد)[۱]

کہ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے اوپر ہماری بیوی کا کیا حق ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم کھاؤ تو اس کو بھی کھلاؤ اور جب تم پہنو تو اس کو بھی پہناؤ (یعنی کھانا کپڑا دونوں کا ایک جیسا ہو) اور اس کے چہرے پر مت مارو اور نہ اس کو برا کہو (اور نہ یہ کہو کہ اللہ تیرا برا کرے) اور اس سے صرف گھر کے اندر ہی علیحدگی اختیار کرو۔

آدمی پر جتنے حقوق ہیں ان میں سب سے پہلے اپنی بیوی اور گھر والے کا حق ہے حدیث میں ہے:

اذا اعطی الله احدکم خیراً فلیبدأ بنفسه واهل بیته [۲]

کہ جب اللہ تعالیٰ تم میں سے کسی کو مال ودولت عطا کرے تو اس کو چاہئے کہ پہلے اپنے نفس اور اپنی ذات سے اور اپنے اہل وعیال سے شروع کرے اور اس پر خرچ کرے پھر اس کے بعد دوسرے متعلقین اور فقراء ومساکین وغیرہ پر خرچ کرے۔

نفقہ کی مدت جو طے ہو

عورت کی درخواست پر حاکم یا قاضی نے شوہر پر ماہانہ نفقہ متعین کر دیا تو وہ مقررہ مقدار شوہر پر لازم ہوگی کہ ہر ماہ ادا کرے اگر ماہانہ مقرر نہیں کیا گیا بلکہ عورت روزانہ مطالبہ کرتی ہے تو شوہر پر روزانہ شام کے وقت اس کی ادائیگی ضروری ہوگی۔[۳]

[۱] (مشکوۃ صفحہ ۲۸۱ جلد۲)

[۲] مشکوۃ شریف صفحہ ۲۹۰ جلد۲

[۳] ولو فرضت لها النفقة مشاهرة یدفع الیها کل شهر فان لم یدفع وطلبت کل یوم کان لها ان تطالب عند المساء (عالم گیری صفحہ ۵۴۷ جلد۱ زکریا)

نفقہ کا معیار

نفقہ عورت کا حق ہے اس لئے اتنی مقدار کا لحاظ کرنا شوہر پر ضروری ہے جن کے ذریعہ بغیر کسی اسراف وتنگی کے عورت اپنا گزارہ کرلے، رہا معیار کا مسئلہ تو چونکہ نفقہ کا ذمہ دار مرد ہوتا ہے اس لئے اس کی حیثیت اور آمدنی کے لحاظ سے اس پر واجب ہوگا مگر عورتوں کا لحاظ بھی کرنا پڑے گا قرآن میں ہے (علی الموسع قدرہ وعلی المقتر قدرہ) خوش حال پر اس کی وسعت کے مطابق نفقہ ہے اور مفلس پر اس کی استطاعت کے مطابق ایسے فقہاء نے خوش حالی وتنگ دستی کے اعتبار سے اس کی چار صورتیں بیان کی ہیں ہر ایک کا حکم بھی الگ الگ ہے۔(۱) اگر میاں بیوی دونوں کی مالی حالت اچھی ہے تو شوہر پر اچھی حیثیت کا نفقہ واجب ہوگا۔(۲) اگر دونوں تنگ دست ہیں تو تنگ دستی والا ہی نفقہ واجب ہوگا۔[۱] (۳) اگر شوہر خوشحال اور بیوی تنگ دست ہو تو صحیح بات یہ ہے کہ درمیانی درجہ کا نفقہ واجب ہوگا ایسا نہیں کہ شوہر بخل کی وجہ سے عورت کی غربت سے فائدہ اٹھا کر اس کو غربت اور تکلیف میں رکھے بلکہ عورت کو قانوناً اپنے شوہر سے زائد نفقہ کے مطالبہ کا حق ہوگا۔[۲]

بہتر اور مستحب یہ ہے کہ جب مرد مالدار اور عورت غریب ہے تو اس کو اپنے ساتھ ہی کھلائے پلائے۔[۳]

(۴) چوتھی صورت یہ ہے کہ مرد تنگ دست غریب اور عورت مالدار اور خوشحال گھرانے کی ہے تو اس وقت شوہر اپنی حیثیت کے مطابق تنگدستی والا ہی نفقہ ادا کرے گا مگر عورت کی خوشحالی کے اعتبار سے باقی نفقہ شوہر کے ذمہ قرض رہے گا لیکن

۱؎ حتی کان لها نفقة اليسار ان كان موسرين ونفقة العسار ان كان معسرين (عالم گیری صفحه ٥٤٧ تا ٥٤٨ جلد١ . زکریا)

۲؎ وان كانت المرأة معسرة والزوج موسرا فنفقتها دون نفقة الموسرات وفوق نفقة المعسراة (عمدة الرعاية على شرح الوقايه صفحه ١٥٠ جلد٢ حاشیه ٦)

۳؎ والمستحب للزوج اذا كان موسرا مفرط اليسار والمرأة فقيرة ان ياكل معها ما ياكل بنفسه (عالم گیری صفحه ٥٤٨ جلد١)

عورت کا اخلاقی فریضہ ہے کہ شوہر سے زیادہ نفقہ کا مطالبہ نہ کرے ورنہ مرد حرام ذریعۂ آمدنی تلاش کرنے پر مجبور ہوگا یا شوہر تنگ ہوکر بیوی کو بوجھ محسوس کرے گا پھر دونوں کی زندگی بے مزہ اور تعلقات میں تلخی آجائے گی اور شادی کا جو مقصد ہے وہ فوت ہوکر رہ جائے گا۔[1]

خوشحالی اور تنگ دستی میں اختلاف ہوتو

اگر شوہر اور بیوی کے درمیان تنگ دستی اور خوشحالی کی بابت اختلاف ہوجائے شوہر کہے کہ میں تنگ دست ہوں اس لئے تنگ دستی والا ہی نفقہ دونگا اور عورت کہے کہ نہیں تم خوشحال ہو اس لئے خوشحالی والا نفقہ ہی دینا پڑے گا اور معاملہ قاضی کی عدالت میں پہونچے اور بیوی اپنے دعوی پر گواہ پیش کردے تو بیوی کے قول کا اعتبار ہوگا اگر عورت دعوی پر گواہ پیش نہ کرسکے تو پھر شوہر کے قول کا اعتبار کرکے تنگ دستی والا ہی نفقہ واجب کیا جائے گا اور اگر دونوں نے گواہ پیش کردیا تو عورت کی گواہی کا اعتبار ہوگا۔

نیز اگر حاکم اور قاضی نے شوہر کی تنگدستی کیوجہ سے تنگدستی والا نفقہ مقرر کردیا پھر شوہر خوشحال ہوگیا اور بیوی نے اس کے بعد خوشحالی کے نفقہ کا مطالبہ کیا تو شوہر پر خوشحالی کا نفقہ مقرر کیا جائے گا اگر شوہر کی خوشحالی کی وجہ سے خوشحالی کا نفقہ مقرر کیا گیا تھا مگر بعد میں تنگ دست ہوگیا تو تنگ دستی والا نفقہ ہی بعد میں متعین کیا جائے گا۔[2]

---

[1] اذا کان معسرا وهی موسرة سلم لها قدر نفقة المعسرات فی الحال والزوائد یبقی دینا فی ذمته کذا فی التبین (عالم گیری صفحه ٥٤٨ جلد١ ۔ زکریا)

[2] وان قال انا معسر وعلی نفقة المعسرین کان القول قوله الا ان تقیم المرأة البینة علی یساره فان اقامت المرأة البینة انه موسر قضی علیه بنفقة الموسرین وان اقاما البینة کانت البینة المرأة الخ واذا قضی القاضی بنفقة الاعسار ثم ایسر فخاصمته تمم لها نفقة الموسر کذا فی الکافی (عالم گیری صفحه ٥٤٨ جلد١ ۔ زکریا)

عورت کی خادمہ کا نفقہ

اگر عورت کے ساتھ خادم یا خادمہ ہے اور شوہر خوشحال اور عورت کمزور ہے تو شوہر پر خادم اور خادمہ کا نفقہ بھی واجب ہوگا اور اگر مرد خوشحال نہیں تنگ دست ہے یا عورت مالی اعتبار سے کمزور نہیں ہے تو پھر عورت کے خادم اور خادمہ کا نفقہ اس پر واجب نہیں ہوگا۔[۱]

عسر اور یسر کا معیار

عسر اور یسر یعنی خوشحالی اور تنگ حالی کا معیار یہ نہیں ہے کہ وہ زکوۃ کے نصاب کا مالک ہو تو غنی اور خوشحال۔ اور مالک نصاب نہیں تو تنگ حال ہے بلکہ خوشحالی اور تنگ حالی کا معیار صدقۂ فطر اور قربانی کا وجوب وعدم وجوب ہے یعنی اگر اس پر صدقۂ فطر اور قربانی واجب ہے تو خوشحال شمار ہوگا یعنی ضرورت اصلیہ سے زائد اتنا مال ہو کہ ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونے کے برابر ہو جاتا ہو اگر چہ اس پر سال نہ گزرا ہو تو اس پر صدقۃ الفطر اور قربانی واجب ہوتی ہے اسی کو خوشحال سمجھا جائے گا۔[۲]

نفقہ کی مقدار

جیسا کہ اوپر آچکا ہے کہ میاں بیوی کی خوشحالی اور مفلسی کے لحاظ سے نفقہ واجب ہوتا ہے اس لئے نفقہ کی کوئی مقدار شرعاً متعین نہیں ہے باہمی مصالحت اور مسلمانوں کی جماعت کے مشورہ سے اتنی مقدار نفقہ کی طے کی جائے جس پر اچھی

---

[۱] اذا كان زوج المرأة موسرا ولها خادم فرض عليه نفقة الخادم الخ ولو كان الزوج معسرا لا تجب عليه نفقة خادمها (عالم گیری صفحه ٥٤٧ جلد١۔ زکریا)

[۲] والغنى الذى تجب به صدقة الفطر والاضحية وتحرم به على صاحبه اخذ الصدقة هو ان يملك ما يساوى مأتى درهم فاضلاعن حاجته (عمده الرعاية على شرح الوقايه ص ١٥١ جلد٢) حاشيه ١١

طرح بیوی کا گزر ہو سکے اور اس مقدار کو شوہر تسلیم بھی کرلے تو وہی مقدار نفقہ کی ہوگی۔
مسئلہ: بنابریں قاضی نے مہنگائی کے وقت کا نفقہ طے کیا مگر بعد میں ارزانی کا زمانہ آگیا تو جو زیادتی ہے وہ ساقط ہو جائے گی مگر قاضی کا فیصلہ باطل نہیں ہوگا اسی طرح اس کے برعکس قاضی نے ارزانی کے زمانہ کا نفقہ طے کیا بعد میں مہنگائی ہوگئی تو عورت زیادتی کا مطالبہ کرسکتی ہے اسی طرح کوئی متعین چیز دی کہ اسی سے اپنی سب ضروریات پوری کرو تو مہنگائی کی وجہ سے شوہر کمی پوری کرے اور ارزانی کی وجہ سے باقی ماندہ واپس لے۔[1]

آرائش وزیبائش کی چیزوں کا حکم

کھانے کپڑے مثلاً ماکولات آٹا، چاول، پانی، نمک، لکڑی، تیل، سالن وغیرہ تو واجب ہے ہی مگر اس کے علاوہ آرائش وزیبائش کی وہ چیزیں جو عورتوں کی صحت اور اس کی صفائی ستھرائی کیلئے ضروری ہوتی ہیں وہ بھی نفقہ میں داخل ہیں مرد کو اس کا انتظام کرنا ضروری ہے مثلاً صابن، وضو اور غسل کا پانی کپڑا دھونے اور کھانا پکانے کا پانی اسی طرح سر میں لگانے والا تیل کنگھی وغیرہ۔

جس سے صرف آرائش مقصود ہے

البتہ وہ سامان جو صرف آرائش وزیبائش کا ہو اور اس کے بغیر بھی کام چل سکتا ہو اور صحت وغیرہ کو اس میں کوئی دخل نہ ہو تو اس کا پورا کرنا مرد پر ضروری نہیں مثلاً پان تمباکو، پاؤڈر، لپسٹک، سرمہ، خضاب، عطر وغیرہ اس کا انتظام مرد پر واجب نہیں ہاں اگر

---

[1] ویقدرها بقدر الغلاء والرخص (درمختار) ای یراعی کل وقت او مکان بما ینلسبه وفی البزازیه اذا فرض القاضی النفقة ثم رخص تسقط الزیادة ولا یبطل القضاء ه وبالعکس لها طلب الزیادة وکذا لوصالحته علی شئ معلوم ثم غلا السعر او رخص کما سیذکر المصنف والشارح قوله ولا تقدر بدراهم ودنانیر ای لا تقدر بشئ معین بحیث لا تزید ولا تنقص فی کل مکان وزمان... وانما علی القاضی فی زماننا اعتبار الکفایة بالمعروف (شامی صفحه ۲۹۶ تا۲۹۷ جلد۵)

مرد عورت سے زیب وزینت کا مطالبہ کرے اور یہ سامان لاکردے بھی دے تو عورت پر اس کا استعمال کرنا لازم ہوگا۔

دھوبی کا خرچ

مردوں کے ذمہ کپڑا دھونے کیلئے صابن اور پانی کا انتظام کردینا ہے اب عورت اپنے ہاتھ سے کپڑا دھوکر پہنے دھوبی کی تنخواہ اور استری وغیرہ کا خرچ مرد پر نہیں ہے۔

علاج کا خرچہ

اسی طرح شوہر پر زوجہ مریضہ کی دوا اور علاج کرانا فصد اور حجامت وغیرہ کی اجرت واجب نہیں اگر شوہر علاج کرادیتا ہے تو اس کا احسان ہے ورنہ عورت خود اپنے خرچ سے دوا وغیرہ لے۔

دائی جنائی کی مزدوری

بچہ پیدا ہونے کے وقت جو دائی آتی ہے اس کی مزدوری اور فیس اس پر واجب ہے جو بلائے اگر مرد نے بلوایا ہے تو مرد پر واجب ہے اور اگر عورت نے بلوایا ہے تو اسی پر واجب ہوگی شوہر پر واجب نہیں ہوگی ہاں اگر بغیر بلائے ہوئے خود سے آجائے تو اس کی اجرت مرد پر واجب ہے[1]

---

[1] والنفقة والواجبة الماكول والملبوس والسكنى اما الماكول فالدقيق والماء والملح والحطب والدهن كذا فى التتارخانية وكما يفرض لها قدر الكفاية من الطعام كذالك من الادام كذا فى فتح القدير ويجب لها ما تنظف به وتزيل الوسخ كالمشط والدهن وما تغسل به الرأس من السدر والخطمى وما تزيل به الدرن كالاشنان والصابون على عادة اهل البلد واما ما يقصد به التلذذ والا ستمتاع مثل الخضاب والكحل فلا يلزمه بل هو على اختياره ان شاء هياه لها وان شاء تركه فاذا هياه لها فعليها استعماله واما الطيب فلا يجب عليه منه الا ما يقطع به السهوكة لا غير الخ ولا يجب الدواء للمرض ولا اجرة الطبيب ولا الفصد ولا الحجامة كذا فى السراج الوهاج وعليه من الماء ما تغسل به ثيابها وبدنها من الوسخ... ثمن ماء الاغتسال على الزوج وكذا ماء وضوئها عليه غنية كانت او فقيرة الخ ولجرة القابلة عليها ان استاجرتها ولو استاجرها الزوج فعليه وان حضرت بلا اجازة فلقائل ان يقول على الزوج لانه مؤنة الوط (عالم گیری صفحہ ٥٤٩ جلد١۔ زکریا)

بیماری کے زمانے کا نفقہ

علاج کا خرچ شوہر پر تو واجب نہیں مگر بیماری کے زمانے کا نفقہ شوہر پر لازم ہے وہ لے سکتی ہے چاہے مرد کے گھر بیماری کا زمانہ گزارے یا اپنے میکے سے بیمار ہوکر آئی ہولیکن اگر بیماری کی حالت میں شوہر نے میکے سے اپنے گھر بلایا اور کسی طرح شوہر کے گھر جانے پر قدرت کے باوجود نہیں آئی تو نفقہ کی مستحق نہیں ہوگی البتہ شوہر کے یہاں جانا کسی طرح ممکن نہیں تو معذور ہے اس صورت میں نفقہ سے محروم نہیں ہوگی۔[1]

بعد کے علماء کی نئی تحقیق

علماء متقدمین ومحققین نے فیصلہ صادر فرمایا ہے کہ کپڑے کی دھلائی یعنی دھوبی کا صرفہ اور مرض کی وجہ سے علاج کا صرفہ اسی طرح بچے جننے کے وقت اگر دائی کو عورت نے بلایا ہے تو اسکی مزدوری وغیرہ شوہر پر نہیں اگر شوہر دیدے تو اس کا تبرع واحسان ہے۔

مگر بعد کے علماء نے کہا ہے کہ ان تمام چیزوں کی ذمہ داری بھی مرد پر ڈالنی چاہئے اور عورت کیلئے اس کا استحقاق ہونا چاہئے کیونکہ جب عورت کی کمزوری اور اسکی حیثیت اور مرد کی خوشحالی کا لحاظ کر کے ایک خادم مل سکتا ہے تو کپڑے کی دھلائی کیوں نہیں مل سکتی اسی طرح بالغ لڑکے کا نفقہ باپ پر واجب نہیں ہے مگر لڑکا بیمار ہوجائے تو اس کا علاج کرانا باپ پر واجب ہوتا ہے، یہ تو لڑکے کا مسئلہ ہے اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ ہے کہ جب مضارب بیمار ہوجائے تو اس کو علاج کا خرچہ فقہاء نے دلوایا ہے کیونکہ بغیر اس کے کام نہیں چل سکتا تو اسی طرح عورت سے مرد کو جو فائدہ ہے اس کا لحاظ کر کے اس کا بار مرد پر کیوں نہ ڈالا جائے جبکہ علاج کی اہمیت حدیث میں کثرت سے وارد ہے اسی طرح بچہ کے دودھ پلانے کی اجرت اور نفقہ شوہر پر واجب ہے تو

---

[1] او مرضت فی بیت الزوج فان لها النفقة (درمختلر) والا لای وان امکن نقلها الی بیت الزوج بمحفة ونحوها فلم تنتقل لانفقة لها کما فی البحر لمنعهانفسها عن النقلة مع القدرة بخلاف ما اذا لم تقدر اصلا (شامی ص ۲۸۵ ج ۵ . زکریا

پھر ولادت کے تمام اخراجات مرد پر کیوں واجب نہیں ہونگے جبکہ یہ مرحلہ بہت نازک ہوتا ہے ذرا سی بے احتیاطی سے عورت اور بچہ کی جان خطرہ میں پڑ جانیکا اندیشہ ہے بیوی کے علاج اور اس کی صحت کا لحاظ کرنے کیلئے سارا نظم ونسق کا فائدہ عورت ہی کو نہیں بلکہ شوہر اور تمام گھر والوں کو پہنچتا ہے تو اس کو علاج وغیرہ کے بغیر بے سہارا ہی چھوڑ دینا یا ماں باپ پر بارڈال دینا یہ کونسا مناسب طریقہ ہے اس لیے یہ چیزیں شوہر پر لازم ہونی چاہئے فقہاء متقدمین کی وہ باتیں جب تھیں جبکہ پیچیدہ امراض اور کمزور جسم نہیں تھے مگر اب حالات بدل گئے آئے دن نت نئی بیماریاں وجود میں آرہی ہیں اس فقہاء متقدمین کے وہ فیصلے اب نافذ نہیں ہوں گے یہ مسئلہ علامہ شامی کے اس جزئیہ سے ثابت ہوسکتا ہے (اظهر لی ترجیح الاول لان نفع القابلة معظمة یعود الی الولد فیکون علی ابیه)[۱]

شوہر پر مالدار بیوی کا بھی نفقہ واجب ہے

شوہر پر اپنی بیوی کا نفقہ، کسوہ اور سکنی ہر حال میں واجب ہے چاہے عورت خود غنی اور مالدار کیوں نہ ہو اسی وجہ سے قرآن میں فرمایا گیا ہے (عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ[۲]) یعنی مالداروں پر اس کی استطاعت کے مطابق اور مفلس پر اس کی استطاعت کے موافق بیوی کا نفقہ لازم ہے آپ ؐ نے حجۃ الوداع کے موقع پر بلیغ انداز میں عورتوں کے حقوق کو لازم کرتے ہوئے فرمایا (لهن علیکم رزقهن و کسوتهن بالمعروف[۳]) حسب ضابطہ عورتوں کا کھانا، لباس تم پر واجب ہے۔ ہاں البتہ اگر عورت خوشدلی سے اپنا حق معاف کردے تو شوہر سبکدوش ہوجائے گا قرآن میں ہے (الا ان یعفون) یعنی تم اس کا نفقہ ادا کرتے رہو الا یہ کہ وہ خود معاف کردے۔

---

۱ شامی صفحہ ۸۹۳ جلد۱
۲ سورۃ بقرہ آیت ۲۳۶
۳ مسلم شریف ۳۹۷ جلد ۱

ملازمت وغیرہ کرنے والی خواتین کا نفقہ

اوپر کے بیان کردہ قاعدہ سے یہ مسئلہ زیر بحث آتا ہے کہ اگر کوئی خاتون ملازمت کرے یا کوئی صنعت وحرفت میں اپنے آپ کو مشغول رکھے تو ایسی عورت کا نفقہ شوہر پر واجب ہوگا یا نہیں تو اس کی دو صورتیں ہیں۔

(۱) پہلی صورت تو یہ ہے کہ اس کام کاج اور صنعت وحرفت کیلئے عورت باہر نہیں نکلتی گھر ہی میں سوت کات کر کپڑا سوئٹر ٹوپی وغیرہ سامان بنا کر فروخت کرتی ہے جس کی وجہ سے شوہر سے متعلق ذمہ داریاں اچھی طرح پوری کرتی ہے کمی نہیں کرتی جس وقت اس کو طلب کرے حاضر ہو جاتی ہے تو ایسی عورت نفقہ کی مستحق ہوگی۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ عورت ملازمت کرنے باہر جاتی ہے مثلاً کسی اسکول میں پڑھاتی ہے یا کسی اسپتال میں نرس یا ڈاکٹر ہے یا کہیں مزدوری کرتی ہے یا کھیت میں کام کاج وغیرہ کرتی ہے ان ملازمتوں اور کام کاج کے سبب دن بھر مشغول رہتی ہے صرف رات میں آتی ہے یا رات کو ڈیوٹی دیتی ہو اور دن میں گھر رہتی ہو تو ان تمام صورتوں میں چونکہ شوہر سے متعلقہ ذمہ داریاں اچھی طرح ادا نہیں کر پاتی اور اپنے آپ کو مکمل طور پر اس کے سپرد نہیں کرتی ناقص تسلیم ہے اور یہ کام بغیر شوہر کی اجازت اور رضامندی سے کرتی ہے تو ایسی عورت کا نفقہ شوہر پر واجب نہیں ہاں اگر شوہر کی اجازت اور رضامندی سے یہ سب کام کاج کر رہی ہے اور شوہر نے اس ناقص سپردگی کو تسلیم کر لیا ہے تو اس وقت عورت کا نفقہ ان ملازمتوں کے باوجود بھی شوہر پر واجب رہے گا۔

مگر ایک بات ملحوظ رہے کہ یہ اجازت دائمی نہ ہوگی یعنی اگر شوہر نے شروع میں اجازت دیدی تھی پھر بعد میں ملازمت وغیرہ سے روکنا چاہے تو روک سکتا ہے اگر روکنے کے بعد بھی وہ نہیں مانتی ملازمت مزدوری وغیرہ میں مشغول رہتی ہے تو پھر نفقہ کی

مستحق نہیں ہوگی۔

اگر کسی شخص نے یہ جان کر کہ اس کی ہونے والی بیوی ملازمت کرتی ہے پھر اس سے نکاح کرلیا تو سمجھا جائے گا کہ شوہر اس کی ملازمت پر راضی ہے اس لئے عورت کا نفقہ برقرار رہے گا پھر اگر بعد میں شوہر نے اس ملازمت سے روک دیا اور عورت رک گئی تو ٹھیک ورنہ بصورت عدم تعمیل حکم مستحق نفقہ نہیں ہوگی ہاں پہلے کی مدت میں ملازمت شوہر کی اجازت سے کی تھی تو پہلی مدت کا بقیہ نفقہ ملے گا بعد والی مدت کا نفقہ نہیں ملے گا۔[1]

ملازمت وغیرہ کرنے کیلئے بدرجہ مجبوری پردہ کے ساتھ باہر نکل سکتی ہے پردہ کا بھرپور اہتمام شرط ہے بے پردگی کے ساتھ باہر نکلنا جس سے غیر محرم مرد کا اسکی طرف میلان ہو اور گناہ میں مبتلا ہونے کا داعیہ پیدا ہو تو پھر قطعاً باہر نکلنے کی اجازت نہیں ہے اس وقت باہر نکلنا حرام ہوگا قرآن میں بھی ہے (وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی [2]) کہ تم اپنے گھروں میں (یعنی پردہ کیساتھ) رہو جاہلیت اولیٰ کی طرح بن سنور کر نہ پھرو۔

نفقہ عورت کے قبضہ میں آنے کے بعد اس کی ملکیت ہوجاتی ہے

جب مرد نے عورت کو ایک ماہ کا نفقہ دیکر مالک بنادیا تو وہ عورت کی ملکیت میں آگیا اب اگر عورت کے خرچ کرنے کے بعد اس میں سے کچھ بچ گیا یا عورت نے جان کر بچالیا تو یہ بچا ہوا مال عورت کا ہے اس کو مرد واپس نہیں لے سکتا اور نہ آئندہ نفقہ میں شامل کر کے اس کے بقدر وضع کرسکتا ہے لیکن اگر عورت نے خرچ کرنے میں اتنی بخالت کی کہ اس کی صحت پر اثر پڑ گیا دُبلی ہوگئی یا اس کا رنگ روپ خراب ہوگیا تو شوہر کا قانونی حق ہے کہ بخل سے منع کرے کیونکہ عورت کا حسن و جمال شوہر کا ضروری حق ہے

[1] (بحث ونظر مجله اکتوبر نومبر دسمبر ۱۹۹۰ء) [2] سورة الاحزاب آیت ۳۳

اس کو وہ قصداً ضائع نہیں کرسکتی۔[۱]

مدت سے قبل نفقہ ضائع کردے

اگر شوہر نے ایک ماہ کا نفقہ دیدیا اور اس نے بیس ہی روز میں ختم کردیا اسی طرح کپڑا سال بھر کا دیدیا اس نے چھ ماہ میں ہی پھاڑ دیا یا نفقہ اور کسوہ لاپرواہی کی وجہ سے چوری ہوگیا تو شوہر اس کا ذمہ دار نہیں اور نہ عورت کو دوبارہ مطالبہ کا حق ہوگا۔[۲]

جان بوجھ کر شوہر کا نفقہ ادا نہ کرنا

اگر شوہر قصداً نفقہ ادا نہیں کرتا اور عورت مجبور ہورہی ہے اپنا اور اپنے بچوں کی ضروریات کا کوئی ذریعہ نہیں پاتی تو حاکم کے پاس شکایت کردے حاکم نالش کر کے شوہر سے نفقہ مقرر کرائے یا تو طلاق دلوادے۔[۳]

غائب شوہر کے مال سے عورت نفقہ لے سکتی ہے

شوہر اپنے بیوی بچے کے نفقہ میں بخل سے کام لیتا ہے ضرورت کے مطابق نہیں دیتا یا اسی طرح اگر کوئی شوہر نفقہ دیئے بغیر باہر چلا گیا اس کے بیوی بچے کے اخراجات کا کوئی انتظام نہیں ہے تو اس صورت میں شوہر کی ملکیت سے (کوئی ایسی چیز جس کو فروخت کئے بغیر صرف کیا جاسکتا ہے جیسے روپیہ اناج کپڑا وغیرہ) شوہر کی اجازت کے بغیر عورت خرچ کرسکتی ہے اس سلسلے میں حضرت عائشہؓ سے ایک حدیث

---

[۱] وفیہ لو قترت علی نفسھا فلہ ان یرفعھا للقاضی لتأکل مما فرض لھا خوفا علیھا من الھزال فانہ یضرہ کما لہ ان یرفعھا للقاضی للبس الثوب لان الزینۃ حقہ (درمختار علی ھامش شامی صفحہ ۲۹۷ جلد ٥)

[۲] ولو ضاعت الکسوۃ او النفقۃ او سرقت لم یجدد غیرھا حتی یمضی الفصل (عالم گیری صفحہ ٥٥٦ جلد۱

[۳] فتجب للزوجۃ بنکاح صحیح علی زوجھا (درمختار علی ھامش شامی صفحہ ۲۷۸ جلد٥) ویجب لوفات الامساک بالمعروف (درمختار علی ھامش شامی صفحہ ٤۲۸ تا ٤۲۹ جلد٤)

بھی منقول ہے کہ ابوسفیان کی بیوی ہندہ بنت عتبہ نے حضور ﷺ کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ۔

یا رسول الله ان ابا سفیان رجل شحیح ولیس یعطینی ما یکفینی وولدی الا مااخذت منه وهو لایعلم فقال خذی ما یکفیک وولدک بالمعروف[۱]

یا رسول اللہ ﷺ میرا شوہر ابوسفیان بہت بخیل اور حریص ہے وہ مجھے اتنا خرچ نہیں دیتا جو مجھے اور میری اولاد کی ضرورت کیلئے کافی ہو البتہ اگر میں اس کے مال سے خود کچھ نکال لوں کہ اس کو خبر نہ ہو تو ہماری ضرورت پوری ہو جاتی ہے تو آپ نے فرمایا تمہاری اور تمہاری اولاد کی ضرورت جتنے مال سے پوری ہوتی ہو اتنا لے لو جو شریعت کے مطابق (یعنی اوسط درجہ کا) ہو۔[۲]

اور اگر شوہر کی ملکیت میں ایسی چیز ہے کہ جسے فروخت کئے بغیر خرچ نہیں کیا جاسکتا (جیسے زمین مکان یا دیگر سامان) تو بیوی اپنے مصارف کیلئے بیچ نہیں سکتی ایسی صورت میں وہ حاکم کے پاس درخواست پیش کرے اور غائب کے ساتھ اپنا نکاح شہادت شرعیہ سے ثابت کرے اور اس پر قسم اٹھائے کہ اس کے شوہر نے نفقہ کا کوئی انتظام نہیں کیا ہے پھر حاکم اس کی ضمانت لے تا کہ شوہر کا نفقہ دینا ثابت ہو جائے اور بعد میں شوہر ضامن سے رجوع کر سکے اس کے بعد حاکم بیوی کو حکم دے کہ قرض لیکر مصارف کا انتظام کرے۔ اس قرض کی واپسی شوہر کے ذمہ ہوگی۔ اور مصارف کے مقدار کی تعیین بھی حاکم کریگا۔

(نوٹ) یہ حکم تو بیوی بچے کے نفقہ کا ہے کہ بغیر قضاء قاضی کے بھی وہ مال لے

---

[۱] (مشکوۃ صفحہ ۲۹۰ جلد۲)

[۲] فی کل موضع کان للقاضی ان یقضی لها بالنفقة فی مال الزوج فلها ان تأخذ من مال الزوج ما یکفیها بالمعروف بغیر قضاء (عالم گیری صفحہ ۵۵۰ جلد۱)

سکتے ہیں مگر دوسرے رشتہ دار ذی رحم محرم کا حکم آگے آئے گا کہ وہ بغیر قضاء قاضی کے مطلقاً مال نہیں لے سکتے خواہ ایسا سامان ہی کیوں نہ ہو جو بغیر فروخت کئے ہوئے بھی صرف کیا جا سکتا ہو۔[۱]

اگر حاکم سے اجازت لینی مشکل ہو تو شرعی پنچایت حاکم کے قائم مقام ہو سکتی ہے اور اگر کوئی صورت بھی نہ بن سکے مثلاً کوئی قرض دینے پر راضی نہ ہو تو کلام فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ سے عورت کو شوہر کا مال و جائداد فروخت کرنے کی اجازت معلوم ہوتی ہے۔[۲]

گزشتہ نفقہ لینے کا حکم

اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو بغیر نفقہ دیئے کہیں چلا گیا پھر کئی سال کے بعد واپس آیا تو کیا گزشتہ دنوں کا نفقہ شوہر پر واجب ہے کہ وہ اس نفقہ کو ادا کرے تو اس کا حکم کتب فقہ میں یوں ہے کہ پچھلا نفقہ قاضی کے متعین کئے بغیر یا زوجین کی رضامندی کے بغیر کوئی متعین مقدار شوہر پر واجب نہیں ہوتا ہے اس لئے بغیر قضاء قاضی اور بغیر رضاء شوہر کے گزشتہ وقت کا نفقہ طلب کرنے کا حق عورت کو نہیں ہو سکتا کیونکہ ایک ماہ یا

---

[۱] (قوله فلا تفرض لمملوكه واخيه) المراد به كل ذى رحم محرم مما سوى قرابة الولاد لان نفقتهم لا تجب قبل القضاء ولهذا ليس لهم ان ياخذوا من ماله شيئاً قبل القضاء اذا ظفروا به فكان القضاء فى حقهم ابتداء ايجاب ولا يجوز ذالك على الغائب بخلاف الزوجة وقرابة الولاد لان لهم الاخذ قبل القضاء بلا رضاه فيكون القضاء فى حقهم اعانة وفتوى عن القاضى كما فى الدرر وقال تحت (قوله عند او على الخ) وقيد بكون المال عند شخص اذ لو كان فى بيته وعلم القاضى بالنكاح فرض لها فيه لانه ايفا لحقها لا قضاء على الزوج بالنفقة كما لو اقربدين ثم غاب وله من جنسه مال فى بيته يقضى لصاحب الدين فيه بحر (رد المحتار صفحه ۷۲۳ جلد۲ ماخوذ احسن الفتاوى ص ٤٦٨ ج٥)

[۲] كما فى حظر شرح التنوير ليس لذى الحق ان يأخذ غير جنس حقه وجوزه الشافعى رحمه الله تعالى وهو الاوسع وفى الشاميه (قول وجوزه الشافعى) قد منا فى كتاب الحجر ان عدم الجواز كان فى زمانهم اما اليوم فالفتوى على الجواز (رد المحتار صفحه ۳۰۰ جلد٥ ماخوذ احسن الفتاوى صفحه ٤٦٨ تا ٤٦٩ جلد٥)

اس سے زائد دن گزر جانے سے بیوی کا گزشتہ نفقہ ساقط ہو جائے گا ہاں اگر قاضی نے نفقہ کی مقدار متعین کر دی یا زوجین نے باتفاق رائے کوئی مقدار متعین کر لی تو نفقہ ساقط نہیں ہوگا۔[1]

کونسی عورت نفقہ کی مستحق ہے اور کونسی نہیں

مرد پر اپنی بیوی کا نفقہ یعنی کھانا، پانی، لباس وغیرہ کا خرچ دینا واجب ہے چاہے بیوی مسلمان ہو یا کتابیہ، غریب ہو یا مالدار خواہ اس عورت سے دخول کیا ہو یا نہ کیا ہو بیوی شوہر سے عمر میں چھوٹی ہو یا بڑی مثلاً شوہر تو نابالغ ہے مگر بیوی بالغہ ہے اگر چہ بالغہ لڑکی شوہر کے گھر نہ آتی ہو میکے ہی میں ہو۔ اسی طرح لڑکی نابالغہ ہے مگر اتنی بڑی ہے کہ اس کے مثل لڑکی سے جماع کیا جا سکتا ہے یا اسی طرح بیوی آزاد ہو یا مکاتبہ تو ان تمام صورتوں میں ان عورتوں کو نفقہ ملے گا۔ مگر نفقہ کے واجب ہونے کی شرط یہ ہے کہ بیوی اپنے آپ کو شوہر کے حوالے کر دے یا شوہر کے گھر لیجانے پر چلی جائے یا سپرد کرنے کے قابل تو ہے مگر اپنے آپ کو اس کے سپرد نہیں کر رہی ہے کہ اس کا کوئی حق ہے۔ جس کو شوہر پورا نہیں کر رہا ہے مثلاً عورت کا مہر شوہر کے ذمہ باقی ہے عورت مطالبہ کرتی ہے شوہر نہیں دیتا تو ایسی عورت نفقہ کی مستحق ہوگی خواہ والدین کے گھر ہی کیوں نہ ہو اسی طرح عورت کے میکے میں رہتے ہوئے بھی نفقہ شوہر پر واجب ہوگا جبکہ لڑکی بڑی ہو اور شوہر خود سپرد کرنے کا مطالبہ نہ کرتا ہو اور اگر مہر مؤجل (ادھار) ہے یا اس نے خود مہر معاف کر دیا یا ہبہ کر دیا تو اب اس کو کوئی عذر نہیں ہے کہ وہ سپردگی سے انکار کر دے (بشرطیکہ وہ بڑی بھی ہو) ایسی صورت میں اگر عورت بلا کسی وجہ کے اپنے آپ کو شوہر

---

[1] (وقد علم من هذا) لنها بعد القضاء لا تسقط بمضى المدة سواء كانت شهراً او اكثر او اقل نعم تسقط نفقتها بمضى المدة قبل القضاء ان كانت شهراً فاكثر كما قد مناه عند قول المصنف والنفقة لا تصير دينا الا بالقضاء والحاصل ان نفقة الزوجة قبل القضاء كنفقة الاقارب بعد القضاء فى انها تسقط بمضى المدة الطويلة (رد المحتار ص ٧٤٥ ج٢ ملخوذ لحسن الفتاوى ص ٤٦٣ ج ٥)

کے حوالہ کرنے سے انکار کرے اور اس کے گھر نہ جائے تو یہ ناشزہ ہے نفقہ کی مستحق نہیں ہوگی اسی طرح لڑکی نابالغہ ہے کہ جماع اس سے نہیں کیا جاسکتا ہے اور وہ ابھی میکے میں ہے تو پھر اس کا نفقہ شوہر پر واجب نہیں اگر اخلاقاً دیدیا تو احسان ہے البتہ اگر شوہر نے دل بہلانے یا کسی ضرورت کی وجہ سے اس نابالغہ کو اپنے گھر بلالیا تو پھر شوہر پر نفقہ واجب ہوگا اگرچہ لڑکی جماع کے لائق نہ ہو۔

(نوٹ) جو لڑکی قابل جماع نہیں اس کی عمر نو سال سے کم ہے اگر نو سال ہوگئے تو پھر کبیرہ میں شمار ہوکر نفقہ واجب ہوجائے گا مگر صحیح قول یہ ہے کہ جتنی عمر میں جماع پر قدرت ہو یا جماع کا احتمال پیدا ہوجائے کبیرہ شمار ہوگی [۱]

رخصتی سے قبل بھی نفقہ کی مستحق ہوگی

اگر بالغہ لڑکی کا نکاح ہوچکا مگر رخصتی نہیں ہوئی ہے تو بھی نفقہ پانے کی مستحق ہوگی البتہ اگر شوہر نے رخصتی کرانا چاہا پھر بھی رخصت نہ ہوئی تو یہ ناشزہ ہوگی اور نفقہ پانے کی مستحق نہیں ہوگی ہاں اگر شوہر نے رخصتی کراکر لایا اور پھر میکے اپنی رضامندی سے بھیج دیا یا عورت خود شوہر کی اجازت اور رضامندی سے چلی گئی تو اس وقت میکے میں

[۱] تجب على الرجل نفقة امرأته المسلمة والذمية والفقيره والغنية دخل بها ولم يدخل كبيرة كانت المرأة او صغيرة يجامع مثلها كذا فى فتاوى قاضيخان سواء كانت حرة او مكاتبة... تكلموا فى تفسير البلوغ مبلغ الجماع والمختار انها مالم تبلغ تسعا لم تبلغ مبلغ الجماع وعليه الفتوى... والصحيح انه لاعبرة للسن وانما العبرة للاحتمال والقدرة كذا فى الكافى. المرأة ان كانت صغيرة مثلها لايوطا ولا يصلح للجماع فلا نفقة لها عندنا حتى تصير الى الحالة التى تطيق الجماع سواء كانت فى البيت الزوج او فى بيت الاب هكذا فى المحيط الكبيرة اذا طلبت النفقة وهى لم تزف الى بيت الزوج فلها ذلك اذا لم يطالبها الزوج بالنقلة ومن مشائخ بلخ رحمهم الله تعالى من قال لا تستحقها اذ لم تزف الى بيته والفتوى على الاول...... فان كان الزوج قد طالبها بالنقلة فان لم تمتنع عن الانتقال الى البيت الزوج فلها النفقة فلما اذا امتنعت عن الانتقال فان كان الامتناع بحق بان امتنعت لتستوفى مهرها فلما النفقة واما اذا كان الامتناع بغير حق بان كان او فلها المهر او كان المهر مؤجلا او وهبته منه فلانفقة لها كذا فى المحيط (عالم گری صفحہ ٥٤٤ تا ٥٤٥ جلد١ ۔زکریا)

رہتے ہوئے بھی نفقہ کی مستحق ہوگی۔[۱]

نفقہ سے محروم ہونے کی صورتیں

وہ عورتیں جو منکوحہ ہونے کے باوجود اپنے شوہر سے نفقہ نہیں لے سکتیں گیارہ ہیں۔(۱) مرتدہ (۲) اپنے سوتیلے بیٹے سے ناجائز تعلق کرنے والی (۳) عدت وفات گزارنے والی (۴) وہ عورت جس کا نکاح نکاح فاسد ہوا (۵) وہ منکوحہ جو کسی کی باندی ہو (٦) ایسی نابالغہ جس سے جماع نہ کیا جاسکتا ہو (۷) ناشزہ (نافرمان) (۸) وہ عورت جو قید کرلی گئی ہو (۹) اپنے میکے میں اس قدر بیمار ہوگئی کہ جماع کے قابل نہ رہی (۱۰) جس عورت کو کسی نے غصب کرلیا (۱۱) بغیر شوہر کے حج کرنے والی۔

صاحب درمختار نے ان گیارہ عورتوں کو یکجا بیان کیا ہے ہم اس کا خلاصہ پیش کرتے ہیں۔[۲]

(۱) مرتدہ یعنی دین سے پھر جانے والی

اگر عورت اپنے دین سے پھر جائے تو نفقہ سے محروم ہوجائے گی خواہ یہ ارتداد طلاق ثلاثہ یا بائنہ کے بعد ہی ہوا ہو۔ ہاں مرتد ہونے کے بعد پھر دوبارہ ایمان میں لوٹ آئی تو نفقہ کی مستحق ہوگی بشرطیکہ یہ ارتداد طلاق سے قبل نکاح کی حالت میں ہوا ہو۔ اگر طلاق کے بعد مرتد ہوئی تھی تو پھر دوبارہ ایمان لانے کے بعد بھی نفقہ نہیں ملے گا۔

---

[۱] ولو هی فی بیت ابیها اذا لم یطالبها الزوج بالنقلة به یفتی وکذا اذا طالبها ولم تمتنع الخ فان لها النفقة (درمختار علی هامش شامی صفحه ۲۸٤ تا۲۸۵ جلد۵)

[۲] لانفقة لاحد عشر مرتده ومقبلة ابنه ومعتده موت ومنکوحة فاسد وعدته وامة لم تبوأ وصغیرة لا توطا وخارجة من بیته بغیر حق وهی الناشزة الخ ومحبوسه... ومریضة لم تزف ...... ومغصوبه کرها وحاجة ولو نفلا لامعه ولو بمحرم (درمختار علی هامش شامی ۲۸۵ تا ۲۹۰ جلد۵)

اسی طرح مرتد ہوکر دارالحرب چلی گئی پھر ایمان کی طرف لوٹ آئی تو بھی نفقہ نہیں ملے گا خواہ ارتداد نکاح کی حالت میں ہوا ہو یا طلاق کے بعد۔

اسی طرح شوہر نے ایمان قبول کرلیا اور عورت نے ایمان سے انکار کردیا تو نفقہ سے محروم رہے گی البتہ اس کے برعکس عورت نے ایمان قبول کرلیا اور شوہر انکار کرتا ہو تو پھر عورت نفقہ کی مستحق ہوگی۔

(۲) اپنے سوتیلے بیٹے سے ناجائز تعلق کرنے والی

دوسری صورت نفقہ سے محروم ہونے کی یہ ہے کہ عورت اپنے سوتیلے بیٹے سے ناجائز تعلق قائم کرلے مثلاً اس نے اس کو جماع پر قدرت دیدی یا شہوت کیساتھ چھولیا یا اس کے علاوہ عورت کے فعل معصیت کیوجہ سے نکاح ٹوٹ گیا تو ایسی عورت نفقہ سے محروم ہوجائے گی بشرطیکہ سوتیلے بیٹے کو جماع پر قدرت دینا یا شہوت کے ساتھ چھونا وغیرہ نکاح کی حالت میں ہوا ہو اگر طلاق کے بعد یہ چیزیں پائی گئیں تو عورت نفقہ سے محروم نہیں ہوگی۔ نیز نفقہ سے محروم ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ فرقت عورت کے فعل معصیت کی وجہ سے ہوئی ہو اگر عورت کے فعل مباح کی وجہ سے فرقت ہوئی ہے جیسے خیار بلوغ، عدم کفو وغیرہ کی وجہ سے نکاح کو فسخ کیا گیا ہو تو نفقہ سے محروم نہیں ہوگی نیز اگر لعان یا ایلاء کی وجہ سے فرقت ہوئی ہے تو بھی نفقہ کی مستحق ہوگی۔[1]

(۳) عدت وفات گزارنے والی

شوہر کے مرنے کی وجہ سے عورت عدت وفات گزار رہی ہے تو عدت کے ایام میں نفقہ کی مستحق نہیں ہوگی۔ البتہ اگر طلاق کی وجہ سے عدت میں ہے تو نفقہ پائیگی

---

[1] ولو وقعت الفرقة بینهما باللعان او الایلاء او العنة او الجب فلها النفقة لان الفرقة بهذه الاشیاء مضافة الی الزوج وكذا اذا وقعت الفرقة بینهما بخیار البلوغ (باقی اگلے صفحہ پر)

خواہ طلاق ثلاثہ کی عدت ہو یا طلاق بائن یا رجعیہ کی۔[۱]

(۴) وہ عورت جسکا نکاح نکاح فاسد ہوا

کسی عورت کا نکاح اس طور سے ہوا کہ شرائط نکاح نہ پائے جانے کی وجہ سے نکاح فاسد ہوگیا تو ایسی عورت نہ نکاح کے اندر نفقہ کی مستحق ہوگی نہ فسخ نکاح کے بعد عدت میں اور اگر قاضی نے اس نکاحِ فاسد کو صحیح سمجھ کر نفقہ مقرر کردیا اور عورت نے کچھ دنوں کا نفقہ بھی مرد سے وصول کرلیا، پھر نکاح کا فساد ظاہر ہوا کہ یہ عورت تو مرد کی رضاعی بہن ہے اس پر قاضی نے دونوں کے مابین تفریق کردی تو مرد عورت کو جو کچھ بطور نفقہ کے دے چکا ہے وہ واپس لے سکتا ہے۔

اور اگر مرد نے بغیر قاضی کے مقرر کئے ہوئے خود سے یہ سمجھ کر خرچ کیا کہ اس کیلئے نفقہ ہے حالانکہ شرعاً اس کیلئے نفقہ نہیں تو اب مرد نے جو کچھ خرچ کیا ہے وہ واپس نہیں لے سکتا۔

اگر بغیر گواہ کے نکاح ہوا تو یہ نکاح بھی فاسد ہے مگر اس صورت میں یہ عورت

(بچھلے صفحہ کا باقی) او العتق او عدم الکفاء ة ولواسلمت المرأة وابی الزوج ان یسلم فلها النفقة لان الفرقة بالاباء وهو منه بخلاف ما اذا اسلم الزوج وابت هی حیث لایجب لها النفقة لان الامتناع جاء من قبلها ولهذا یسقط به مهرها کله اذا کان قبل الدخول قال رحمه الله وردتها بعد البت تسقط نفقتها لاتمکین ابنه ای اذا طلقها ثلاثاً او واحدة بائنة ثم ارتدت والعیاذبالله سقطت نفقتها ولو مکنت ابن الزوج بعد ما طلقها ثلاثا او واحدة بائنة لا تسقط لان الحرمة تثبت بالطلاق البائن ولا تاثیر للردة فیها ولا للتمکین غیر ان المرتدة تحبس ولا نفقة للمحبوسة لما بینا والممکنة لا تحبس فافترقا حتیٰ لواسلمت المرتدة وعادت الی بیت الزوج وجبت لها النفقة لزوال المانع فصارت کالناشزة اذا رجعت الی منزله بخلاف ما اذا وقعت الفرقة بالردة بأن ارتدت قبل الطلاق حیث لاتجب لها النفقةوان اسلمت وعادت الی منزله لانها بالردة فوّتت علیه ملك النکاح وهو لایعود بعودها الی منزل الزوج ولو لحقت بدار الحرب مرتدة ثم عادت مسلمة فلا نفقة کیفما کان لان عدة تسقط باللحاق حکماً لتباین الدار لانه بمنزلة الموت فانعدم السبب الموجب(تبین الحقائق صفحه ۳۲۴تا۳۲۵جلد۳)

[۱] واذا طلق الرجل امرأته فلهاالنفقة وسکنی فی عدتهارجعیا کان اوبائنا الخ ولانفقة للمتوفیٰ عنها زوجها(هدایه صفحه۴۴۳ج۲)

نفقہ کی مستحق ہوگی۔

اگر کسی نے اپنی بیوی کی بہن یا پھوپھی یا خالہ وغیرہ سے نکاح کرلیا اور اس سے دخول کے وقت تک معلوم نہ ہوسکا کہ یہ بیوی کی بہن یا کوئی اور رشتہ دار محرمات میں سے ہے بعد میں معلوم ہوا تو تفریق کے بعد مرد اپنی پہلی بیوی سے بھی عدت کے درمیان علیحدہ رہے گا۔ عدت کے زمانہ کا نفقہ بیوی کو تو ملے گا مگر اس کی بہن کو نہیں۔ البتہ عدت اس پر بھی واجب ہے۔ اگر شبہ کے طور پر کسی عورت سے وطی کرلی تو اس موطوءہ پر عدت ہے مگر اس کے لئے نفقہ نہیں ہے۔[1]

(۵) وہ منکوحہ جو کسی کی باندی ہو

نفقہ سے محروم پانچویں عورت وہ بیوی ہے جو کسی کی باندی ہو یہ عورت شوہر کے پاس رہنے کے ساتھ اپنے آقا کی بھی خدمت کرتی ہے تو ایسی عورت کا نفقہ شوہر پر نہیں ہے البتہ اگر اپنے آقا کی خدمت نہیں کرتی صرف شوہر ہی کے پاس اس کا قیام رہتا ہے تو پھر شوہر پر نفقہ واجب ہے۔[2]

(٦) ایسی نابالغہ جس سے جماع نہ کیا جاسکتا ہو

نابالغہ بیوی کہ اس سے جماع نہیں کیا جاسکتا اور وہ اپنے میکے میں ہے تو ایسی

---

[1] کل من وطئت بشبهة فلا نفقة لها كذا فى الخلاصة قال ولا نفقة فى النكاح الفاسد ولا فى العدة منه ولو كان النكاح صحيحا من حيث الظاهر ففرض القاضى لها النفقة واخذت ذلك شهرا ثم ظهرفسادا النكاح بان شهد الشهود انها اخته من الرضاعة وفرق القاضى بينهما رجع الزوج على المرأة بما اخذت واما اذا انفق الزوج عليها مسامحة من غير فرض القاضى لها النفقة لم يرجع عليها بشئ كذا ذكر الصدر الشهيد رحمه الله تعالى فى شرح ادب القاضى... واجمعوا ان فى النكاح بغير شهود تستحق النفقة... ولو تزوج اخت امرأته وعمتها او خالتها ولم يعلم بذلك حين دخل بها وفرق بينهما ووجب عليه ان يعتزل عنها مدة عدة اختها فلامرأته النفقة ولا نفقة لاختها وان وجبت عليها العدة. (عالم گیری صفحه ٥٤٧ جلد١)

[2] المنكوحة اذا كانت امة ان بوأها المولى بيتا فلها النفقة والا فلا وكذا المدبرة وام الولد والتبوئة ان يخلي بينها بين زوجها لا يستخدمها المولى الخ ولا نفقة على الزوج مدة الاستخدام ولو بوأها بيت الزوج (عالم گیری صفحه ٥٥٥ جلد١)

عورت کا نفقہ شوہر پر واجب نہیں ہے۔[۱]

(۷) ناشزہ (نافرمان بیوی)

ساتویں عورت جو نفقہ سے محروم ہوتی ہے وہ ناشزہ ہے جب تک نشوز باقی رہے نفقہ نہیں ملے گا۔

ناشزہ کا مطلب

ناشزہ ایسی عورت کو کہتے ہیں جو شوہر کی نافرمان ہو اور اس کے جائز حقوق ادا کرنے سے انکار کرے۔ ناشزہ کی تعریف وتصریح حضرت مولانا وقاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمیؒ نے مبسوط للسرخسی کے حوالہ سے تحریر کی ہے وہ پیش نظر ہے۔ فرماتے ہیں کہ جب عورت اپنے شوہر کے گھر سے غائب ہو جائے یا اس کے ساتھ اس کے گھر جانے سے انکار کر دے یا جس شہر یا جس بستی میں وہ لیجانا چاہے وہاں وہ نہ جائے حالانکہ اسے اس کا مہر معجّل ادا کر چکا ہو تو ایسی عورت کے لئے نفقہ نہیں اس لئے کہ وہ ناشزہ ہے اور ناشزہ کیلئے نفقہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ناشزہ کے بارے میں حکم فرمایا ہے۔

واللتی تخافون نشوزھن فعظوھن واھجروھن فی المضاجع [۲]	یعنی عورتوں کی طرف سے اگر نافرمانی کا خوف کرو تو (اصلاح کا پہلا طریقہ یہ ہے کہ) اس کو نرمی سے سمجھاؤ (اور

اگر سمجھانے سے بھی نہ مانے) تو پھر اس کو اپنے بستر ہ سے الگ کر دو۔

بس جب ناشزہ عورت حق صحبت کیساتھ رہنے کی مستحق نہیں ہوتی تو نفقہ سے بدرجہ اولیٰ محروم ہو جائے گی اس لئے کہ نفقہ کی حقدار وہی عورت ہو سکتی ہے جو اپنے آپ

---

[۱] والمرأة ان کانت صغیرة مثلھا لایوطأ ولا یصلح للجماع فلا نفقة لھا عندنا حتی تصیر الی الحالة التی تطیق الجماع (علم گیری صفحہ ٥٤٥ جلد١)

[۲] (پارہ ٥ رکوع ٣ آیت ٣٤)

کوشوہر کے حوالے کردے اور اس کے مصالح کیلئے اپنے آپ کو فارغ رکھے پس اگر وہ اس ذمہ داری سے گریز کرے تو ظالمہ قرار پائے گی اور جس وجہ سے وہ نفقہ کی حقدار تھی وہ وجہ بھی نہیں پائی گئی تو نفقہ کا استحقاق کیسے ہوگا۔[1]

اس کے بعد قاضی صاحب نے علامہ ابن ہمام کی فتح القدیر سے ناشزہ کی اور تفصیل نقل کی ہے فرماتے ہیں کہ نشوز جس کی وجہ سے نفقہ ساقط ہو جاتا ہے وہ ان تمام صورتوں کو شامل ہے جن میں عورت اپنے شوہر کے گھر آنے پر راضی نہ ہو۔

(الف) وہ شوہر کے گھر سے نکل کر پھر واپس آنے کو تیار نہ ہو۔ (ب) یا مہر معجّل پا لینے کے بعد عورت ابتداءً ہی شوہر کے گھر جانے سے انکار کردے۔ (ج) یا اگر میاں بیوی جس گھر میں رہتے ہوں وہ بیوی کی ملک ہو اور پھر بیوی قبل اس کے کہ اپنے شوہر سے یہ کہے کہ اسے وہ اپنے گھر لے جائے یا اس کے لئے کوئی کرایہ کا مکان حاصل کرے اچانک شوہر کو اپنے ذاتی مکان میں آنے سے روک دے تو یہ عورت ناشزہ ہونے کی وجہ سے نفقہ کی حقدار نہیں ہوگی۔ وہ صورتیں مندرجہ ذیل ہیں۔

مگر بعض صورتیں ایسی ہیں کہ ان میں اگر اپنے گھر میں آنے سے روک دے تو نفقہ سے محروم نہیں ہوگی۔

(۱) اگر عورت اپنے ذاتی مکان سے آمدنی حاصل کرنا چاہے یا کسی اور مصرف میں استعمال کرنا چاہے اور شوہر سے کہے کہ وہ اسے اپنے گھر رخصت کرا کر لے جائے یا اس کیلئے رہائش کا کوئی نظم کرے اس اطلاع کے بعد اب عورت شوہر کو اپنے ذاتی مکان میں آنے سے منع کردے تو وہ ناشزہ نہیں مستحق نفقہ رہے گی۔

(۲) اسی طرح اگر بیوی شوہر کے مقبوضہ مکان میں جانے سے اس لئے انکار کرے کہ وہ مکان غصب کیا ہوا ہے تو بھی نفقہ کی مستحق ہوگی کیونکہ نہ جانے کا عذر عورت کا معقول ہے۔

---

[1] (المبسوط للسرخسی صفحہ ۱۷۶ جلد ۳ ملخوذ بحث ونظر)

(۳)اسی طرح اگر بیوی کو وطن سے لانے کیلئے مثلاً نجف سے شوہر اپنے وطن سمرقند لانے کیلئے شوہر کسی غیر محرم کو بھیج دے اور بیوی اس غیر محرم کیساتھ سفر کرنے سے انکار کرے تو یہ ناشزہ نہیں اس کا حق نفقہ ساقط نہیں ہوگا۔[۱]

شوہر کے ساتھ سفر سے انکار کرنا نشوز ہے

شوہر عورت کو سفر میں لیجانا چاہتا ہے مگر عورت اس سے انکار کرتی ہے تو کیا یہ عورت ناشزہ ہوگی یا نہیں تو حضرت قاضی صاحب قاسمیؒ بحر الرائق کے حوالہ سے علامہ ابن نجیم مصری کا قول نقل کرتے ہیں۔

واذا طلبت ان یسافر بها من بلدها وامتنعت فانه لانفقه لها علی ظاهر الروایة[۲] یعنی شوہر بیوی کو شہر سے باہر لیجانا چاہے اور عورت اس سے انکار کرے تو ایسی عورت ظاہر الروایت کے مطابق نفقہ کی حقدار نہیں کیونکہ شوہر کو حق ہے کہ وہ عورت کو سفر میں لیجائے۔

اور متاخرین کا قول مجمع الانہر میں نقل کیا ہے کہ

واما علی المفتی به فانها لاتکون ناشزة[۳] مفتی بہ قول کے اعتبار سے عورت کا سفر سے انکار کرنا نشوز نہیں ہے۔ اور فتاوی قاضی خاں میں ہے کہ شوہر کے مہر ادا نہ کرنے کی صورت میں انکار کرسکتی ہے ہاں اگر شوہر نے مہر ادا کردیا تو پھر شوہر کو حق ہے کہ وہ اپنی بیوی کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرلے اور علامہ ابن عابدین شامی کا قول تنقیح الفتاوی الحامدیہ (صفحہ ۲۳ جلد ۱) میں اسی کے موافق منقول ہے اور جامع الفصولین میں اسی قول پر فتوی دیا ہے۔ مگر ابو القاسم الصغار اور فقیہ ابواللیث نے تحریر کیا ہے کہ فساد زمانہ کیوجہ سے عورت کی

---

۱ (فتح القدیر ماخوذ بحث ونظر اکتوبر تا دسمبر ۱۹۹۹ء)
۲ (بحرالرائق صفحه ۱۷۹ جلد۳) بحواله بحث ونظر
۳ (مجمع الانهر صفحه ٤٨٩ جلد۱) بحواله بحث ونظر

رضامندی کے بغیر شوہر کو سفر میں لیجانے کا حق نہیں اور درمختار میں فتوی اسی قول پر دیا ہے۔

حضرت قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمیؒ ان تمام اقوال کونقل کر کے فیصلہ کن بات تحریر کرتے ہیں کہ ظاہر الروایت اور متاخرین علماء کے مابین اختلاف اور اس مسئلہ کے مختلف زمانہ اور حالات وعرف اور طور طریقہ پر مبنی ہونے کی وجہ سے بنیادی امر یہ قرار پایا ہے کہ قاضی اور مفتی کو مصالح شرعی پر نظر رکھنی چاہئے ہر مقدمہ اور ہر قضیہ کو اس کے خاص پس منظر میں دیکھنا چاہئے۔ معمولی سفر اور دیہات آنا جانا عام حالات میں باعث ضرر نہیں اور دور دراز کی منتقلی عام حالات میں عورت کو فتنہ میں ڈال سکتی ہے فساد کا اندیشہ ہے وہ کسی بھی پشت پناہی سے محروم ہو کر مرد کے ظلم کا نشانہ بھی ہوسکتی ہے لیکن ان تمام حالات سے قطع نظر کبھی اس کے برعکس ایسا بھی ہوتا ہے کہ شہر کے ایک محلّہ سے دوسرے محلّہ میں شوہر عورت کو ضرر پہونچانے کی نیت سے لے جاسکتا ہے اور کبھی دور دراز لیجاتا ہے اس لئے کہ اس کی تجارت یا ملازمت اور مشغولیت دوسرے شہر میں ہے اور حکم الٰہی ہے کہ:

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ وَّجْدِكُمْ [۱] یعنی اپنی بیوی کو وہیں رکھو جہاں تم رہتے ہو۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اپنی بیوی کو ساتھ رکھنا چاہئے یہی حسن معاشرت کا تقاضا ہے جہاں مقصد ضرر رسانی نہیں وہاں عورت کو مرد کے ساتھ رہنا چاہئے اسی میں فائدہ ہے۔ جیسے ایک عالم دین ہے جو کسی دور دراز علاقہ میں دینی خدمات انجام دے رہا ہے۔ اسی طرح ایک ڈاکٹر اور سلیم الطبع انسان ہے جو اپنے وطن سے دور ملازمت کرتا ہے اپنے بیوی بال بچوں کو لیجانا چاہتا ہے تو ظاہر بات ہے کہ

۱۔ سورة الطلاق آیت ٦

مقصد اسکا حسن معاشرت ہے نہ کہ نقصان پہنچانا بلکہ دونوں کو ضرر اور تنگی سے بچانا ہے اس وقت عورت انکار کرتی ہے تو ظاہر ہے کہ اس کا انکار کرنا مناسب نہیں ہاں اگر ضرر کا اندیشہ ہو خواہ سفر کتنا ہی قریب کا کیوں نہ ہو تو عورت کو مجبور نہیں کر سکتے۔ جیسے ادھر کئی واقعات پیش آ چکے ہیں کہ کبھی عرب ممالک کے لوگ ہندوستان آ کر کم عمر لڑکیوں سے نکاح کر لیتے ہیں مگر یہاں سے لیجانے کے بعد دوسرا برتاؤ ہوتا ہے، بسا اوقات ایجنسی کے ذریعہ نکاح ہوتا ہے اور لڑکیاں مال تجارت بنا دی جاتی ہیں، یوپی کے بعض علاقوں سے گروپ کے گروپ لوگ آ کر فاقہ کش مسلمانوں کی لڑکیاں بیاہ کر کے لے گئے اور پھر انہیں فروخت کر دیا، اگر ایسی شادیوں میں لڑکیاں شوہر کے ساتھ دور دراز کا سفر نہ کریں تو انکے انکار کو تسلیم کیا جائیگا، اور ظاہر الروایت پر عمل نہ کر کے اسکو ناشزہ قرار نہیں دیا جائے گا۔[1]

موجودہ عرف اور قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمیؒ کی رائے

قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ نکاح کے بعد رخصتی سے پہلے یا رخصتی کے بعد زوجین یا ان کے اولیاء کے درمیان جھگڑا پیدا ہو جاتا ہے بہت چھوٹی چھوٹی باتوں پر پیدا ہو جانے والے اس جھگڑے کے نتیجہ میں جانبین سے ضد پیدا ہو جاتی ہے اب لڑکی والے بعد میں رخصت کرنے پر راضی ہو جائیں۔ یا خود لڑکی بھی شوہر کے گھر جانے پر راضی ہو جاتی ہے۔ مگر شوہر اکثر یہ اصرار کرتا ہے کہ وہ خود آ جائیں نہ میں لانے جاؤں گا اور نہ کسی کو لانے بھیجونگا اس مسئلہ کو وقار کا مسئلہ بنا کر اچھی خاصی زندگیوں کو تباہ کر ڈالتے ہیں اس حقیر کی رائے میں عرف اور دستور و معاشرہ میں رائج طور طریقہ ایسے معاملات میں بنیادی اہمیت کا حامل ہے موجودہ عرف میں لڑکی کا خود چلا جانا یا اس کے ماں باپ کا سسرال پہونچا دینا خاص کر جبکہ باہمی

---

[1] (اقتباس بحث ونظر اکتوبر نومبر دسمبر ۱۹۹۰ء)

اختلاف ایک حجاب بھی درمیان میں پیدا ہو چکا ہے عورت کیلئے موجب عار ہے اور پھر سسرال جا کر ساس نند اور محلّہ کی عورتوں کی طرف سے طرح طرح کے طعن و تشنیع کا سامنا بھی کرنا پڑیگا۔ دستور اور رواج یہ بھی ہے کہ شوہر عزت و اکرام کیساتھ اپنی بیوی کو اپنے گھر رخصت کرا کر لائے اس لئے اگر کسی وجہ سے ابتداءً رخصت ہو کر جانے سے انکار بیوی کی طرف سے ہو گیا یا باہمی چپقلش کی وجہ سے رخصتی رک گئی ہو اس کے بعد عورت ہنسی خوشی رخصت ہو کر جانے کو آمادہ ہو تو ایسی صورت میں شوہر کا فرض ہے کہ وہ زوجہ کو رخصت کرا کر خود لائے۔ لہٰذا اگر واضح طور پر یہ ثابت ہو جائے کہ عورت نے شوہر کے گھر رہنے کی رضامندی دیدی ہے اور مرد خواہ مخواہ اسے اپنی عزت کا مسئلہ بنا کر اسے رخصت کرا کر نہیں لاتا بلکہ اصرار کرتا ہے کہ عورت عرف و رواج کے خلاف خود شوہر کے گھر چلی آئے اور اس کی وجہ سے رخصتی رکی رہتی ہے تو اس حقیر کی رائے میں عورت ناشزہ نہیں اور اس مدت میں وہ مستحق نفقہ ہوگی۔[1]

ناشزہ توبہ کر لے تو نفقہ ملے گا

اگر کوئی عورت شوہر کے گھر بلا وجہ نہ جائے یا شوہر کے گھر سے بھاگ جائے تو وہ ناشزہ قرار پاتی ہے مگر جب اس نے اپنی اس حرکت سے شرمندہ ہو کر توبہ کر لی اور اس کے بعد وہ اپنے شوہر کے گھر آ گئی یا آنے کو تیار ہو گئی تو اب ناشزہ نہیں جب سے وہ گھر لوٹ کر آئی ہے اس وقت سے نفقہ کی مستحق ہوگی۔[2]

جان کے خوف کی وجہ سے شوہر کے گھر نہ جائے تو بھی نفقہ ملے گا

اگر عورت کو اپنے شوہر کے گھر جانے میں اپنی جان اور اپنے دین کے ضائع

---

1. (بحث ونظر اکتوبر نومبر دسمبر ۱۹۹۰ء)
2. (واذا ترکت النشوز فلها النفقة (عالم گیری صفحه ٥٤٥ جلد١) وخارجة من بيته بغير حق وهى الناشزة حتى تعود ولو بعد سفره (درمختار) اى لوعادت الى بيت الزوج بعد ما سافر خرجت عن كونها ناشزه بحر عن الخلاصة اى فتستحق النفقة (شامى صفحه ٢٨٦ جلد٥ زكريا)

ہونے کا یا کسی اور طرح کا خوف وخطرہ ہو تو پھر شوہر کے گھر جائے بغیر اپنے میکے میں بھی نفقہ کی مستحق ہوگی۔[۱]

نافرمان بدچلن بیوی جب شوہر کے گھر ہے تو نفقہ ملے گا

اگر عورت شوہر کے پاس رہتی ہے انکار نہیں کرتی تو نفقہ کی حقدار ہوگی اگر چہ رہتے ہوئے شوہر کی نافرمانی کرتی ہو یا صوم، صلوٰۃ کی پابندی نہیں کرتی اسی طرح غیر محرم سے بات چیت کرتی ہے یا بدچلن ہے یا کوئی اور گناہ کا کام کرتی ہے تو ان سب وجوہات کی وجہ سے اس کا نفقہ ساقط نہیں ہوگا۔ البتہ گھر سے نکل جائے تو پھر نفقہ نہیں ملے گا۔[۲]

شرط کے مطابق شوہر پر نفقہ واجب ہے

اگر بوقت عقد نکاح زوجین کے مابین یہ شرط قرار پائی کہ اگر شوہر بیوی کو تکلیف دیگا یا شوہر کے گھر پہ عورت کو کوئی تکلیف ہوئی تو بیوی اپنے میکے میں رہ سکتی ہے اس کو وہیں نفقہ ملے گا لہٰذا اگر رخصتی کے بعد صحیح معنی میں تکلیف ہوئی تو بیوی میکے میں رہ کر نفقہ حاصل کرسکتی ہے کیونکہ صحیحین کی حدیث ہے۔ (احق الشروط ان توفوا به بما استحللتم به الفروج[۳]) یعنی اور شرط کے مقابلہ میں نکاح والی شرط پوری کرنے کے سب سے زیادہ حقدار ہے۔[۴]

(۸) (محبوسہ) وہ عورت جو قید کرلی گئی

یعنی کوئی عورت قید کرلی گئی چاہے ظلماً قید کرلی گئی ہو۔ خواہ کسی نے قید کیا ہو یا حکومت

---

[۱] وسألت عن امرأة اسكنها زوجها فى بلاد الدروز ملحدين ثم امتنعت وطلبت منه السكنى فى بلاد الاسلام خوفاً على دينها ويظهر لى ان لها ذلك لان بلاد الدروز فى زملننا شبيهة بدار الحرب قوله او السفر معه اى بنلء على المفتى به من انه ليس لها السفر بها لفساد الزمان فلمتنلعها بحق (شامى صفحه ۲۸۷ جلد ٥ زكريا)

[۲] النفقة واجبة للزوجة على زوجها الخ اذا سلمت نفسها الى منزله (هداية صفجه ٤٣٧ جلد ۲)

[۳] مسلم شريف صفحه ٤٥٥ جلد ۱ [٤] مستفلر فتاوى دارالعلوم صفحه ۱٤٨ جلد ۱۱)

اور بادشاہ کے قید خانہ میں ہو اگر چہ ظلماً ہی قید کر لی گئی ہو تو ایسی عورت کا نفقہ نہیں ہے۔[1]

(۹) اپنے میکے میں اس قدر بیمار ہوگئی کہ جماع کے لائق نہیں

مریضہ عورت کی کئی صورتیں ہیں۔ (۱) پہلی صورت یہ ہے کہ عورت شوہر کے گھر جانے سے قبل اس طرح بیمار ہوگئی کہ جماع پر قدرت نہ رہی پھر بھی شوہر کے گھر چلی گئی تو شوہر کے گھر آنے سے قبل کا نفقہ اور گھر آنے کے بعد کا نفقہ بھی ملے گا۔ (۲) اسی طرح زوجہ نے نفقہ کا مطالبہ کیا مگر شوہر نے اس کو اپنے گھر نہیں لایا اور وہ شوہر کے گھر آنے سے انکار بھی نہیں کرتی تو بھی نفقہ کی حقدار ہوگی۔ (۳) ہاں اگر شوہر نے اس کو اپنے گھر بلایا مگر عورت نے منع کر دیا تو پھر نفقہ کی مستحق نہیں ہوگی۔ (۴) عورت شوہر کے گھر صحت کی حالت میں آئی تھی مگر شوہر کے گھر آ کر اس قدر بیمار ہوگئی کہ جماع پر قدرت نہ رہ سکی تو بھی اس کا نفقہ ساقط نہیں ہوگا۔ (۵) اور اگر شوہر کے گھر دخول کے بعد بیمار ہوئی اور پھر اپنے باپ کے گھر چلی گئی اب پھر اس عورت کا پردہ میں سوار ہو کر یا ڈولی وغیرہ میں بیٹھ کر اپنے شوہر کے گھر آنا ممکن ہے اور پھر بھی نہیں آتی ہے تو یہ نفقہ کی مستحق نہیں۔ ہاں اگر کسی طرح آنا ممکن نہیں ہے تو اب اس کا نفقہ ساقط نہیں ہوگا۔[2]

---

[1] ومحبوسة ولو ظلماً الخ صیرفیه کحبسه مطلقا لکن فی الصحیح القدوری لو حبس فی سجن السلطان فالصحیح سقوطها (درمختار علی هامش شامی صفحه ۲۸۸ تا ۲۸۹ جلد۵)

[2] ولوکانت المرأة مریضة قبل النقلة مرضا یمنع من الجماع فنقلت وهی مریضة فلها النفقة بعد النقلة وقبلها ایضاً اذا طلبت النفقة فلم ینقلها الزوج وهی لا تمنع من النقلة لو طالبها الزوج وان کانت تمنع فلانفقة لها کالصحیحة کذا ذکر فی ظاهر الروایة وان نقلت وهی صحیحه ثم مرضت فی بیت الزوج مرضا لا تستطیع معه الجماع لم تبطل نفقتها بلا خلاف کذا فی البدائع ولو مرضت المرأة فی بیت زوجها بعد الدخول فانتقلت الی دار ابیها قالوا ان کانت بحال یمکنها النقل الی بیت الزوج فی محفة او نحوها فلم تنتقل لا نفقة لها وان کان لایمکن نقلها فلها النفقة کذا فی فتاوی قاضی خان (عالم گیری صفحه ٥٤٦ جلد ۱)

(۱۰) ایسی عورت جس کو کسی نے غصب کرلیا

یعنی کسی عورت کو کسی نے غصب کرلیا یا لیکر بھاگ گیا اور یہ معاملہ جبراً کیا گیا ہو یا عورت کی رضامندی سے دونوں صورتوں میں فتویٰ یہی ہے کہ ایسی عورت کو نفقہ نہیں ملے گا [۱]

(۱۱) بغیر شوہر کے حج کرنے والی

آخری صورت نفقہ سے محروم ہونے کی عورت کا حج کو جانا ہے اس کی چند صورتیں ہیں۔ اگر حج فرض ادا کررہی ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ (۱) رخصتی سے قبل (۲) یا رخصتی کے بعد (۱) اگر رخصتی سے قبل ہے اور اس سفر میں شوہر نہیں ہے خواہ محرم باپ بھائی وغیرہ ساتھ ہوں یا ساتھ نہ ہوں بغیر محرم ہی کے سفر کررہی ہے، بہر صورت وہ نفقہ کی مستحق نہیں ہوگی۔ (۲) اگر رخصتی کے بعد کسی محرم کے ساتھ حج کو جارہی ہے مگر شوہر نہیں ہے تو امام محمدؒ کے نزدیک اس کا نفقہ شوہر پر واجب نہیں ہوگا اور امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ نفقہ واجب ہوگا عالم گیری میں امام محمدؒ کے ہی قول کو ظاہر الروایت کہا گیا ہے۔ (۳) اور اگر یہ حج فرض شوہر کے ساتھ ادا کرنے جارہی ہے تو بہر صورت نفقہ کی مستحق ہوگی۔ (۴) اور اگر حج فرض نہیں نفل حج ادا کرنے جارہی ہے اور شوہر بھی ساتھ نہیں تو نفقہ شوہر پر واجب نہیں ہوگا۔ (۵) اور اگر نفل حج شوہر کے ساتھ ادا کرنے جارہی ہے تو نفقہ کی مستحق ہوگی۔

نوٹ:۔ جس صورت میں وہ نفقہ کی مستحق ہوگی وہ نفقۂ حضر ہے نہ کہ نفقۂ سفر

---

[۱] ومغصوبة ای من اخذها رجل وذهب بها هذا ظاهر الرواية وعن ابی یوسف لها النفقة والفتوی علی الاول لان فوات الاحتباس لیس منه لیجعل باقیا تقدیراً هدایه وقید بقوله کرها لانه لو ذهب بها علی صورة الغصب لکن برضاها فلا خلاف فیها اذا لاشك فی انها ناشزة فافهم (شامی صفحه ۲۹۰ جلده زکریا)

نیز سفر کا خرچہ کرایہ وغیرہ بھی شوہر پر واجب نہیں ہے۔[۱]

عنین کے ذمہ بیوی کا نفقہ واجب ہے

اگر کوئی شخص عنین یعنی نامرد ہے اس نے کسی عورت سے نکاح کیا تو بیوی کا نفقہ اس کے اوپر واجب ہوگیا اگرچہ خلوت کے بعد صحبت نہ کرسکا ہو۔[۲]

مرد کے باپ یا کسی اور نے عقد کے وقت نفقہ کی ضمانت لی

اگر کسی بچہ کے نکاح کے وقت باپ نے نفقہ اور مہر کی ضمانت لے لی یا کسی آدمی نے کسی لڑکے کے نکاح کے وقت اس کے نفقہ وغیرہ کی ذمہ داری لے لی ہے تو بعد میں شوہر اگر نفقہ اور مہر ادا نہ کرے تو عورت ضامن سے نفقہ اور مہر کا مطالبہ شرعاً کرسکتی ہے۔[۳]

کسوہ یعنی عورت کا کپڑا

بیوی کے نفقہ کی طرح کپڑا بھی شوہر پر واجب ہے اتنا کپڑا دینا ضروری ہے جو ضرورت

---

[۱] ولوحجت المرأة حجة فريضة فان كان ذلك قبل النقلة فان حجت بلا محرم ولا زوج فهي ناشزة وان حجت مع محرم لها دون الزوج فلا نفقة لها في قولهما جميعا وان كانت انتقلت الى منزل الزوج فقد قال ابو يوسف رحمه الله تعالى لها النفقة وقال محمد رحمه الله تعالى لا نفقة لها كذا في البدائع وهو الا ظهر كذا في السراج الوهاج واما اذا حج الزوج معها فلها النفقة اجماعا وتجب عليه نفقة الحضر دون السفر ولا يجب الكراء امااذا حجت للتطوع فلا نفقة لها اجماعا اذا لم يكن الزوج معها... وان حجت مع زوجها حجة نفلا كانت لها نفقة الحضر لانفقة السفر (عالم گیری صفحه ٥٤٦ جلد١)

[۲] فتجب للزوجة بنكاح صحيح على زوجها لانها جزاء الاحتباس (درمختار على هامش شامى صفحه ٢٧٨ تا ٢٨١ جلد٥ زكريا)

[۳] ولا يطالب الاب بمهر ابنه الصغير الفقيرالخ الا اذا ضمنه على المعتمد كما فى النفقة (درمختار على هامش شامى ٢٨٧ تا ٢٨٨ جلد ٤) وصح ضمان الولى مهرها الخ واما ضمان الولى الكبير منهما فظاهر لانه كالاجنبى (شامى ص ٢٨٦ ج ٤ باب المهر)

پوری ہونے کے ساتھ عرف ورواج کے لحاظ سے بھی کافی ہو۔ نیز گرمی اور سردی کا کپڑا بھی دینا مرد پر ضروری ہے جیسے شال، سوئٹر، چادر، کوٹ، لحاف، جبہ وغیرہ جہاں کا جیسا رواج ہو اسی حساب سے دیا جائے گا۔ لحاف، بستره، وغیرہ تو ایسی چیزیں ہیں کہ میاں بیوی دونوں کیلئے ایک ہی کافی ہے مگر صاحب درمختار کے قول کے مطابق لحاف، بستره، عورت کیلئے علیحدہ ہونا ضروری ہے کیونکہ عورت حیض کی حالت میں یا مرض کی وجہ سے کبھی اپنے شوہر سے الگ سوتی ہے۔[1]

کپڑا سال میں دوعدد واجب ہے

مذکورہ کپڑے ایک سال میں دو مرتبہ دینا مقرر ہوگا اور یہ ہر چھ ماہ پر عورت کے حوالہ کردیئے جائیں گے اگر چھ ماہ مقرر ہوگئے تو پھر چھ ماہ سے قبل عورت کو مطالبہ کا حق نہیں ہے اگر عورت نے خلاف عادت کپڑے کو اس طرح استعمال کیا کہ چھ مہینہ سے پہلے پہلے پھاڑ ڈالا تو پھر چھ ماہ سے قبل کپڑا دینا واجب نہیں ہوگا۔ البتہ عورت نے اگر عادت کے مطابق ہی استعمال کیا پھر بھی کپڑا پھٹ گیا تو یہ عورت کا قصور نہیں ہے اس لئے چھ ماہ سے قبل بھی عورت کو کپڑا دینا ضروری ہے۔

اور اگر کپڑا چھ ماہ گزرنے کے بعد بھی باقی رہا اور اس کے باقی رہنے کا سبب یہ ہے کہ کپڑا استعمال ہی نہیں کیا یا اس کپڑے کیساتھ دوسرا کپڑا بھی استعمال کیا تو ایسی صورت میں عورت دوسرا کپڑا لے سکتی ہے البتہ ان وجوہات کے علاوہ کپڑے کے باقی رہنے کی کوئی وجہ نہیں تو پھر شوہر پر دوبارہ کپڑا دینا ضروری نہیں ہے یہی سمجھا جائے گا کہ کپڑا مضبوط ہے۔

[1] ولحافا وفراشا وحدها لانها ربما تعتزل عنه ایام حیضها ومرضها (درمحتار) وتزاد فی الشتاء الخ ای تزاد علی ما قدره محمد فی الکسوة بدرعین وخمارین وملحفة فی کل سنة قال فی الظهرية ان هذا فی عرفهم اما فی عرفنا فیجب السراویل والجبة والفراش واللحاف وما تدفع به اذی الحر والبرد فی الشتاء درع خزرجيه قزو خملر ابریسم وفی الذخیره ما ذکره محمد علی عادتهم وذلك يختلف باختلاف الاماکن حرا وبردا والعادات فعلی القاضی اعتبار الکفاية بالمعروف فی کل وقت ومکان (شامی صفحه ۲۹۷ جلد۵)

اگر عورت نے نفقہ وکسوہ کو قصداً ضائع کر دیا یا اس کی بے احتیاطی سے ضائع ہو گیا یا چوری ہو گئی تو پھر شوہر پر دوبارہ نفقہ اور کسوہ کی ادائیگی ضروری نہیں ہے[1]

سکنیٰ یعنی عورت کی رہائش

سکنیٰ کا لفظ سکون سے لیا گیا ہے یعنی رہنے کا گھر کیونکہ آدمی کہیں سے آکر گھر ہی پر سکون محسوس کرتا ہے اس لئے اس کو سکون کی جگہ کہتے ہیں۔ بہر کیف مرد پر عورت کے نفقہ اور کسوہ کی طرح سکنیٰ بھی واجب ہے۔ چنانچہ قرآن میں اسی کا حکم ہے

(اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ وُّجْدِكُمْ[2]) کہ اپنی کوشش کے مطابق بیوی کو وہیں رکھو جہاں تم رہتے ہو

بیوی کا حق سکنیٰ کیا ہے

اولاً تو بیوی کا اخلاقی تقاضا یہ ہے کہ وہ سب کے ساتھ ملکر رہے الگ گھر کا مطالبہ نہ کرے کہ شوہر کو مستقل علیحدہ مکان خریدنا پڑے۔ شوہر اور اس کے رشتہ دار کا بھی اخلاقی فریضہ ہے کہ وہ عورت کیلئے گھر کا ایک مخصوص کمرہ خاص کر دے تا کہ وہ اپنا ضروری سامان رکھ سکے اور میاں بیوی بے تکلف رہ سکیں گھر کے دوسرے لوگوں کو آنے کی نوبت نہ آئے۔

لیکن اگر عورت سب کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی مستقل علیحدہ ایسے مکان کا

---

[1] وانما تفرض الكسوة فی السنة مرتين فی كل ستة اشهر مرة كذا فی المبسوط ولو فرض لها الكسرة مدة ستة اشهر ليس لها غيرها حتى تمضی المدة فان تخرقت قبل مضيها ان كانت بحيث لو لبستها لبسا معتاداً لم تتخرق لم يجب عليه والا وجب وان بقی الثوب بعد المدة ان كان بقاؤه لعدم اللبس او للبس ثوب غيره او للبسه يوما دون يوم فلنه يفرض لها كسوة اخری والا فلا كذا فی الجوهرة النيرة ولو ضاعت الكسوة او النفقة او سرقت لم يجدد غيرها حتى يمضی الفصل بخلاف المحلرم كذا فی غاية السروجی (عالم گيری ص۵۵۵ تا ۵۵۶ جلد۱)

[2] سورة الطلاق آيت ٦

مطالبہ کرتی ہے جو خالص اسی کیلئے ہو اس میں کسی کو نہ آنے دے تو شوہر پر اس کا پورا کرنا ضروری ہے کیونکہ سب کے ساتھ رہنے میں اس کا نقصان ہے وہ اپنے ذاتی سامان کی حفاظت پر مامون نہیں اور نہ وہ بے تکلف اپنے شوہر کے ساتھ رہ سکتی ہے۔[1]

البتہ گھر میں کئی کمرے ہوں ان میں سے ایک کمرہ بیوی کیلئے خاص کر دے کہ وہ اپنا مال واسباب حفاظت سے رکھ سکے اور بلا تکلف رہ سکے اور کنجی اپنے پاس رکھے کسی کا اس میں دخل نہ ہو تو ایسا مکان کافی ہے عورت کو پورے گھر کے مطالبہ کا حق نہیں۔[2]

شوہر کے ذمہ صرف علیحدہ گھر یا اس کا صرف ایک کمرہ دینا لازم ہے اس کے علاوہ باورچی خانہ، غسل خانہ، بیت الخلاء تمام پریوار سے علیحدہ دینا ضروری نہیں ہے مگر یہ حکم معمولی حیثیت کے خاوند کا ہے اگر شوہر مالدار ہے تو اس کے ذمہ ایسا علیحدہ گھر دینا لازم ہوگا جس میں باورچی خانہ، غسل خانہ، بیت الخلاء وغیرہ ضروریات کی تمام چیزیں مہیا ہوں[3]

---

[1] وکذا تجب لها السکنی فی بیت خال عن اهله سوی طفله الذی لا یفهم الجماع الخ واهلها ولو ولدها من غیره بقدر حالهما کطعلم وکسوة وبیت منفرد من دار له غلق (درمختار) وقوله خال عن اهله الخ لانها تتضرر بمشارکة غیرها فیه لانها لا تأمن علی متاعها ویمنعها ذلك من المباشرة مع زوجها ومن الاستمتاع الا ان تختار ذلك لانها رضیت بانتقاص حقها (شامی جلد ۳۲۰ جلده)

[2] فان کانت دار فیها بیوت واعطی لها بیتا یغلق ویفتح لم یکن لها ان تطلب بیتا اخر اذا لم یکن ثمه احد من احماء الزوج یؤذیها (شامی صفحه ۳۲۱ جلده)

[3] ومطبخ ای بیت الخلاء وموضع الطبخ بان یکونا داخل البیت او فی الدار لا یشارکها فیها احد من اهل الدار قلت وینبغی ان یکون هذافی غیر الفقراء الذین یسکنون فی الرجوع والاحواش بحیث یکون لکل واحد بیت یخصه وبعض المرافق مشترکة کالخلاء والتنور وبئر الماء ویأتی تمامه قریبا قوله لحصول المقصود وهو انها علی متاعها وعدم ما یمنعها من المعاشرة مع زوجها والاستمتاع (شامی صفحه ۳۲۱ جلده)

مرد اپنے مخصوص گھر میں عورتوں کے رشتہ داروں کو بھی آنے سے روک سکتا ہے

جس طرح عورت اپنے مخصوص گھر اور مخصوص کمرے میں خاوند کے دوسرے رشتہ داروں کو روک سکتی ہے اسی طرح شوہر بھی اپنے اس مخصوص کمرے میں عورت کے رشتہ دار (خواہ اس کے والدین ہی کیوں نہ ہوں یا پہلے خاوند سے اس کی اولاد) کو آنے سے منع کر سکتا ہے۔ البتہ زوجہ کے والدین کو ہفتہ میں ایک روز مثلاً جمعہ کو اپنی بیٹی سے ملاقات کرنے کا حق ہے شوہر اس سے منع نہیں کر سکتا مگر اس مخصوص کمرے میں ٹھہرنے سے منع کر سکتا ہے نیز اسی طرح والدین کے علاوہ دیگر محرم رشتہ داروں کو سال میں ایک مرتبہ ملنے کا حق ہے۔ ہاں اگر یہ رشتہ دار سال میں اور والدین ہفتہ میں ایک مرتبہ سے زائد ملنے آویں تو پھر شوہر کو روکنے کا حق ہے۔[1]

عورت کو والدین اور دیگر رشتہ داروں کے یہاں جانے کا حکم

عورت کو اپنے والدین کے یہاں ہفتہ میں اور دیگر رشتہ دار کے یہاں سال میں ایک مرتبہ جانے کا حق ہے شوہر اس سے روک نہیں سکتا البتہ اگر وہ رشتہ دار عورت ہی کے گھر آ کر ٹھہرنے لگیں تو پھر شوہر منع کر سکتا ہے۔

اگر والدین کو دیکھ بھال کرنے والا اس عورت کے علاوہ کوئی نہیں تو وہ اپنے والدین کے پاس بقدر ضرورت بار بار بھی جا سکتی ہے اگرچہ شوہر منع کرے لیکن شوہر

---

[1] واذا اراد الزوج ان یمنع ابلها او امها او احدا من اهلها من الدخول علیها فی منزله اختلفوا فی ذلك قال بعضهم لایمنع الابوین من الدخول علیها للزیارة فی کل جمعه وانما یمنعهم عن الکینونة عندها وبه اخذ مشایخنا رحهم الله تعالی (وعلیه الفتوی) کذا فی فتاوی قاضی خاں الخ وهل یمنع غیر الابوین من الزیارة قال بعضهم لا یمنع المحرم عن الزیارة فی کل شهر وقال مشائخ بلخ فی کل سنة (وعلیه الفتوی) (عالم گیری صفحه ٥٥٦ تا ٥٥٧ جلد١)

کے منع کرنے کی صورت میں جانے پر نفقہ کی مستحق نہیں ہوگی۔[1]

شادی کے بعد چولہے کا الگ ہونا ہی بہتر ہے

آج کے دور میں میاں بیوی کا علیحدہ رہنا معیوب سمجھا جاتا ہے شوہر جب اپنی بیوی کو لیکر رشتہ داروں سے الگ رہتا ہے تو اعزہ واقارب ناخوش ہوتے ہیں اور ناک منھ چڑھاتے ہیں لوگوں میں چہ میگوئیاں ہونے لگتی ہیں کہ دیکھا فلاں لڑکا کتنا جورو پرست نکلا کہ شادی کے بعد فوراً الگ ہوگیا، دیکھا فلانی عورت سال بھر بھی اپنی بہو کو نہ نبھا سکی، دیکھا فلاں کی بیٹی اپنی ساس کے ساتھ نہ رہ سکی ارے کیا رہے گی کبھی اس کی ماں نے ساس سسر کا خیال نہیں کیا تو بیٹی کیا کریگی اس کا تو خاندان ہی ایسا ہے وغیرہ وغیرہ، چبھتے ہوئے جملے کسے جاتے ہیں لیکن علیحدہ رہنے میں بیحد مصالح اور فوائد ہیں یہ صورت بہت سے گھریلو نزاع واختلاف کا سد باب ہے۔ کیونکہ جہاں ساس سسر، نند، بھاوج اور سب بھائی اور ان سب کی بیویاں ساتھ رہتے ہیں ایک ہی ہانڈی میں کھانا پکتا ہے تو روزانہ جھگڑے ہوتے رہتے ہیں سب کی بیویاں ایک دوسرے سے حسد، کینہ اور بغض رکھتی ہیں غیبت اور ایک دوسرے کی چغل خوری اور اپنے اپنے شوہروں کے پاس ایک دوسرے کی شکایتیں کرتی رہتی ہیں جن کی وجہ سے بھائیوں کے مابین عداوت دشمنی اور ساس بہو میں روزانہ کی کائیں کائیں کچ کچ ہوتی رہتی ہے ایک دوسرے سے خوش نہیں ناک منہ چڑھا کر باتیں ہوتی رہتی ہیں اور یہ صرف اسی ایک گھر تک محدود نہیں بلکہ عورتیں اپنے اپنے میکے میں اس کی خبریں پہنچاتی ہیں پھر ان کے جراثیم مختلف خاندانوں میں پہنچ جاتے ہیں پھر عورتوں اور ان کے رشتہ دار کی طرف سے طلاق وخلع کا

---

[1] ولایمنعها من الخروج الی الوالدین فی کل جمعه الخ ولو ابوها زمنا مثلا فاحتاجها فعلیها تعاهده ولو کافرا وان ابی الزوج (درمختار) قوله فعلیها تعاهده ای بقدر احتیاجه الیها وهذا اذا لم یکن له من یقوم علیه کما قیده فی الخانیه الخ (قوله وان ابی الزوج) لرجحان حق الوالد وهل لها النفقة؟ الظاهر لا (شامی صفحه ۳۲٤ جلد٥)

مطالبہ ہوتا ہے۔ پھر معاملہ اتنا سنگین ہوجاتا ہے کہ دونوں کے درمیان جھگڑے فساد، کیس مقدمے کی نوبت آجاتی ہے یہ شادی خانہ آبادی کے بجائے بربادی کا سبب ہوجاتی ہے اس کے برخلاف الگ رہنے میں نہ کوئی جھگڑا نہ فتنہ فساد ہے سب اپنے اپنے کام سے مطلب رکھتے ہیں اپنی اپنی محنت کے بقدر جو میسر ہو اپنی زندگی گزار لیتے ہیں اس سے صرف میاں بیوی کے درمیان ہی نہیں بلکہ ماں بیٹا، بہو، ساس، نند، بھاوج اور سب بھائیوں اور ان کی بیویوں کے درمیان تعلق ومحبت قائم رہتی ہے ایک دوسرے کی عزت اور قدر بھی کرتے ہیں آپس میں لین دین اچھی طرح ہوتا ہے کسی کے یہاں کوئی اچھی چیز پکی تو دوسرے کے گھر پہنچادی جاتی ہے بیوی ساس سسر کی بھی اچھی خدمت کرتی ہے اس سے شادی کا مقصد پوری طرح حاصل ہوتا ہے اور ہر ایک کی زندگی خوشگوار گزرتی ہے۔ اسی وجہ سے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ چولہا تو ضرور ہی علیحدہ ہونا چاہئے زیادہ تر آگ اسی چولہے سے بھڑکتی ہے۔ بعض لوگ یہ سوچتے ہیں کہ ہر آدمی کی اتنی استطاعت کہاں ہے کہ الگ رہ سکے یا والد شادی کے بعد فوراً مکان دلوا سکے۔ لہٰذا اس کے لئے آسان حل یہ ہے کہ کرایہ کا مکان لے لیں اور اگر اس کی بھی گنجائش نہیں تو اسی بڑے مکان میں باورچی خانہ الگ کرلیں۔ آج کل طبیعتوں اور واقعات کا مقتضی تو یہ ہے کہ اگر عورت ساتھ میں رہنے پر راضی بھی ہو اور علیحدہ رہنے سے سب اعزہ اور رشتہ دار ناخوش بھی ہوں تب بھی مصلحت یہ ہے کہ جدا ہی رکھے اس سے ہزاروں مفاسد اور ہزاروں خرابیوں کا دروازہ بند ہوجاتا ہے۔[1]

والدین واولاد اور دوسرے اعزہ کے حقوق

شوہر کے فرائض تفصیل سے آچکے کچھ مزید باتیں جملہ معترضہ کے طور پر یہاں بیوی کے علاوہ دوسرے رشتہ داروں کے حقوق سے متعلق بیان کردینا موقع کے

[1] (اصلاح انقلاب امت ۱۸۸)

مناسب معلوم ہوتا ہے۔

اولاد کا نفقہ

نابالغ اولاد جن کی ملکیت میں کچھ بھی مال نہیں ان کے اخراجات ان کے باپ کے ذمہ ہیں۔ اگر چہ باپ خود تنگ دست اور مفلس ہو کوئی دوسرا اس ذمہ داری میں شریک نہیں۔[۱]

اگر بالغ لڑکا اپاہج، لنجا یا کسی اور مرض کی وجہ سے معذور یا کام بھی کرتا ہو مگر اچھی طرح نہیں کر پاتا یا طالب علمی کا زمانہ گزار رہا ہو یا کسی شرافت کی وجہ سے کام کرنے سے شرماتا ہو یا اس کو کوئی مزدور رکھنا نہیں چاہتا تو اس کا نفقہ بھی باپ ہی کے ذمہ ہے اور اگر صحیح کام کر سکتا ہے کوئی عذر بھی نہیں تو اس کا نفقہ باپ کے ذمہ نہیں ہے۔

وہ بالغ لڑکیاں جن کے پاس مال نہیں ہے تو ان کا نفقہ مطلقاً باپ ہی کے ذمہ ہے جب تک کہ اس کی شادی نہ ہو جائے۔ اور بیٹے کی بیوی یعنی بہو کا نفقہ خسر کے ذمہ اس وقت تک ہوتا ہے جب تک کہ اس کا بیٹا نابالغ ہے۔ یا لنجا اور اپاہج ہے لیکن خسر کو بہو کے نفقہ پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔[۲]

پوتا پوتی کا نفقہ

اگر چھوٹے بچے کا باپ لنجا اور اپاہج ہے اور اس بچے کے پاس مال بھی نہیں ہے تو اس کا نفقہ دادا پر واجب ہوگا۔ اور دادا کسی سے اس کا مطالبہ بھی نہیں کر سکتا۔[۳]

اگر کوئی باپ مر گیا اور اس نے اپنے پیچھے چھوٹے بچے بھی چھوڑے

---

[۱] نفقة الاولاد الصغلر على الاب لايشلركه فيها احد (علم گیری صفحه ٥٦٠ جلد١)

[۲] قال الامام الحلوانى اذا كان الابن من ابنلء الكرام ولا يستاجره الناس فهو عاجز وكذا طلبة العلم اذا كلنو علجزين عن الكسب الخ ونفقة الاناث ولجبة مطلقاً على الابلء مالم يتزوجن اذا لم يكن لهن مال الخ ولا يجب على الاب نفقة الذكور الكبلر الا ان يكون الولد عاجز عن الكسب لزملنة او مرض ومن يقدر على العمل لكن لا يحسن العمل فهو بمنزلة العلجز الخ ونفقة زوجة الابن على ابيه ان كان صغيرا فقيراً وزمنا لانه من كفاية الصغير وذكر فى المبسوط لايجبر الاب على نفقة زوجة الابن (علم گیری صفحه ٥٦٣ جلد١)

[۳] وان كان الاب زمنا وليس للصغير مال يقضى بالنفقة على الجد ولا يرجع الجد بذلك على احد (علم گیری صفحه ٥٦٢ جلد١)

ہیں اور کچھ مال بھی چھوڑا ہے تو اولاد کا کھانا خرچہ اس مال میں سے اس کے حصہ کے بقدر ہی ہوگا باقی ورثہ کے مال میں سے اس کا نفقہ نہیں ملے گا۔ اسی طرح باقی ورثہ کا خرچہ بھی ان کے حصہ کے بقدر ہی ہوگا۔[1]

والدین کے نفقہ کا حکم

والدین (اور یہ ہی حکم اصول باپ دادا ماں نانی وغیرہ کا بھی ہے) اگر محتاج اور تنگ دست ہو جائیں کمانے پر قادر ہوں یا نہ ہوں ان کے اخراجات کی ذمہ داری خوش حال اولاد پر ہے (یعنی ایسی اولاد کہ ان کو زکوۃ، صدقہ وغیرہ کا مال دینا جائز نہ ہو) اگر خوشحال اولاد بیٹا بیٹی دونوں ہوں تو نفقہ کی ذمہ داری دونوں پر برابر ہوگی اولاد، والدین کے نفقہ کی ذمہ داری لینے میں کسی اور کو شریک نہیں کرے گی۔[2]

ذی رحم محرم یعنی دوسرے رشتہ دار کا نفقہ

ہر مال دار شخص پر اس کے ذی رحم محرم (یعنی بھائی، بہن، چچا، ماموں وغیرہ) رشتہ داروں کا نفقہ واجب ہے بشرطیکہ وہ ذی رحم محرم محتاج یا نابالغ یا مفلس عورت یا اپاہج ومعذور ہو یا طالب علم ہو یا بے وقوف ہو یا کسی اور وجہ سے کمانے پر قادر نہ ہو اگر مالدار شخص ان رشتہ داروں پر خرچہ نہ کرے تو ان کو خرچہ کرنے پر مجبور کیا جائے گا ان رشتہ داروں کا خرچہ میراث کے اعتبار سے واجب ہوگا یعنی جو مفلس ذی رحم محرم اپنے مالدار رشتہ دار سے نفقہ لے رہا ہے اگر وہ مرجائے تو اس کے مال میں سے شرعی نقطۂ نظر سے جس کو جتنا حصہ ملے گا اسی حساب سے اس وقت جبکہ وہ تنگ دست ہے وہ لوگ جو

---

[1] وان کان الاب قدمات وترک اموالاً وترک اولاداً صغاراً کانت نفقة الاولاد من انصبائهم وکذا کل من یکون وارثا فنفقته فی نصیبه (عالم گیری صفحه ٥٦٤ جلد١)

[2] قال ویجبر الولد الموسر علی نفقة الابوین المعسرین مسلمین او ذمیین قدرا علی الکسب اولم یقدر الخ ولا یشارک الولد الموسر لحداً فی نفقة ابویه المعسرین الخ الیسلر مقدر بالنصاب فیما روی عن ابی یوسف رحمة الله تعالی (علیه الفتوی) والنصاب نصاب حرمان الصدقة الخ واذا اختلف الذکور والاناث فنفقة الابوین علیهما علی السویه (عالم گیری صفحه ٥٦٤ جلد١)

مالدار ہیں ان پر خرچ کریں۔[1]

بیوی ان قریبی رشتہ داروں کے حقوق کیلئے مانع نہ بنے

جب شوہر اپنے والدین اور رشتہ داروں کو کچھ دیتا اور ان پر کچھ خرچ کرتا ہے اور ان کے حقوق کی ادائیگی کرنا چاہتا ہے تو بیوی جل بھن جاتی ہے ناک منہ چڑھا کر شوہر سے جھگڑتی ہے یہ ان کی کم ظرفی اور بے دینی ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ ایک بڑے پائے کے محدث فقیہ بزرگ ہیں وہ فرماتے ہیں کہ عورتوں کا وہ فتنہ جس سے آپ ﷺ نے امت کو ڈرایا ہے وہ یہ ہے کہ وہ اپنے شوہروں کیلئے قطع رحمی کا سبب بنتی ہیں اور ان کو معمولی ورذیل اور گھٹیا کاموں پر مجبور کرتی ہیں۔ اس لئے جب شوہر بیوی کا نان نفقہ اور دوسرے حقوق ادا کر رہا ہو تو بیوی کیلئے قطعاً جائز نہیں ہے کہ وہ شوہر کو ان کے والدین اور دوسرے رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنے اور مالی خدمات سے روکے۔[2]

شوہر اپنی بیوی سے کتنے دن تک جدا رہ سکتا ہے

شوہر پر جس طرح بیوی کے خانگی حقوق روٹی کپڑے وغیرہ ہیں اسی طرح بلکہ اس سے زیادہ ہی اس کے مادی اور جنسی حقوق کا پورا کرنا خاوند پر واجب ہے۔ بہت سارے لوگ ظاہری دین کی صورت بنا کر ہر وقت نماز روزے میں مشغول رہتے ہیں اور بیوی کی طرف سے ان کی توجہ ہٹ جاتی ہے یہ ثواب نہیں بلکہ بیوی کی حق تلفی کی وجہ سے الٹا گناہ ہے۔ ایک بڑے ممتاز صحابی حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ ہر وقت عبادت میں لگے رہتے تھے اور بیوی بچوں کی طرف توجہ نہیں تھی تو حضور ﷺ نے بطور تنبیہ کے فرمایا (وان لزوجک علیک حقا) کہ تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے۔ اسلئے عورت کی خواہش کا پورا کرنا مرد پر ضروری ہے۔ مرد کی خواہش کی طرح عورت کی

---

[1] والنفقة لكل ذی رحم محرم اذا كان صغيراً فقيراً او كانت امرأة بالغة فقيرة او كان ذكراً فقيراً زمناً او اعمى ويجب ذلك على قدر الميراث ويجبر عليه (عالم گيری ص ٥٦٥ تا ٥٦٦ ج ١) [2] مستفاد آپ کے مسائل اور ان کا حل ص ۳۲۷ ج ۵)

بھی خواہش ہوتی ہے بلکہ مرد کے مقابلے میں زیادہ ہوتی ہے اس بات کو غنیۃ الطالبین میں بڑے واضح انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

فان لم تشتق نفسه الی الجماع لا یجوز له ترکه لان لها حقا فی ذلک وعلیها مضرة فی ترکه لان شهوتها اعظم من شهوته وقد روی ابوهریرة رضی الله تعالی عنه ان النبی صلی الله علیه وسلم قال فضلت شهوة النساء علی الرجل بتسعة وتسعین الا ان الله تعالی القی علیهن الحیاء وقیل الشهوة عشرة اجزاء تسعة منها للنساء وواحدة. للرجل والقدر الذی لا یجوز ان یؤخر الوطی عنه اربعة اشهر الا ان یکون له عذر[۲]

مرد کو جماع کی خواہش نہ ہو تب بھی جماع کا ترک کر دینا جائز نہیں ہے اس لئے کہ اس سلسلے میں مرد پر عورت کا حق ہے کہ اس سے مجامعت کرے ورنہ کبھی ترک جماع میں عورت کو نقصان ہوتا ہے کیونکہ عورت کی شہوت زیادہ ہے مرد کی شہوت سے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ عورتوں کو مردوں کے مقابلہ میں ننانوے درجہ زیادہ خواہش ہوتی ہے مگر حق تعالی نے ان پر شرم وحیاء کا پردہ ڈال دیا ہے (اس لئے وہ زبان سے اس کا اظہار نہیں کرتیں) اور بعض لوگوں کا قول ہے کہ شہوت کے دس حصے ہیں ان میں سے نو حصہ عورت کو اور ایک حصہ مرد کو ملا ہے۔ اور جائز نہیں ہے کہ مرد عورت سے بلا عذر کے چار ماہ سے زیادہ الگ رہے۔

تنبیہ: اس سے قبل ص ۱۶۷ اور ۱۶۸ پر علامہ ابن قیم کی رائے اس کے خلاف گزر چکی ہے وہ فرماتے ہیں کہ مرد وعورت دونوں میں خواہش یکساں ہوتی ہے بلکہ علامہ پر زور انداز میں عورت کے اندر زیادتی شہوت کے قول کی تردید کر رہے ہیں۔ مگر صاحب غنیہ کی بات وزن دار معلوم ہوتی ہے کیونکہ وہ اپنی بات کو حضرت ابو ہریرہؓ کی مرفوع حدیث سے ثابت کر رہے ہیں۔

[۱] بخاری شریف ۷۸۳ ج ۲ [۲] (غنیة الطالبین ص ۳۳ ج ۱ ماخوذ فتاوی رحیمیه ص ۱۲٤ ج ۳)

علامہ شامی نے امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ کا ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کا یہ معمول تھا کہ راتوں کو گلی کوچوں میں گشت لگاتے تھے ایک رات گشت لگاتے ہوئے انھوں نے ایک مکان سے جوان عورت کو شعر پڑھتے سنا کہ وہ شوہر کے فراق میں گا رہی تھی۔

فو الله لولا الله تخشى عواقبه　　لزحزح من هذا السرير جوانبه

یعنی قسم خدا کی اگر مجھے آخرت کے بارے میں اللہ کا خوف نہ ہوتا تو آج چار پائی کی چولیں ہلتی ہوئی ہوتیں۔ حضرت امیر المؤمنین نے وجہ دریافت کی تو اس (بے سہارا بندئ خدا) نے جواب دیا کہ کافی عرصہ ہوا میرا شوہر جہاد میں گیا ہے اس کی جدائی کے غم کو ہلکا کرنے کیلئے یہ شعر پڑھ رہی تھی۔ (حضرت عمر فاروقؓ بہت زیادہ غمزدہ ہوئے اور گھر واپس آ کر) اپنی بیٹی ام المؤمنین حضرت حفصہؓ سے دریافت کیا کہ عورت بغیر شوہر کے کتنے دن صبر کر سکتی ہے تو حضرت حفصہؓ نے جواب دیا کہ چار ماہ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے مجاہدین کے سربراہ کے پاس یہ فرمان جاری کیا کہ شادی شدہ فوجی چار ماہ سے زیادہ باہر نہ رہے۔ چار ماہ پورا ہونے پر اس کو گھر آنے کی اجازت دیدی جائے۔ کیونکہ یہ مدت اگر عورت کیلئے زیادہ نقصان دہ نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ اتنی مدت کو ایلاء کی مدت کیلئے مشروع قرار نہ دیتے۔[1]

چنانچہ آج بھی اسی پر علماء کا فتوی ہے۔ علامہ شامی فرماتے ہیں۔

(ويجب ان لا يبلغ به مدة الايلاء الا برضاها وطيب نفسها به)[2]　　کہ بغیر بیوی کی رضامندی کے چار ماہ سے زیادہ باہر رہنا شوہر کیلئے جائز نہیں ہے۔

---

[1] ثم قوله وهو اربعة اشهر يفيد ان المراد ايلاء الحرة ويؤيد ذلك ان عمر رضى الله تعالى عنه لما سمع فى الليل امرأة تقول

فوالله لولا الله تخشى عواقبه　　لزحزح من هذا السرير جوانبه

فسأل عنها فاذا زوجها فى الجهاد فسأل بنته حفصةؓ كم تصبر المرأة عن الرجل فقالت اربعة اشهر فامر امراء الاجناد ان لا يتخلف المتزوج عن اهله اكثر منها ولولم يكن فى هذه المدة زيادة مضارة بها لما شرع الله تعالى الفراق بايلاء فيها (شامى صفحه ٣٨٠ جلد٤)

[2] شامى ٣٧٩ جلد ٤

عورت کا حق مجامعت

شریعت میں کسی عورت کا جماع سے متعلق اس کے شوہر پر جو حق ہوتا ہے وہ ایک بار جماع کرنے سے ساقط ہو جاتا ہے. جماع کرنے کے بارے میں شوہر خود مختار ہے جب چاہے کرے۔ مگر کبھی کبھی جماع کر لینا اس پر دیانۃً واجب ہے قضاءً واجب نہیں چار ماہ یعنی مدت ایلاء تک شوہر کیلئے جماع نہ کرنا مناسب نہیں۔ خاصکر اتنی مدت تک جماع ترک نہ کرے جو عورت کے برداشت سے باہر ہو کہ خدانہ خواستہ کہیں زنا میں مبتلا نہ ہو جائے۔

علامہ شامی نے امام ابوحنیفہؒ کا مسلک بیان کیا ہے کہ چار دن میں ایک دن اور ایک رات بیوی کا حق ہے کہ اس سے جماع کرلے اور باقی تین دن شوہر کے لئے اختیار ہے۔ اسی کو امام طحاویؒ نے اختیار کیا ہے مگر ظاہر مذہب یہ ہے کہ بلا کسی قید کے شوہر کو حکم دیا جائے گا کہ کبھی کبھی اس کے ساتھ رات گزار لے اور اس سے مجامعت کرلے جیسی شہوت اور خواہش ہو عمل کرے۔ بیوی کے مزاج اور طبیعت کا اندازہ لگا کر اس سے مباشرت کیا کرے ورنہ دونوں میں محبت اور الفت پیدا ہونے کے بجائے نااتفاقی اور نفرت پیدا ہونا ممکن ہے۔[1]

میاں بیوی کا باہمی حسن سلوک

اوپر تو شرعی قانون کے دائرے میں ان کے جتنے حقوق تھے ان کا تذکرہ کیا گیا ہے ورنہ میاں بیوی کے درمیان کے تعلق کا تقاضا تو یہ ہے کہ دونوں ہم پیالہ وہم نوالہ ہوں ایک دوسرے کے غم خوار ایک دوسرے کے دکھ درد اور خوشی و مسرت میں اس طرح

---

[1] فلما اذا لم یکن له الا امرأة واحدة فتشاغل عنها بالعبادة او السراری اختار الطحاوی روایة الحسن عن ابی حنیفة ان لها یوماً ولیلة من کل اربع لیال وباقیها له الخ وظاهر المذهب ان لایتعین مقدار الخ بل یؤمر ان یبیت معها ویصحبها احیانا من غیر توقیت (شامی صفحه ۳۸۰ جلد٤)

شریک ہوں کہ اگر شوہر کی کچھ مجبوری ہوتو عورت خوشی سے برداشت کرلے ایسانہیں کہ عورت قانوناً اپنے حقوق کی فہرست بغیر شوہر کی مجبوریوں کا لحاظ کئے شوہر کے سامنے پیش کرے اور انکی عدم ادائیگی کی صورت میں حاکم اور قاضی کے پاس مقدمہ دائر کرے اور ایک اجنبی شخص کی طرح بغیر کسی تعلق ورشتہ داری کا پاس ولحاظ کئے جبراً وقہراً حقوق کا مطالبہ کرے اور نہ شوہر اس بات کا پابند ہو کہ ہر چیز ناپ تول کر بیوی کو دے اور ایک بوجھ سمجھ کر محض رسمی طور پر اس کے حقوق ادا کرے بلکہ بیوی کی ضرورت کو اپنی ضرورت سمجھ کر اس کے ہر تقاضے کو پورا کرنے کی کوشش کرے ان کی ہر اعتبار سے قدر کرے۔ آمدنی کی زیادتی کے مطابق اس کے کھانے کپڑے اور دوسری چیزوں میں کشادگی وفراخی کا معاملہ کرے اس کے ساتھ محبت و پیار وشفقت و بے تکلفی کا اس طرح برتاؤ کرے کہ اس کے ساتھ رہنے سہنے میں کچھ شگوفے کچھ لطیفے خوشی کا اظہار ہنسنے ہنسانے کا موڈ اس کی آرائش وزیبائش اور بناؤ سنگار پر داد تحسین پیش کرے اور اس کے کھانے پکانے اور سلیقہ مندی خوش ذائقہ کی تعریف اور اس کے حسن صورت اور سیرت کو اس طرح سراہے کہ دنیا کی تمام عورتوں سے زیادہ حسین اور سب سے زیادہ خوش مزاج اور عمدہ اخلاق والی سمجھے اور یہ خیال کرے کہ اللہ تعالی کے یہاں جو جوڑا مقدر ہو چکا تھا اسی میں خیر اور بھلائی ہے۔

مرضی مولی از ہمہ اولی جس میں مالک راضی اس میں ہم راضی

اس کی غلطی اور کوتاہی کو نظر انداز کر کے اس کی ہر خامی کو خوبی پر محمول کرے اس کے ہر کڑوے کھٹے کو برداشت کر کے الفت ومحبت پر محمول کرے۔

الفت میں برابر ہے وفا ہو کہ جفا ہو ہر چیز میں لذت ہے اگر دل میں مزہ ہو

اس طرح کا معاملہ دونوں طرف سے ہوتو کیا خوشگوار زندگی ہوگی آپ کی طبیعت چاہے یا نہ چاہے ہمارے کہنے سے ایک مرتبہ تجربہ کر کے دیکھئے کیونکہ آپ اس

سے تھوڑی سی محبت کا اظہار کریں گے تو وہ آپ سے دوگنی محبت کا اظہار کریگی کیونکہ یہ عورت کی طبیعت ہے اور میاں بیوی کی اس خوشی کا اثر بال بچے پر بھی پڑے گا اور وہ بھی خوش وخرم رہیں گے اور پھر پورے گھر کے اس خوشگوار ماحول سے گھر میں برکت پیدا ہوگی مصیبتیں دور ہونگی اور یہ چیزیں صرف دنیوی اعتبار سے نفع بخش نہیں بلکہ آخرت میں بھی اس کے ہر عمل پر اس اجر وثواب سے نوازا جائیگا کہ جس کو پاکر وہاں اس حسن معاشرت کی قدر معلوم ہوگی۔

حضور ﷺ کی حدیث ہے:

عن ابی هريرةؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اكمل المؤمنين ايماناً احسنهم خلقاً وخياركم خياركم لنسائهم [1]

حضرت ابوہریرہؓ سے منقول ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ مومنین میں کامل ترین ایمان اس شخص کا ہے جو سب سے زیادہ خوش اخلاق ہو اور تم لوگوں میں سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو اپنی بیویوں کے حق میں بہتر ہوں۔

بیوی کے دین کا خیال رکھنا دوسرے حقوق سے زیادہ اہم ہے

بعض لوگ بیوی کے نان نفقہ اور گھریلو ضروریات کو پورا کرکے اپنے آپ کو بری الذمہ سمجھ لیتے ہیں کہ میرا جو حق تھا میں نے ادا کردیا حالانکہ شریعت مطہرہ نے جس طرح شوہر پر بیوی کے نان نفقہ اور اس کی دنیوی ضروریات کو پورا کرنے کی ذمہ داری ڈالی ہے۔ اس سے کہیں زیادہ شوہر کو اس بات کا مکلّف بنایا ہے کہ بیوی بچے میں کوئی قابل اصلاح چیز نظر آئے تو اس کی اصلاح کی فکر کرے اور اسی طرح عقائد عبادات اور اخلاق وعادات کو آہستہ آہستہ درست کرے صحابہ اور بزرگوں کے گھرانے کی عورتیں

[1] (ترمذی شریف صفحه ۲۱۹ جلد ۱)

اور اولیاء اللہ کی ماؤں کے واقعات سنائے تو انشاء اللہ عورت ضرور راہ راست پر آ جائیں گی کیونکہ عورت کا دل نرم ہوتا ہے نرمی سے سمجھانے پر وہ بات کو مان لیتی ہے نیز اس کی دینی اور اخلاقی تربیت کا قرآن نے بھی حکم دیا ہے۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا قُوْا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَاراً [۱] اے ایمان والو خود اپنے کو اور اپنے اہل وعیال کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔

اسی اہمیت کی وجہ سے حضور ﷺ کو عام تبلیغ سے پہلے اپنے قریبی رشتہ داروں میں تبلیغ کا حکم دیا گیا تھا۔

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الاَقْرَبِيْنَ [۲] یعنی اپنے خاندان والوں اور قریب کے لوگوں کو (جہنم اور انجام کار) سے ڈرائیے۔

اسی لئے حضور ﷺ عام لوگوں کے ساتھ ازواج مطہرات کو بھی دین کی باتیں بتاتے اور دین سیکھنے کے متعلق آگاہ فرماتے رہتے تھے۔ چنانچہ سورۂ احزاب میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے ازواج مطہرات کو مخاطب کر کے فرمایا۔

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِىْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ [۳] یعنی تمہارے گھروں میں اللہ کی جانب سے نازل شدہ آیات اور علم وحکمت کی باتیں سنائی جاتی ہیں ان کو یاد رکھ کر ان پر عمل کرو۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا جو انسان کو مکلّف بنایا گیا اس کا تقاضہ یہ ہے کہ باہر کی فکر سے پہلے انسان اپنے گھر کی فکر کرے۔ ورنہ اللہ کے یہاں اس سلسلے میں سوال کیا جائے گا۔ ایک حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا ہے۔

---

۱ پاره ۲۸ سوره تحریم آیت ٦
۲ سورة الشعراء آیت ۲۱٤
۳ سوره احزاب آیت ۳٤

الا کلکم راعٍ و کلکم مسئول عن رعیته[۳] کہ خبردار تم سب اپنے ماتحتوں کے ذمہ دار اور نگراں ہو اسلئے قیامت میں ہر ایک سے اس کے ماتحتوں کے متعلق پوچھ ہوگی۔

مگر اصلاح وتربیت میں اس حکم کو سامنے رکھے جس کو قرآن نے بیان کیا ہے۔

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ[۴] یعنی آپ اپنے رب کی راہ کی طرف علم کی باتوں اور اچھی نصیحتوں کے ذریعہ سے بلایئے۔

عورت کی کجی اور ٹیڑھا پن کو ملحوظ رکھے ورنہ درست ہونے کے بجائے ٹوٹ جائیگی اس لئے اس کا بہترین راستہ یہ ہے کہ خود ہی دین کی باتیں روزانہ زبانی اور تعلیمی طریقہ سے سنائے اور جہاں جہاں مستورات کے اجتماعات اور مجلسیں ہوں وہاں کسی محرم یا کسی دیندار عورت کے ساتھ بھیجا کرے نماز، روزہ نہ آتا ہو تو اس کو سکھائے اس کی فضیلت کو بتائے انشاء اللہ العزیز بہت جلد سدھار پیدا ہو جائیگا کیونکہ عورت نرمی کے انداز سے زیادہ قریب آتی ہے۔

عورتوں پر مردوں کے حقوق

اس سے پہلے مردوں کے فرائض اور عورتوں کے حقوق بیان کئے گئے ہیں اب یہاں سے عورتوں کے فرائض اور ان پر مردوں کے کیا کیا حقوق ہیں اُن کو بیان کیا جارہا ہے چنانچہ بیوی پر پانچ چیزیں فرض ہیں۔ (۱) خاوند کی اطاعت (۲) اپنی عصمت اور عزت کی حفاظت، شوہر کے مال کی حفاظت اور ضروری اخراجات میں اعتدال اختیار کرنا (۳) احسان شناسی (۴) اولاد کو دودھ پلانا (۵) حضانت یعنی بچے کی پرورش اور

---

۳ (مشکوۃ صفحہ ۳۲۰ جلد۲) ٤ سورۃ النحل آیت ۱۲۵

اس کی تربیت۔

خاوند کی اطاعت

عورت کے اوپر سب سے پہلا فرض یہ عائد ہوتا ہے کہ اپنے خاوند کی ہر چیز میں اطاعت کرے چنانچہ نیک اور صالح عورت کی سب سے پہلے قرآن نے جوصفت بیان کی ہے، وہ یہ ہے:

فَالصّٰلِحٰتُ قَانِتَاتٌ [۱] یعنی نیک عورتیں وہ ہیں جو مرد کی قوامیت اور حاکمیت کوتسلیم کرکے ان کی اطاعت اور فرمانبرداری کرتی ہیں۔

عورت کے لئے اللہ کے بعد کسی کی اطاعت ضروری ہے تو وہ شوہر کی ہے چنانچہ ابوہریرہؓ کی روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لو کنت اٰمُر احداً ان یسجد لاحد لامرت المرأة ان تسجد لزوجها [۲] یعنی اگر میں کسی کو بالفرض حکم کرتا کہ وہ (غیر اللہ) کوسجدہ کرے تو میں یقیناً عورت کو حکم کرتا کہ وہ اپنے خاوند کوسجدہ کرے۔

کیونکہ ایک تو رب حقیقی رب العالمین ہے کہ جس نے ہر طرح کی نعمتوں سے نوازا ہے اس کیلئے عبادت ہے اور شوہر بھی ایک رب مجازی ہے کیونکہ محنت ومشقت کرکے اس کی ہر ضرورت کو پوری کرتا ہے ہر طرح کی صعوبتیں اس کے لئے اٹھاتا ہے جس کا شکر عورت صحیح طور پر ادانہیں کرسکتی اس کے اس احسان کا بدلہ عورت چکانے سے عاجز ہے تو شریعت نے اس کا بدل اس پر اطاعت واجب کی ہے یہی وجہ ہے کہ باپ کی صرف تعظیم وتوقیر کو ملحوظ رکھتے ہوئے جہاں تک ہوسکے ان کے مقابلے میں شوہر کی اطاعت کو ترجیح دینے کا حکم ہے والدین اور شوہر کا بیک وقت خوش رکھنا محال اور مشکل ہوتو شریعت کا تقاضا یہ ہے کہ والدین کو چھوڑ کر شوہر کو خوش رکھے۔ یہی دانش مندی ہے

---

[۱] سورة النسا آیت ۳٤ [۲] ترمذی شریف صفحہ ۲۱۹ جلد ۱

کیونکہ والدین کے گھر کو چھوڑ کر شوہر کا پلہ پکڑ چکی ہے اگر اس کو چھوڑ دے گی تو نہ ادھر کی رہے گی نہ ادھر کی (نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم) شوہر کی اطاعت کرنے کی حدیث میں بڑی فضیلت اور ثواب منقول ہے ایک حدیث میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو عورت اپنے شوہر کی تابعدار و مطیع ہو تو اس کیلئے پرندے ہوا میں اور مچھلیاں دریا میں اور فرشتے آسمانوں میں اور درندے جنگلوں میں دعاءِ استغفار کرتے ہیں [1]

اسی طرح حضرت ام سلمہؓ سے منقول ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔

ایما امرأة باتت وزوجها عنها راض دخلت الجنة [2] یعنی جو عورت اس حال میں رات گزارے کہ اس کا شوہر اس سے راضی اور خوش ہے تو وہ جنت میں داخل ہوگی۔

شوہر کی اطاعت ہر حال میں لازم اور ضروری ہے چاہے کسی چیز کا نقصان ہی کیوں نہ ہو جائے شوہر کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اس کے پاس پہنچ جائے۔ حضرت طلق بن علیؓ کی روایت ہے حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔

اذا الرجل دعا زوجته لحاجته فلتاته وان كانت على التنور [3] کہ جب مرد اپنی بیوی کو اپنی کسی ضرورت (جماع وغیرہ) کیلئے بلائے تو بیوی کو شوہر کے پاس پہنچ جانا چاہئے اگرچہ وہ چولہے کے پاس ہو۔

شوہر کی اطاعت میں اس امر کا لحاظ بھی کیا جائے کہ فرائض وواجبات کے علاوہ کوئی نفلی عبادت یعنی نفلی روزہ اور نماز بھی شوہر کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر نہیں پڑھنی چاہئے۔ مشکوۃ میں ہے حضرت صفوان ابن معطل کی بیوی نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے شوہر کے متعلق شکایت کی کہ میرے شوہر مجھے نماز پڑھنے پر مارتے ہیں۔ روزہ رکھتی ہوں تو تڑوا دیتے ہیں۔ اور خود فجر کی نماز میں سوتے

---

[1] بحر محیط۔ ملخوذ معارف القرآن [2] ترمذی شریف ص ۲۱۹ ج
[3] ترمذی شریف ص ۲۱۹ ج ۱

رہتے ہیں۔ سورج نکلنے پر پڑھتے ہیں۔ اتفاق سے صفوانؓ بھی حضورﷺ کے پاس اسی وقت حاضر ہو گئے۔ حضورﷺ نے حقیقت حال ان سے دریافت کی تو بولے کہ میں اس لئے مارتا ہوں کہ میرے منع کرنے کے بعد بھی دو لمبی سورتیں ایک رکعت میں پڑھتی ہے مانتی ہی نہیں آپﷺ نے عورت سے فرمایا کہ ایک چھوٹی سی سورت یا آیت پڑھنے سے بھی نماز ہو جاتی ہے۔ صفوان نے کہا میں روزہ اس لئے تڑوا دیتا ہوں کہ یہ جب نفلی روزہ رکھتی ہے تو رکھتی ہی چلی جاتی ہے اور میں جوان آدمی ہوں قابو نہیں پاتا۔ حضورﷺ نے فرمایا۔

لاتصوم امرأة الا باذن زوجها[۱] (کوئی عورت نفلی روزہ بغیر شوہر کی اجازت کے نہ رکھے) اور فجر تاخیر سے پڑھنے کی وجہ یہ ہے کہ ہم لوگ رات گئے تک مزدوری کرتے ہیں۔

شوہر کی نافرمانی کرنے کے سلسلے میں حدیث میں وعیدیں بھی بہت ہیں۔

عن ابی هریرةؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا دعا الرجل امرأته الی فراشه فابت فبات غضبان لعنتها الملائکة حتی تصبح (متفق علیه وفی روایة لهما) قال والذی نفسی بیده ما من رجل یدعو امرأته الی فراشه فتابی علیه الا کان الذی فی السماء ساخطا علیها حتی یرضی عنها[۲]

حضرت ابوہریرہؓ سے منقول ہے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اگر کوئی آدمی اپنی عورت کو ہم بستر ہونے کے لئے بلائے اور وہ عورت انکار کردے اور شوہر انکار کی وجہ سے رات بھر غصہ کی حالت میں رہے تو فرشتے اس عورت پر صبح تک لعنت بھیجتے رہتے ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ آپﷺ نے فرمایا قسم ہے اس پاک ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے جو شخص اپنی عورت کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ انکار کردے

[۱] (مشکوۃ شریف صفحہ ۲۸۲ جلد ۲) [۲] (مشکوۃ شریف صفحہ ۲۸۰ جلد ۲)

تو وہ ذات جو آسمان میں ہے (اللہ تعالی) اس عورت سے اس وقت تک ناراض رہتا ہے جب تک اس کا شوہر اس سے راضی نہ ہو جائے۔

اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے جو معاذؓ سے منقول ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

لاتؤذی امرأة زوجها فی الدنیا الا قالت زوجته من الحور العین لاتؤذیه قاتلک الله فانما هو عندک دخیل یوشک ان یفارقک الینا[1]	جب کوئی عورت دنیا میں اپنے شوہر کو تکلیف پہنچاتی ہے تو اس کی جنت والی بیوی یعنی بڑی آنکھوں والی حور کہتی ہے کہ تجھ پر اللہ کی مار پڑے (یعنی اللہ تجھے جنت اور اپنی رحمت سے دور

رکھے) اپنے شوہر کو تکلیف نہ پہنچا کیونکہ وہ دنیا میں تیرا مہمان ہے جو جلد ہی تیرے پاس سے جدا ہو کر ہمارے پاس جنت میں آجائے گا۔

معصیت میں اطاعت نہیں

مگر یہ وعیدیں جب ہیں جب کہ وہ جائز کام کا حکم کرے۔ لیکن اگر شوہر برے کام کا حکم کرے مثلاً بے پردہ رہنے اور سینما دیکھنے اور دوستوں اور غیر محرم سے ملنے اور دیگر بے حیائی پر مجبور کرے اور اسی طرح نماز روزہ اور دیگر عبادتوں سے روکے تو پھر اس کی اطاعت نہیں کی جائے گی اور اس میں اس کی نافرمانی پر کوئی وعید نہیں ہے۔ کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا:

لاطاعة لمخلوق فی معصیة الخالق[2]	خدا کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں کرنی چاہئے۔

[1] (ترمذی شریف صفحہ ۲۲۲ جلد ۱)
[2] مشکوۃ شریف صفحہ ۳۲۱ جلد ۲

(۲) اپنی عصمت وعزت اور شوہر کے مال کی حفاظت

بیوی پر دوسرا فرض جو عائد ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ اپنی عصمت وعزت اور شوہر کے مال و جائداد کی پوری طرح حفاظت کرے چنانچہ قرآن نے نیک عورت کی دوسری صفت اس طرح بیان کی ہے۔

حٰفِظٰتٌ لِلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰه [۱] یعنی نیک عورتیں وہ ہیں جو اپنے شوہر کی غیر موجودگی میں بھی اپنی عزت وآبرو اور ان کی ہر چیز کی حفاظت کرتی ہیں

اسی طرح حضور ﷺ سے سوال کیا گیا کہ (ای النساء خیر) کونسی بیوی نیک اور بہتر ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

التی تسره اذا نظر وتطیعه اذا أمر ولاتخالفه فی نفسها ولا فی مالها بما یکره [۲] یعنی نیک اور صالح عورت تو وہ ہے کہ جب اس کا شوہر اس کی طرف دیکھے تو اس کو خوش کردے اور جب شوہر اس کو کسی چیز کا حکم کرے تو اس کو بجالائے (بشرطیکہ وہ حکم شریعت کے خلاف نہ ہو) اور اپنی ذات اور اپنے مال میں کوئی ایسی بات نہ کرے جس کو شوہر پسند نہ کرتا ہو۔

ایسی عورت کے متعلق حدیث میں بشارت آئی ہے۔ چنانچہ حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

المرأة اذا صلت خمسها وصامت شهرها واحصنت فرجها واطاعت بعلها فلتدخل من ای ابواب الجنة شاءت [۳] یعنی جو عورت پانچوں نماز کی پابندی کرے رمضان کے روزے رکھے اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرے اور اپنے خاوند کی اطاعت وفرمانبرداری کرے تو اس عورت کیلئے خوشخبری ہے کہ وہ جنت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہو جائے۔

لہٰذا عورت کے اوپر واجب ہے کہ وہ اپنی عزت وآبرو کی حفاظت کیلئے تمام

---

[۱] سورة النساء آیت ۳٤ [۲] (مشکوة شریف صفحه ۲۸۳ جلد ۲)
[۳] (مشکوة شریف صفحه ۲۸۱ جلد ۲)

ترکوشش کوصرف کرے اور ایسی چیز کا بھی ارتکاب نہ کرے جس سے خود اسکی اور اس کے شوہر کی عزت ووقار پر حرف آتا ہو۔ مثلاً وہ کسی غیر محرم کے سامنے نہ جائے اور نہ اس سے بلاضرورت بات کرے حتیٰ کہ شوہر کے علاوہ کسی محرم کے سامنے بھی احتیاط برتے بغیر نہ آئے۔ اور نہ شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر قدم رکھے۔ اسی طرح اس کے مال کو بلا وجہ برباد نہ کرے اور بڑی بے دردی سے خرچ نہ کرے شوہر کی اجازت کے بغیر دوسرے کو سامان دینا تو درکنار صدقہ کرنا بھی جائز نہیں ہے اگر صدقہ کر دیا تو شوہر کو واپس لینے کا حق ہوگا۔

عورت کا فرض بنتا ہے کہ وہ اپنے شوہر کی آمدنی اور مالیت کا خیال کرتے ہوئے اپنی ضروریات کو پورا کرے فضول خرچی کا مطالبہ نہ کرے یہی وجہ ہے کہ ازواج مطہرات نے جب زیادتی نفقہ کا حضور ﷺ سے سوال کیا تو اس پر سخت تنبیہ کی گئی حالانکہ ازواج مطہرات کا مطالبہ کوئی تعیش اور زیب وزینت کے لئے نہیں بلکہ ضروریات زندگی کی کفایت کیلئے تھا۔

اسی وجہ سے عورت کو بلاضرورت تزئین وآرائش سے منع کیا گیا ہے چنانچہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ:

لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم الواصلة والمستوصلة والواشمه والمستوشمة

یعنی حضور ﷺ نے بال جوڑنے اور جڑوانے والی اور گدنا گودنے اور گدوانے والی پر لعنت کی ہے۔

اسی طرح ایک اور روایت میں ہے

لعن الله الواشمات والمستوشمات والمتنمصات والمتفلجات للحسن المغيرات خلق الله[1]

یعنی اللہ تعالیٰ نے گدنا گودنے والیوں اور گدوانے والیوں اور اپنے چہرے پر سے روئیں اکھاڑنے (حد سے زیادہ تراش خراش کیلئے) والیوں اور اسی طرح

[1] (ابوداؤد شریف صفحہ ۵۷۴ جلد۲)

دانتوں کے بیچ میں خلا پیدا کرنے والیوں اور اللہ کی خلقت کو بدلنے والیوں پر لعنت کی ہے۔

اس لئے کہ ان سب چیزوں میں ایک قسم کے فریب کے ساتھ بلا وجہ فضول خرچی ہے حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اعظم النکاح برکة ایسره مؤنة [۱] یعنی بلاشبہ بہت زیادہ برکت والا نکاح وہ ہے جو محنت کے لحاظ سے آسان ہو۔

علامہ قطب الدین شارح مشکوۃ فرماتے ہیں کہ (ایسرہ مؤنۃ) سے مراد وہ نکاح ہے جس میں بیوی کا مہر کم ہو اور عورت مال واسباب اور حیثیت سے زیادہ ضروریات زندگی (یعنی روٹی کپڑا) طلب کر کے مرد کو پریشان نہ کرے بلکہ شوہر کی طرف سے جو کچھ اور جیسا بھی مل جائے برضاء ورغبت اسی پر قانع ہو[۲]

عورت شوہر کو اپنی مرضی پر نہ چلائے شوہر جو لا کر دیدے اور جو حکم فرمادے اسپر سر تسلیم خم کردے اپنی رائے کو اس کی رائے پر ترجیح نہ دے اپنے خلاف بھی ہو تو سننے کی عادت ڈالے ایسا نہ ہو کہ جب خاوند نے مزاج کے خلاف کوئی بات کہی یا کوئی کام بھولے سے غلط کرڈالا تو اب اس کی ناک چڑھ گئی آنکھ سرخ اور پیلی کر کے شوہر کو کڑوی کسیلی سنانا شروع کردیا کہ تم نے یہ کام کیا تو مجھ سے پوچھ کر کیا تھا میں گھر کی کوئی نہیں ہوتی یوں ہی گھر کو برباد کرڈالو گے گویا مرد کے بجائے یہ ہی حاکم اور قوام اور نگراں بن بیٹھی ہے۔

(۳) شوہر کا احسان مند رہنا

عورت کا ایک فرض یہ بھی بنتا ہے کہ احسان شناس بنے شوہر کی محنت پر اس کا شکرادا کرے مگر حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کے اندر شکر گزاری کے بجائے ناشکری زیادہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ عورتوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

---

[۱] (مشکوة شریف صفحه ۲٦٨ جلد ٢) [۲] (مظاهر حق صفحه ١٧ جلد ٤)

یا معشر النساء تصدقن فانی اریتکن اکثر اھل النار[۱] یعنی اے عورتوں کی جماعت صدقہ کثرت سے کیا کرو اسلئے کہ جہنم میں میں نے زیادہ تر عورتوں کو دیکھا ہے۔

ایک عورت کھڑی ہوئی اور اس نے کہا (بم یارسول اللہ) آخر ہم زیادہ تر جہنمی کیوں ہیں یارسواللہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی دو وجہیں ارشاد فرمائیں۔ کہ تم میں دو بیماریاں ہیں۔ تکثرن اللعن ایک تو یہ ہے کہ تم لعن طعن زیادہ کرتی ہو بس جہاں ایک جگہ بیٹھی دوسرے پر تبصرے غیبت اور دوسرے کی برائی کو اچھالنا اور اپنی صفائی بیان کرنا دوسرے کو طعنہ دینا چھوٹی چھوٹی باتوں پر گالیاں اور لعنت ملامت کرنا شروع کر دیتی ہے۔ اور دوسرا مرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (تکفرن العشیر) کہ تم زیادہ تر جہنمی اس لئے ہو کہ شوہر کی ناقدری اور ناشکری کرتی ہو۔ خود حضور ﷺ کی ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ شوہر عمر بھر اس کے ساتھ اچھا سلوک کرتا رہتا ہے جب زیور مانگے تو زیور بھی لا کر دے۔ جوتے چپل مانگے وہ بھی دے کپڑے مانگے کپڑے دے۔ جس چیز کی خواہش کرتی ہے شوہر جہاں سے ہو محنت مزدوری کر کے یا چوری ڈکیتی کر کے اس کی ضروریات کا سامان فراہم کرنے کی کوشش کرتا ہے مگر تھوڑی سی کبھی شوہر سے یا اس کے گھر والوں سے کوئی بات ہوگئی تو کیا کہے گی (ما رأیت منک خیرا قط) کہ میں نے اس اجڑے گھر میں آ کر کبھی خیر دیکھی ہی نہیں۔ بس ڈولے میں آئی تھی کھٹولے میں نکل جاؤنگی بیچ میں یہ ساری مصیبت تو میری ہی قسمت میں لکھی تھی بجز گر جائے۔ ہمارے باپ بھائی پر کہ انہوں نے ایسے بھیک منگے گھر میں شادی کر دی۔ حضرت مولانا عبدالرب صاحب مرحوم کا قول قاری طیب صاحبؒ نقل کرتے ہیں کہ اگر خاوند اس سے پوچھے کہ تمہارے پاس کپڑے ہیں تو کہے گی کہاں سے آئے تھے کپڑے وہ چار چیتھڑے پڑے ہوئے ہیں کونسا میرے لئے لباس بنایا تھا۔ اگر کہے کہ تمہارے پاس جوتے (چپل) ہیں تو کہے گی کہاں سے آئے

[۱] (مشکوۃ شریف صفحہ ۱۳ جلد۱)

تھے جوتے وہ دولتھڑے پڑے ہوئے ہیں لاکر دیئے تھے جوتے اور پوچھے کہ برتن بھی ہیں گھر میں تو کہے گی وہی چار ٹھیکرے پڑے ہوئے ہیں خود باپ کے گھر سے لیکر آئی تھی وہ کام میں آرہے ہیں ورنہ تم نے کونسے لاکے دئے تھے۔ غریب بیچارہ شوہر ٹک ٹک منھ دیکھ رہا ہے ہائے غریب کے سارے کئے کرائے پر پانی پھیر دیا۔ اس لئے حضور ﷺ نے فرمایا کہ شوہر کی اتنی ناقدری کرتی ہے کہ عمر بھر کا بدلہ دو لفظ میں چکا دیتی ہے۔ اس لئے تمہاری اکثریت جہنمی ہے۔[1]

اس لئے میری مائیں اور بہنیں اس حدیث پر غور کرو اور اس طرح زبان درازی کر کے جہنم کو مت خریدو۔ شوہر کی ہر اعتبار سے قدرداں بننے کی کوشش کرو اسی میں تمہاری زندگی کی خوشی اور راحت ہے۔

(۴) (رضاعت) اولاد کو دودھ پلانا

ایک فرض عورتوں پر یہ بھی عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنے بچوں کو ماں ہونے کے ناطے دودھ پلائے قرآن میں عورتوں کو حکم ہے (وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ [2]) یعنی ماؤں پر لازم ہے کہ وہ اپنے بچوں کو مکمل دو سال دودھ پلائیں حاشیہ جلالین میں محشی نے فرمایا۔

قوله والوالدات ولو مطلقات فان الارضاع من خصائص الزوجية ولهذا ورد فى الحديث انها احق بها مالم تزوج [3]	یعنی بچے کی ماں بچے کو دودھ پلائے اگرچہ بچے کے باپ نے اس کو طلاق دیدی ہو اور وہ عدت میں ہو اسلئے کہ حضور ﷺ کی حدیث میں وارد ہے کہ

ماں اپنے بچے کو دودھ پلانے کا زیادہ حقدار ہے جب تک کہ دوسری شادی نہ کر لے۔

مگر ماں کے ذمہ دودھ پلانا مطلقاً واجب نہیں ہے بلکہ فقہاء نے کچھ صورتیں

[1] (خطبات حکیم الاسلام صفحہ ۴۹۹ جلد۲) [2] سورۃ البقرہ آیت ۲۳۳
[3] (حاشیہ جلالین ۳۵ حاشیہ ۱۶ سورہ بقرہ)

متعین کی ہیں بعض صورتوں میں واجب ہے اور بعض میں واجب نہیں۔

کن صورتوں میں دودھ پلانا واجب ہے

(۱) خود بچہ اور باپ تنگ دست ہے دودھ پلانے کی اجرت دینے سے قاصر ہے اور ماں کو کوئی عذر بھی نہیں ہے (یعنی مرض اور کمزوری بھی ایسی نہیں کہ دودھ پلانے سے اس کو نقصان ہو) تو ماں کے ذمہ اپنے بچے کو دودھ پلانا واجب ہے۔[۱]

(۲) دودھ پلانے والی کوئی عورت نہیں ملتی ہے یا اگر ملتی ہے تو بچے کو اس کا دودھ موافق نہیں آتا تو اس حالت میں بھی ماں پر واجب ہے کہ وہ اپنے بچے کو دودھ پلائے۔

(۳) اسی طرح بچہ ماں کے علاوہ کسی دوسری عورت یا جانور اور ڈبا وغیرہ کا دودھ پیتا ہی نہیں تو اس وقت ماں پر واجب ہے کہ اپنے بچے کو دودھ پلائے۔

بہر حال تینوں صورتوں میں ماں کو اپنے بچے کو دودھ پلانے پر مجبور کیا جائے گا اگر بلا وجہ نہیں پلائے گی تو گناہ گار ہوگی اس لئے کہ ماں کے دودھ نہ پلانے کی وجہ سے باپ کو خواہ مخواہ ایک قسم کی تکلیف ہوگی حالانکہ قرآن میں ہے کہ (ولا مولود له بولده) یعنی کسی باپ کو اس کے بچے کیوجہ سے تکلیف میں نہ ڈالا جائے۔

کن صورتوں میں ماں کے ذمہ دودھ پلانا واجب نہیں صرف مستحب ہے

(۱) بچہ خود مالدار ہے کہ اسکے مال میں سے انا (دودھ پلانے والی) کی اجرت دی جاسکتی ہے یا باپ خود صاحب استطاعت ہے اجرت دینے پر اس کو قدرت ہے۔

(۲) باپ کے صاحب استطاعت ہونے کے ساتھ کوئی دودھ پلانے والی

---

[۱] وان لم یکن للاب ولا للولد مال تجبر الام علی ارضاعه عندالکل (شامی صفحه ۳۴۷ جلد۵)

عورت اجرت پرمل جاتی ہے۔

(۳) بچہ کسی عورت یا جانور وغیرہ کا دودھ قبول کرلیتا ہے تو ان تینوں صورتوں میں ماں کے ذمہ دودھ پلانا واجب نہیں ہے اس کو مجبور نہیں کیا جائے گا۔ مگر ماں کیلئے مستحب ہے کہ اپنے بچے کو دودھ پلائے ورنہ شوہر اور بچے کی مالداری سے فائدہ اٹھا کر اپنے بچے کو دودھ پلانے سے انکار کرنا یہ بڑی بے مروتی کی بات ہے۔[1]

کب ماں کو دودھ پلانا نہ واجب ہے نہ مستحب

اگر ماں بیمار ہے یا کمزور ہے یا اس کے علاوہ کوئی ایسا عذر ہے کہ اگر وہ اپنے بچے کو دودھ پلائے گی تو اس کو نقصان پہونچے گا تو اس صورت میں عورت پر بچے کو دودھ پلانا نہ واجب ہے اور نہ مستحب ایسی عورت کو مجبور بھی نہیں کیا جائے گا قرآن میں اس سے منع کیا گیا ہے (لَاتُضَارَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا [2]) اپنے بچے کیوجہ سے ماں کسی مشقت میں نہیں ڈالی جاسکتی۔

بلا وجہ ماں کو دودھ پلانے سے منع کرنا

ماں رضامندی سے اپنے بچے کو دودھ پلانے پر تیار ہے اور اس کا دودھ بچے کو نقصان بھی نہیں کرتا تو باپ کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ اپنی کسی رنجش کی بناء پر ماں کو منع کر کے دوسری انا سے دودھ پلوائے آیت کریمہ (لا تضار والدة بولدها) میں یہ بھی داخل ہے۔[3]

---

[1] یرضعن آه ای فالایة خبر بمعنی الامر وهذ الامر للندب وللوجوب فالاول عند استجماع ثلاثة شروط قدرة الاب علی الاستجار ووجود غیر الام وقبول الولد لبن الغیر وللوجوب عند فقد واحد منها (حاشیه جلالین صفحه ۳۵ جلد۱ حاشیه ۱۷ سوره بقره)

[2] سورة البقره آیت ۲۳۳

[3] بیان القرآن ص۱۳۸ ج۱

جب ماں کا دودھ نقصان دہ ہو

ماں اپنے بچے کو دودھ پلانے پر راضی ہے مگر ماں کا دودھ بچے کی صحت کے لئے مضر ہے یا ماں کی اپنی اخلاقی حالت ٹھیک نہیں ہے جس کی وجہ سے اس کا دودھ پینے سے بچے کے دین اور اخلاق پر غلط اثر پڑنے کا خطرہ ہے تو باپ کے لئے جائز ہے کہ بچے کی ماں کو منع کر کے کسی انّا سے دودھ پلوائے (وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ [1]) یعنی اگر تم چاہو کہ اپنے بچوں کو کسی مصلحت سے ماں کے بجائے کسی انّا کا دودھ پلواؤ تو اس میں کوئی گناہ نہیں۔[2]

ماں باپ دونوں کے باہمی مشورے سے کسی انّا سے دودھ پلوانا

اگر ماں باپ دونوں مل کر بچے کی کسی مصلحت کیوجہ سے ماں کے بجائے کسی اور عورت سے دودھ پلائیں تو بھی کوئی حرج نہیں ہے (وان اردتم ان تسترضعوا اولادکم) میں یہ بھی داخل ہے۔

عورت اپنے بچے کو دودھ پلائے تو اس کی اجرت کا مسئلہ

جب عورت اپنے شوہر کے نکاح میں ہے یا شوہر کے طلاق کے بعد عدت میں ہے تو اس کا نفقہ جو شوہر کے ذمہ ہے وہی کافی ہے۔ الگ سے بچے کو دودھ پلانے کی اجرت کا مطالبہ نہیں کر سکتی اور نہ شوہر پر اس کی اجرت واجب ہے قضاءً اس کو بلا اجرت دودھ پلانے پر مجبور کیا جائے گا مگر عورت نے طلاق کی عدت گزار لی ہے تو اب شوہر پر اس کا نفقہ واجب نہیں رہا اب اگر وہ اپنے بچے کو دودھ پلاتی ہے تو اجرت کا مطالبہ کر سکتی ہے باپ پر اس اجرت کی ادائیگی واجب ہے اب بلا اجرت کے دودھ پلانے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔[3]

---

[1] سورۃ البقرہ آیت ۲۳۳
[2] بیان القرآن ص ۱۳۸ ج ۱
[3] (بیان القرآن ص ۱۳۸ ج ۱)

اجنبی عورت کے دودھ پلانے کی اجرت کا مسئلہ

اگر بچے کو ماں کے علاوہ کوئی اجنبی عورت دودھ پلاتی ہے تو اس کی اجرت باپ پر ہے اگر باپ نہیں تو دوسرے ورثہ کے ذمہ واجب ہے کہ اس انّا کی اجرت نقد دے کر اس سے دودھ پلوائیں قرآن میں ہے (وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْا اَوْلاَدَکُمْ فَلاَ جُنَاحَ عَلَیْکُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَا اٰتَیْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ [۱]) یعنی اگر تم لوگ چاہو کہ اپنے بچوں کو (کسی مصلحت کی وجہ سے) ماں کے بجائے انّا کا دودھ پلواؤ تو اس میں بھی کوئی گناہ نہیں ہے بشرطیکہ دودھ پلانے والی کی جو اجرت مقرر کی گئی تھی وہ پوری کی پوری ادا کردیں۔

مسئلہ: صرف کھانے اور کپڑے کے لئے کسی کو نوکر رکھنا درست نہیں لیکن دودھ پلائی کیلئے نوکرانی رکھنا درست ہے۔ لیکن پھر بھی کھانے کپڑے کی حیثیت اچھی طرح کھول کر ٹھہرالے اور حیثیت کی تصریح نہ کرنے میں اوسط درجے کا واجب ہوگا۔ اور اگر نقد ٹھہرا ہے تو اس کی مقدار اور آگے پیچھے دینے کی شرط خوب صاف بیان کردے بالمعروف کا یہی مطلب ہے۔[۲]

ماں اور اجنبیہ دونوں اجرت پر دودھ پلائے تو کون مقدم ہوگی

اگر عورت طلاق کی عدت گزار چکی اور پھر اپنے بچے کو اتنے ہی اجرت پر دودھ پلانا چاہتی ہے جتنی اجرت پر دوسری عورت دودھ پلاتی ہے تو ماں کا حق مقدم ہے باپ کیلئے دوسری انّا سے دودھ پلانا جائز نہیں ہے (لَاتُضَارَّ وَالِدَۃٌ) میں یہ بھی داخل ہے۔

ہاں اگر ماں کے علاوہ دوسری عورت مفت میں پلاتی ہے یا ماں جتنی اجرت مانگتی ہے اس سے کم میں پلانے کو دوسری عورت تیار ہے تو پھر ماں کا حق مقدم نہیں باپ

---

[۱] سورۃ البقرہ آیت ۲۳۳ [۲] (بیان القرآن ص ۱۳۸ ج ۱)

کیلئے جائز ہے کہ وہ دوسری عورت سے پلائے (وَلاَ مَوْلُوْدٌ لَّهُ بِوَلَدِهٖ) میں یہ بھی داخل ہے۔[۱]

مدت رضاعت

دودھ پلانے کی مدت قرآن میں اس طرح بیان کی گئی ہے (وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ اَوْلاَدَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ) یعنی مائیں اپنے بچوں کو مکمل دوسال دودھ پلائیں یہ ہی مذہب صاحبین (امام ابویوسف اور امام محمد) کا ہے اسی پر فتوی ہے لیکن حضرت امام صاحب کے نزدیک تیس ماہ یعنی ڈھائی سال ہے لہٰذا اگر بچے کی کمزوری وغیرہ کی وجہ سے ڈھائی سال تک بھی پلادے تو کوئی گناہ نہیں لیکن ڈھائی سال کے بعد بچے کو دودھ پلانا بالاتفاق حرام ہے۔

نوٹ: دودھ پلانے کی اجرت دو ہی سال تک واجب ہے اس لئے اگر مطلقہ ماں دوسال کے بعد کی مدت کی اجرت کا بھی مطالبہ کرے تو باپ کو دوسال کے بعد کی اجرت دینا واجب نہیں باپ کو مجبور نہیں کیا جائے گا۔[۲]

مدت رضاعت سے قبل دودھ چھڑانے کا حکم

بچے کی کسی بیماری کی وجہ سے یا ماں کے معذور ہونے کی وجہ سے ماں باپ دونوں ملکر باہمی مشورے سے دوسال سے کم ہی مدت میں بچے کا دودھ چھڑادیں تو بھی کوئی گناہ نہیں ہے اس کو قرآن میں یوں بیان کیا گیا ہے۔

فَاِنْ اَرَادَا فِصَالاً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْهِمَا [۳]

ماں باپ دودھ چھڑانا چاہیں باہمی رضامندی اور مشورہ سے تو ان دونوں پر کسی قسم کا گناہ نہیں ہے۔

---

۱ (بیان القرآن صفحہ ۱۳۸ جلد ۱) ۲ ووقت الرضاع فی قول ابی حنیفة رحمه الله تعالی مقدره بثلاثین شهرا وقالا مقدر بحولین هکذا فی فتاوی قاضی خان الخ واجمعوا علی ان مدة الرضاع فی استحقاق اجرة الرضاع مقدر بحولین حتی ان المطلقة اذا طالبته بعد الحولین بلجرة الرضاع فابی الاب ان یعطی لا یجبر ویجبرفی الحولین (عالم گیری صفحه ۳٤۲ تا ۳٤۳ جلد۱) ۳ سورۃ البقرہ آیت ۲۳۳

یہاں پر (عن تراض منهما) کی قید سے معلوم ہوا کہ آپس کی رضامندی سے بچے کی مصلحت پیش نظر ہونی چاہئے کہیں آپس کی لڑائی جھگڑے میں پڑکر بچہ کو تختۂ مشق نہ بنالیں۔

بغیر شوہر کی اجازت کے دودھ پلانے کا حکم

کوئی عورت اپنے شوہر کی اجازت اور مرضی کے بغیر کسی بچے کو دودھ نہ پلائے البتہ اگر کوئی بچہ بھوک کی وجہ سے مر رہا ہو تو اس کی جان بچانے کے لئے بغیر شوہر کی اجازت کے بھی پلاسکتی ہے۔[۱]

رضاعی ماں کی تعظیم وتکریم

دودھ پلانے والی عورت بچہ کی ماں ہوتی ہے اس کا احترام واکرام بھی کرنا حضور ﷺ سے ثابت ہے۔

عن ابی الطفیل الغنوی قال کنت جالساً مع النبی ﷺ اذ اقبلت امرأة فبسط النبی صلی الله علیه وسلم ردائه حتی قعدت علیه فلما ذهبت قیل هذه ارضعت النبی صلی الله علیه وسلم[۲]

حضرت ابوطفیل غنویؒ کہتے ہیں کہ ایک دن میں نبی ﷺ کی مجلس میں بیٹھا تھا کہ اچانک ایک عورت (دائی حلیمہ) آئی حضور ﷺ نے اس کی تعظیم کی غرض سے اپنی چادر بچھادی اس پر وہ عورت بیٹھ گئی جب وہ چلی گئی تو (ان صحابہ کو جو متعجب تھے) بتایا گیا کہ یہ وہ خاتون ہے جس نے حضور ﷺ کو دودھ پلایا ہے۔

اسی طرح اس کی مالی خدمت بھی کرتے رہنا چاہئے۔

(۵) (حضانت) یعنی چھوٹے بچے کی پرورش کا بیان

بیوی کے فرائض میں سے ایک فرض چھوٹے بچے کی پرورش بھی ہے اگر چہ

---

۱ یکره للمرأة ان ترضع صبیا بلا اذن زوجها الا اذا خلفت هلاکه (شلمی صفحه ٤٠٢ جلد٤) ۲ (مشکوة شریف صفحه ۲۷٤ جلد ۲)

باپ کو اس سے بری نہ ہونا چاہئے بلکہ دونوں کو مل کر یہ کام کرنا چاہئے چنانچہ قرآن کے حکم کے مطابق ماں کو چاہئے کہ بچے کے پیدا ہوتے ہی دودھ پلانا شروع کر دے اگر کوئی مانع موجود ہو تو الگ بات ہے اور دودھ کی مدت پوری ہونے کے بعد بھی اس کی پرورش کا سب سے زیادہ حق ماں کو ہے خواہ ماں بچے کے باپ کے نکاح میں ہو یا مطلقہ ہوگئی ہو لیکن اگر ماں طلاق کے بعد پرورش کرنے سے انکار کر دے اور کوئی دوسرا ذی رحم محرم اس کی پرورش کرنے والا نہ ہو تو بچہ کو ضائع ہونے سے بچانے کیلئے ماں کو مجبور کیا جائے گا۔

کن صورتوں میں ماں کا حقِ تقدم ختم ہو جاتا ہے

ماں بچے کی پرورش کی زیادہ حقدار ہے مگر چند صورتیں ایسی ہیں کہ اس کا حق تقدم ختم ہو جاتا ہے (۱) ماں اگر مرتد ہو جائے (۲) یا بدکار فاسقہ ہو جس سے امن کی امید نہ ہو (۳) یا بچے کے باپ کی وفات یا طلاق کے بعد اس بچے کے غیر محرم سے شادی کر لی تو ان صورتوں میں ماں کو سب سے زیادہ حق نہیں ہوگا۔ اگر ماں نے بچے کے محرم رشتہ دار مثلاً بچے کے چچا سے نکاح کیا تو اس صورت میں اس کا حق ساقط نہیں ہوگا۔

اسی طرح ماں نے پہلے غیر محرم سے نکاح کیا پھر بعد میں اسکے مرنے کے بعد یا طلاق کے بعد بچے کے محرم سے نکاح کر لیا تو اس کا حقِ تقدم لوٹ آئے گا۔ یہاں پر محرم سے مراد بچے کا نسبی رشتہ دار ہے رضاعی رشتہ وغیرہ اجنبی کے حکم میں ہے۔

اسی طرح ماں مرتد ہوگئی تھی بعد میں اس نے توبہ کر لی اور ایمان میں لوٹ آئی تو اسکا حقِ تقدم لوٹ آئیگا اور دوسرے گناہوں سے توبہ کرنیکی صورت میں بھی یہی حکم ہے۔[۱]

[۱] احق الناس بحضانة الصغير حال قيام النكاح او بعد الفرقة اللام الا ان تكون مرتده او فجره غير مامونه كذا فى الكافى سواء لحقت المرتده بدار الحرب ام لا فان تابت فهى احق به كذا فى البحر الرائق وكذا لو كانت سارقه او مغنيه او نائحه فلا حق لهاهكذا فى النهر الفائق ولا تجبر عليها فى الصحيح لاحتمال عجزها الا ان يكون له ذو رحم محرم غيرها فحينئذ تجبر على حضانته كيلا يضع الخ او متزوجة بغير محرم (عالم گیری صفجه ۵٤۱ جلد۱) بغير محرم اى من جهة الرحم فلو كان محرما غير رحم كالعم رضاعاً او رحما من النسب محرماً من الرضاع كابن عمه نسبا هو عمه رضاعاً فهو كالاجنبى (شامى صفحه ۲۵۵ جلد۵) وتعود الحضانة بالفرقة البائنة لزوال المانع (درمختار على هامش شامى ۲٦۷ جلد۵)

ماں کے بعد پرورش کا حق کس کو ہے

ماں اگر مرگئی یا مذکورہ موانع پیش آگئے یا پرورش کو اس نے قبول نہیں کیا جس کی وجہ سے حقِ تقدم کی اہل نہ رہی جیسے مرتد ہوگئی یا فاسقہ ہوگئی یا غیر محرم سے نکاح کرلیا تو پھر اس بچے کی پرورش کا زیادہ حق نانی کو ہوگا پھر پرنانی کو اوپر تک اگر نانیاں نہ ہوں تو پھر دادی کو پھر پردادی کو اوپر تک اگر دادیاں بھی نہ ہوں تو پھر بچے کی حقیقی بہن کو حق ہوگا اس کے بعد اخیافی بہن یعنی صرف ماں شریک بہن کو اس کے بعد سوتیلی یعنی صرف باپ شریک بہن کو حق ہوگا اگر یہ سب بہنیں بھی نہ ہوں یا موجود ہوں مگر اہلیت نہیں رکھتیں تو اس کے بعد خالہ کو حق ہوگا اس کے بعد پھوپھی کو اور بھانجیاں بھتیجیوں سے مقدم ہونگی اسیطرح بھتیجیاں پھوپھیوں سے مقدم ہوں گی اگر ایسی کوئی عورت نہیں ہے جس کو پرورش کا حق پہونچتا ہے تو پھر اس کی پرورش کا حق عصبات کو ہوگا اسی ترتیب سے جو میراث میں ہوتی ہے مگر لڑکی کسی ایسے عصبہ کی پرورش میں نہ دی جائے جو غیر محرم ہو جیسے چچا کا لڑکا یا ایسا عصبہ جو فاسق اور لاپرواہ ہو۔ بلکہ قاضی کسی اچھی عورت کو جو امانت دار ہے حوالہ کردیگا۔[1]

پرورش کی مدت

لڑکے کی پرورش کا حق اس وقت تک باقی رہے گا جب تک کہ عورتوں کی خدمت سے وہ بے نیاز نہ ہوجائے یعنی بچہ خود تنہا کھانے پینے لگے کپڑے پہننے لگے اور خود استنجاء کرنے لگے تو اس کے بعد زبردستی بچے کو اس کا باپ اپنی تحویل میں لے سکتا

---

[1] ثم ای بعد الام بان ماتت او لم تقبل او اسقطت حقها او تزوجت باجنبی ام الام وان علت عند عدم اهلية القربى ثم ام الاب وان علت الخ ثم الاخت لاب وام ثم لام الخ ثم الاخت لاب ثم بنت الاخت لابوين ثم للام ثم للاب ثم الخالات كذالك الخ ثم العمات كذالك ...... ثم العصبات بترتيب الارث (درمختار) ثم العصبات ای ان لم يكن للصغير احد من محارمه النساء الخ سوى فاسق استثناء من قوله ثم العصبات الخ مطلب لو كانت الاخوة او الاعمام غير مأمونين لاتسلم المحضونة اليهم... ينظر القاضی امرأة ثقة عدلة امينة فيسلمها اليها الى ان تبلغ (شامی صفحه ٢٦٣ تا٢٦٤ جلده)

ہے اس کی نگہداشت کرسکتا ہے اس کی مدت حضرت خصافؒ نے سات سال مقرر کی ہے صاحب درمختار اسی قول کو مفتیٰ بہ قرار دیرہے ہیں اسلئے کہ عادۃً اتنی عمر تک بچہ خود کھانے پینے پہننے لگتا ہے اور اپنا کام انجام دینے لگتا ہے اسی وجہ سے تو حضورﷺ نے فرمایا (مروا اولادکم بالصلوۃ وھم ابناء سبع سنین ۱) کہ جب بچہ سات سال کا ہوجائے تو اس کو نماز کا حکم دو۔

اور لڑکی کی صورت میں ماں نانی اور دادی اس وقت تک پرورش کی مستحق رہے گی جب تک کہ اس کو حیض نہ آجائے یعنی بالغہ نہ ہوجائے اور ماں نانی دادی کے علاوہ دوسری عورتوں کے استحقاق کے بارے میں شرط یہ ہے کہ جب لڑکی قابل شہوت یعنی مرد کے قابل ہوجائے تو اس کی پرورش سے نکل جائے گی اور اس کی مدت صاحب درمختار نے نو سال مقرر کی ہے اور یہی مفتیٰ بہ قول ہے۔ ۲

پرورش کے خرچ کی ذمہ داری باپ پر ہے

بچے کی پرورش اگرچہ ماں کرے گی اور ماں کی عدم موجودگی میں دوسری عورتیں کریں گی مگر خرچ باپ ہی کو دینا ہوگا جبکہ بچے کی ملکیت میں کوئی مال نہ ہو اگر بچے کی ملکیت میں کوئی مال وجائیداد ہے تو اسی مال میں سے خرچ دیا جائے گا باپ پر ذمہ داری عائد نہیں ہوگی اس کے متعلق پوری تفصیل نفقۃ الاولاد کے تحت گزرچکی ہے لیکن اگر بچہ اور بچی کا باپ نہیں ہے اور اس کی جائیداد میں کوئی مال بھی نہیں ہے تو پھر اس کے نفقہ کے ذمہ دار وہ قریبی رشتہ دار ہونگے جو اس کے وارث ہوسکتے ہیں اور خرچ

---

۱ ابوداؤد شریف ص ٧١ جلد١

۲ والحضانۃ ... احق بہ ای بالغلام حتی یستغنی عن النسل وقدرہ بسبع وبہ یفتی لانہ الغالب ولو اختلفا فی سنہ فان اکل وشرب ولبس واستنجی وحدہ دفع الیہ ولو جبرا والا لا والام والجدۃ لام او لاب احق بھا بالصغیرۃ حتی تحیض ای تبلغ فی الظاھر الروایۃ الخ وغیرھما احق بھا حتی تشتھی وقدربتسع وبہ یفتی وبنت لحدی عشرۃ مشتھاۃ اتفاقا (درمختار علی ھامش شامی ٢٦٧ تا ٢٦٨ جلد٥)

کی ذمہ داری میراث کے اعتبار سے ہوگی۔[1]

بچہ کی دینی واخلاقی تربیت

بچے کی جسمانی پرورش کیساتھ اس کی دینی اور اخلاقی تربیت بھی سب سے پہلے ماں اوراس کے بعد باپ کے ذمہ ہے جس ماں نے اپنے بچے کی دینی واخلاقی تربیت نہیں کی تو صرف اس نے حقوق تربیت ہی میں کوتاہی نہیں کی بلکہ پورے معاشرے میں بگاڑ کا سبب پیدا کیا ہے کیونکہ جس بچے کی شروع سے تربیت نہیں کی جائے تو وہ اپنے اہل وعیال اور پورے معاشرے کے دین واخلاق کے لئے مفید نہیں مضر ثابت ہوگا اگر اس کی تربیت اچھی ہوگی تو وہ گھریلو اور معاشرتی اور عالمی اعتبار سے مفید ثابت ہوگا اسی لئے تو حضور ﷺ نے ولد صالح کو بھی صدقہ جاریہ قرار دیا ہے ماں باپ کی یہ ذمہ داری ہے کہ بچے کی شروع سے ہی اصلاح کریں۔

چنانچہ حضور ﷺ کی ایک اور حدیث ہے:

الاکلکم راعٍ وکلکم مسئول عن رعیته فالامام الذی علی الناس راعٍ وهو مسئول عن رعیته والرجل راعٍ عن اهل بیته وهو مسئول عن رعیته والمرأة راعیة عن بیت زوجها وولده وهی مسئولة عنهم الی آخر الحدیث[2]

یعنی حضور ﷺ نے فرمایا کہ خبردار تم میں ہر شخص اپنی رعیت کا نگہبان ہے اور قیامت کے دن تم میں سے ہر شخص سے اسکی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا لہٰذا امام یعنی سربراہ مملکت وحکومت (عام) لوگوں کا نگہبان ہے اس کو اپنی رعیت کے بارے میں جوابدہی کرنی ہوگی اور مرد اپنے گھر والوں کا ذمہ دار

[1] ونفقة الصغیر واجبة علی ابیه وان خالفه فی دینه (هدایة ٤٤٥ جلد٢) وانما تجب النفقة علی الاب اذا لم یکن للصغیر مال اما اذا کان فالاصل ان نفقة الانسان فی مال نفسه صغیرا کان او کبیرا (هدایه ٤٤٥ جلد ٢) والنفقة لکل ذی رحم محرّم اذا کان صغیرا فقیرا الخ ویجب ذلك علی مقدار المیراث ویجبر علیه (هدایه ٤٤٦ تا ٤٤٧ جلد ٢)
[2] (مشکوة شریف صفحه ٣٢٠ جلد ٢)

ہے اس سے اس کے گھر والوں کے متعلق سوال ہوگا اور عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کے بچے کی نگراں ہے اس سے اس کے حقوق کے بارے میں جوابدہی کرنی ہوگی۔

بچوں کی تعلیم وتربیت کے سلسلے میں کثرت سے احادیث وارد ہوئی ہیں چنانچہ حضور علیہ ﷺ کی ایک حدیث ہے۔

ما نحل والد ولدا من نحلٍ افضل من ادب حسن [1]

کسی باپ کا اپنے بچے کیلئے اس سے بہتر کوئی عطیہ نہیں ہے کہ وہ اسکو اچھا ادب سکھائے

اور حضور علیہ ﷺ نے صرف سرسری طور پر یہ ہدایت اور ادب سکھانے کی تعلیم نہیں دی بلکہ فرمایا کہ ضرورت ہوتو اس کو سخت تنبیہ بھی کرو صاحب مشکوٰۃ ایک حدیث نقل فرماتے ہیں کہ حضور علیہ ﷺ نے فرمایا:

مروا اولادکم بالصلاۃ وھم ابناء سبع سنین واضربوھم علیھا وھم ابناء عشر سنین وفرقوا بینھم فی المضاجع [2]

یعنی بچہ جب سات سال کا ہوجائے تو اس کو نماز کا حکم دو اور جب دس سال کا ہوجائے تو نماز چھوڑنے پر مارو اور ان کی خواب گاہیں الگ الگ کردو۔

خواب گاہ علیحدہ کرنے کا حکم ایک حکمت پر مبنی ہے جو اس کی اخلاقی اصلاح کے لئے ضروری ہے حضرت تھانویؒ نے عورتوں کو ہدایت کرتے ہوئے فرمایا کہ اپنی اولاد کو نماز سکھلاؤ اور نماز نہ پڑھنے پر تنبیہ وتاکید کرو علم کی رغبت دلاؤ یہ تو قول کی تعلیم ہوئی مگر اس کے ساتھ فعل سے بھی تعلیم کرو اور تم خود بھی اپنی حالت کو درست کرو والدین کے افعال دیکھ کر بچہ وہی کام کرنے لگتا

[1] (ترمذی شریف صفحہ ۱۶ جلد ۲)
[2] (مشکوۃ صفحہ ۵۸ جلد ۱)

ہے جوان کو کرتے دیکھتا ہے بلکہ ایک بات تجربہ کی بتلاتا ہوں کہ اگر بچہ پیدا ہونے سے پہلے والدین اپنی حالت درست کرلیں تو بچہ نیک پیدا ہوگا بچے کی پیدائش سے پہلے بھی جوافعال واحوال والدین پر گزرتے ہیں ان کا بھی اثر اس میں آتا ہے چنانچہ ایک بزرگ کا بچہ بڑا شریر تھا کسی نے ان سے کہا کہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ آپ تو ایسے بزرگ اور آپ کا بچہ ایسا شریر تو فرمایا کہ ایک دن میں نے ایک امیر کے گھر کھانا کھالیا تھا اس سے نفس میں ہیجان ہوا اس وقت میں اس کی ماں کے پاس گیا اور حمل قرار پا گیا تو یہ بچہ اس مشتبہ غذا کا ثمرہ ہے اس سے معلوم ہوا کہ حمل قرار پانے کے وقت والدین کی جو حالت ہوگی اچھی یا بری اس کا بھی اثر بچہ میں آئے گا بعض کتابوں میں ایک حکایت لکھی ہے کہ دو میاں بیوی نے آپس میں یہ صلاح کی کہ آؤ ہم دونوں سب گناہوں سے توبہ کرلیں اور آئندہ کوئی گناہ نہ کریں تاکہ بچہ نیک پیدا ہو چنانچہ اس کا اہتمام کیا گیا اسی حالت میں حمل قرار پایا اور بچہ پیدا ہوا تو وہ بہت صالح اور سعید پیدا ہوا ایک روز اس بچہ نے کسی دوکان پر سے ایک بیر چرایا مرد نے بیوی سے کہا کہ بتلاؤ یہ اثر کہاں سے آیا اس نے بیان کیا کہ پڑوس کے گھر میں جو بیری کا درخت کھڑا ہے اس کی ایک شاخ ہمارے گھر میں ہے اس میں سے ایک بیر لٹک رہا تھا میں نے وہ توڑلیا تھا مرد نے کہا بس اسی کا اثر ہے جو آج ظاہر ہوا۔

اولاد کے نیک ہونے کیلئے اول درجہ تو یہ ہے کہ والدین خود نیک بنیں دوسرا درجہ یہ ہے کہ پیدا ہونے کے بعد اس کے سامنے بھی کوئی بیجا حرکت نہ کریں اگرچہ وہ بالکل ناسمجھ بچہ ہو کیونکہ حکماء نے کہا ہے کہ بچے کے دماغ کی مثال پریس جیسی ہے جو چیز اس کے سامنے آتی ہے وہ دماغ میں منقش ہوجاتی ہے جب اس کو ہوش آتا ہے تو

وہی نقوش اس کے سامنے آجاتے ہیں اور وہ ایسے ہی کام کرنے لگتا ہے جو اس کے دماغ میں پہلے سے منقش ہیں تیسرا درجہ یہ ہے کہ جب بچہ بڑا ہو جائے تو اس کو علم دین سکھاؤ اور خلافِ شریعت کاموں سے بچاؤ اور نیک لوگوں کی صحبت میں رکھو برے لوگوں کی صحبت سے بچاؤ غرض جس طرح بزرگوں نے لکھا ہے اسی طرح بچوں کی تعلیم کا اہتمام کرو۔[1]

بچے کے پیدا ہونے کے بعد کیا کرنا چاہئے

(۱) ولادت کے بعد کوشش یہ ہو کہ کسی اللہ والے نیک تر ولی سے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کے کلمات کہلوائے جائیں۔ (۲) کسی نیک آدمی سے تحنیک کرائی جائے یعنی کوئی میٹھی چیز کھجور وغیرہ چبا کر بچے کے منہ میں تالو کیطرف چپٹا دیا جائے۔ (۳) اس کا اچھا نام رکھا جائے۔ (۴) ساتویں دن بچہ کا عقیقہ کر دیا جائے یا اس کی قیمت غریبوں میں تقسیم کر دی جائے۔

میاں بیوی کا خوشگوار معاشرہ

یہ تو قانونی فرائض اور حقوق کی بات تھی ورنہ ہمارے دین فطرت کے حسن سلوک کی بات تو یہ ہے کہ میاں بیوی دونوں ایک دوسرے کے دکھ درد اور خوشی و مسرت کا خیال رکھیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کے درمیان تقسیم کار تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ باہر کے کام انجام دیتے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اندر کا انتظام چلاتی یہی نبی کریم ﷺ کی سنت ہے جو ہمارے لئے لائق عمل ہے قانون کی باریکیوں میں ہر وقت پڑنے سے زندگی خوشگوار ہونے کے بجائے آپسی کھنچاؤ اور کشیدگی پیدا ہو کر رہ جائے گی۔ قانونی مسئلہ اور ہے حسن معاشرت اور چیز ہے

[1] ماخوذ خطبات حکیم الامت صفحہ ۵۵ تا ۵٦ جلد ٤)

حسن سلوک پر عمل کرنے سے ازدواجی زندگی خوشگوار ہوتی ہے۔

اپنے شوہر کی دینداری کا خیال رکھنا

جس طرح عورتوں کے اوپر اپنے شوہروں کے دنیوی حقوق ہیں اس طرح بیویوں کا فرض بنتا ہے کہ اپنے شوہروں کے دین کا بہت خیال رکھیں کہ وہ ہمارے واسطے حلال مال کما کر لاتے ہیں یا حرام، رشوت اور سود وغیرہ کی آمدنی پر سمجھائیں اور ایسی آمدنی لینے سے اجتناب کریں دوسرے کے حقوق کو ادا کرنے کی ترغیب دیں اسی طرح نماز روزہ دیگر عبادتوں کے چھوڑنے پر اس کو نرمی سے سمجھائیں اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ خود اس پر عمل کریں پھر شوہر کو کہنے سے انشاء اللہ اس کا فائدہ ہوگا۔

اس کے علاوہ بیوی پر اور کیا خدمات ہیں

عورتوں کے اوپر شوہروں کے مذکورہ بالا فرائض اور حقوق کے علاوہ قانونی اعتبار سے اور کوئی ذمہ داری نہیں لہٰذا شوہر کا کھانا پکانا اس کا کپڑا صاف کرنا اس کے گھر میں جھاڑو لگانا بدنی خدمات وغیرہ کرنا بیوی پر واجب نہیں ہے کر دے تو احسان ہے، جبر نہیں کیا جائے گا۔[1]

ساس سسر وغیرہ کی خدمات

جب یہ معلوم ہو گیا کہ عورت پر شوہر اور اس کی اولاد کا کھانا پکانا تک واجب نہیں تو شوہر کے ماں، باپ، بھائی، بہن وغیرہ کی خدمات بطریق اولیٰ واجب نہیں۔ شوہر کے ماں، باپ اور دوسرے رشتہ دار اس کو اپنی خدمات پر مجبور نہیں کر سکتے۔ مگر آج ہمارے یہاں کا دستور چل پڑا ہے کہ ساس سسر بیٹے کی خدمت سے پہلے اپنا حق سمجھتے

---

[1] ولیس علیها ان تعمل بیدها شیئا لزوجها قضاءً من الخبز والطبخ وکنیس البیت وغیر ذالك (قاضی خاں علی هامش عالمگیری صفحه ۴۴۳ جلد۱)

ہیں کہ وہ میری خدمت کرے اور پھر اس بہو سے اپنی خدمات سے متعلق تھوڑی بہت کوتاہی ہو جاتی ہے تو ساس، نند وغیرہ جھگڑتی ہیں کیونکہ جن حقوق وحدود کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے ان سے وہ ناواقف ہیں شرعاً شوہر کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنی بیوی کو اپنے ماں باپ اور دوسرے رشتہ دار کی خدمات پر مجبور کرے لیکن بہو اگر خوشی اور رضامندی سے اپنے شوہر اور اس کے والدین کی جتنی خدمت کرے گی اس کا عنداللہ بہت بڑا درجہ ملے گا اور ایسا کرنے سے گھر کی فضا خوشگوار ہوگی۔[1]

بہو کی خدمت کی قدر کی جائے

ساس سسر کی خدمت بہو پر واجب نہیں اگر وہ خدمت انجام دیرہی ہے تو اس کا احسان ہے اس کی قدر کرنا ساس سسر پر ضروری ہے اس کا بدلہ دینے کی کوشش کریں اس کی خدمت کی تعریف کریں اس کے ساتھ اپنی بیٹی جیسا برتاؤ کریں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے:

من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ[2] جس نے (اپنے محسن) انسان کا شکر ادا نہیں کیا اس نے اللہ کا شکر ادا نہیں کیا۔

زوجین میں سے کسی کے انتقال پر ازدواجی تعلق ختم ہو جاتا ہے

میاں بیوی میں سے کسی ایک کے انتقال کر جانے سے دنیاوی احکام کے لحاظ سے رشتۂ زوجیت ختم ہو جاتا ہے خصوصاً بیوی کی وفات سے فوراً یہ رشتہ ٹوٹ جاتا ہے شوہر کی حیثیت ایک اجنبی مرد جیسی ہو جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ زوجہ کے مرنے کے بعد شوہر اس کی بہن یا اس کی دیگر محرمات رشتہ دار عورتوں سے نکاح کرسکتا ہے۔ اگر رشتۂ نکاح باقی رہتا تو پھر بیوی کی بہن وغیرہ سے نکاح کرنے میں جمع بین الاختین لازم آتا جو ناجائز ہے لہٰذا بیوی کے انتقال کے بعد شوہر نہ تو اس کو ہاتھ لگا سکتا ہے، نہ غسل دے

[1] مستفاد آپ کے مسائل اور ان کا حل ۱۷۵ جلد ۵ [2] ترمذی شریف ۱۷ جلد ۲

سکتا ہے اور نہ قبر میں اتار سکتا ہے قبر میں اتارنے کے لئے اس کے محرم رشتہ دار باپ، بیٹا، بھائی وغیرہ ہونے چاہئیں اگر کوئی محرم نہیں تو بدرجہ مجبوری دیگر اجنبی مرد کیساتھ شوہر بھی شریک ہوسکتا ہے۔

نیز عورت کی نماز جنازہ کے سلسلے میں بھی شوہر کو ولایت حاصل نہیں ولایت کا حق سب سے پہلے بیٹا کو ہوگا پھر پوتا کو پھر باپ کو پھر دادا پردادکو پھر بھائی بھتیجہ اور اس کی اولاد کو اگر عورت کے اولیاء عصبات میں سے کوئی نہ ہو تو پھر دیگر اجنبی کے مقابلہ میں شوہر کو حق ہوگا۔

البتہ عورت کے انتقال کے بعد شوہر اس کا منہ دیکھ سکتا ہے اسی طرح جنازہ کو کندھا لگانا اور نماز جنازہ میں شرکت کرنا جائز ہے۔

ہاں شوہر کے انتقال کے بعد نکاح کے آثار عدت تک باقی رہتے ہیں خواہ شوہر نے اس سے وطی کی ہو یا نہ کی ہو بغیر عدت وفات گذارے دوسرے مرد سے نکاح بھی نہیں کرسکتی کیونکہ وہ ابھی منکوحۃ الغیر کے حکم میں ہے لہٰذا بیوی کے لئے شوہر کے مرنے کے بعد اس کو ہاتھ لگانا، غسل دینا وغیرہ درست ہے۔ البتہ اگر شوہر کی حیات ہی میں میاں بیوی کے درمیان بینونت واقع ہوگئی بایں طور کے شوہر نے طلاق بائن یا طلاق مغلظہ دیکر انتقال کیا تو اب عورت اپنے شوہر کو غسل بھی نہیں دے سکتی۔[1]

---

[1] ویمنع زوجها من غسلها ومسها لامن النظر الیها علی الاصح (درمختار) (وهی لاتمنع من ذلك) ای من تغسیل زوجها دخل بها اولا... قلت ای لانها تلزمها عدة الوفاة ولولم یدخل بها وفی البدائع المرأة تغسل زوجها لان اباحة الغسل مستفادة بالنكاح فتبقی ما بقی النكاح والنكاح بعد الموت باق الی ان تنقضی العدة بخلاف ما اذا ماتت فلا یغسلها لانتهاء ملك النكاح لعدم المحل فصار اجنبیا وهذا اذا لم تثبت البینونة بینهما فی حال حیاة الزوج فان تثبت بان طلقها بائنا او ثلاثا ثم مات لاتغسله لارتفاع الملك بالابانة الخ (شامی صفحه ۹۰تا ۹۱ جلد ۳) ثم الولی بترتیب عصوبة الانكاح الا الاب فیقدم علی الابن اتفاقاً (درمختار) فلا ولایة للنساء ولا للزوج الا انه احق من الاجنبی (شامی صفحه ۱۲۱ جلد ۳

ایک شبہ کا ازالہ

اس مسئلہ میں عام طور پر لوگوں کے ذہن میں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ نے اپنی زوجہ محترمہ حضرت فاطمہؓ کو ان کے انتقال کے بعد خود غسل دیا تھا تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت فاطمہؓ کو غسل دینے اور نہ دینے کے سلسلے میں روایات مختلف ہیں ایک روایت میں ہے کہ حضرت فاطمہ نے انتقال سے قبل غسل فرمایا اور نئے کپڑے زیب تن کیا اور فرمایا کہ میں رخصت ہو رہی ہوں میں نے غسل بھی کرلیا ہے اور کفن بھی پہن لیا ہے مرنے کے بعد میرے کپڑے نہ ہٹائے جائیں۔ یہ کہہ کر قبلہ رو لیٹ گئیں اور روح پرواز کرگئی انکی وصیت کے مطابق ان کو غسل نہیں دیا گیا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ اسماء بنت عمیسؓ نے غسل دیا تھا۔[۱]

تیسری روایت علامہ شامی نے نقل کی ہے کہ حضرت فاطمہ کو ام ایمنؓ نے غسل دیا تھا اور حضرت علیؓ نے اس غسل کا انتظام کیا تھا اس لئے غسل کی نسبت ان کی طرف کردی گئی۔ اگر حضرت علیؓ کے غسل دینے کی روایت کو تسلیم بھی کرلیا جائے تو یہ حضرت علیؓ اور فاطمہؓ کی خصوصیت تھی یعنی وفات کے بعد بھی ان کی زوجیت قائم رہنے پر محمول ہے کیونکہ آپؐ نے ارشاد فرمایا ہے (ان فاطمه زوجتک فی الدنیا والآخرة) کہ اے علی فاطمہ تمہاری زوجہ دنیا میں بھی ہے اور آخرت میں بھی نیز حضورؐ کی دوسری حدیث ہے (کل سبب ونسب ینقطع بالموت الا سببی ونسبی) ہر سبب ونسب موت سے منقطع ہوجاتا ہے مگر میری قرابت سببی اور قرابت نسبی موت سے منقطع نہیں ہوتی۔ اس کے علاوہ یہ کہ حضرت علی کے غسل دینے پر بعض صحابہ جیسے

[۱] آپ کے مسائل اور ان کا حل صفحہ ۱۰۷ جلد ۳

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے اعتراض کیا تھا۔[۱]

بیوی کی تجہیز و تکفین کا خرچ شوہر کے ذمہ ہے

بیوی کے انتقال پر اس کی تجہیز و تکفین کا صرفہ شوہر پر ہوگا۔ مثلاً عورت کے مسنون پانچ کپڑے کفن کی خوشبو، کافور، صابن وغیرہ کی قیمت نہانے اور قبر کھودنے کی اجرت پٹاو کی لاگت سب شوہر کے ذمہ ہے خواہ عورت کا مال ہو یا نہ ہو۔ اور اگر شوہر کا انتقال ہو جائے اور اس نے کوئی مال بھی نہیں چھوڑا تو اس کا کفن عورت پر نہیں ہے اگر چہ عورت خوشحال ہو۔ مگر دیدے تو بہتر اور احسان ہے۔[۲]

رشتۂ زوجیت جنت میں باقی رہے گا

دنیاوی احکام کے لحاظ سے اگر چہ رشتۂ زوجیت موت سے منقطع ہو جاتا ہے مگر جنت میں یہ رشتۂ نکاح باقی رہے گا جنت کی حوروں کیساتھ شوہر کے نکاح میں دنیا

---

[۱] وقالت الائمة الثلاثة يجوز لان عليا غسل فاطمة رضى لله عنهما قلنا هذا محمول على بقاء الزوجية لقوله عليه الصلاة والسلام كل سبب ونسب ينقطع بالموت الا سببى ونسبى مع ان بعض الصحابة انكر عليه (درمختار) (قلنا الخ) قال فى شرح المجمع لمصنفه فاطمة رضى الله تعالى عنها غسلتها ام ايمن حاضنته صلى الله عليه وسلم ورضى عنها فتحمل رواية الغسل لعلى رضى الله تعالى عنه على معنى التهيئة والقيام التام باسبابه ولئن تثبت الرواية فهو مختص به الا ترى ان ابن مسعود رضى الله عنه لما اعترض عليه بذلك لاجابه بقوله اما علمت ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ان فاطمة زوجتك فى الدنيا والآخرة فادعاؤه الخصوصية دليل على ان المذهب عندهم عدم الجواز (شامى صفحه ۹۰ جلد ۳ زكريا)

[۲] ومن لم يكن له مال فالكفن على من تجب عليه النفقة الا الزوج فى قوله محمد رحمه الله تعالى وعلى قول ابى يوسف رحمه الله تعالى يجب الكفن على الزوج وان تركت مالا وعليه الفتوى هكذا فى فتاوى قاضيخان ولو مات الزوج ولم يترك مالا وله امرأة موسرة فليس عليها كفنه بالاجماع (عالم گيرى صفحه ۱٦۱ ج ۱)

کی بیوی بھی ہوگی بلکہ ایک روایت میں آیا ہے کہ دنیا کی بیوی حورعین کی سردار ہوگی۔ چنانچہ حافظ منذری نے الترغیب والترہیب میں ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا سے ایک لمبی حدیث ذکر کی ہے جس میں یہ بھی ہے کہ حضرت ام سلمہؓ نے آپؐ سے سوال کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (جنت میں) دنیا والی (مومنہ) عورتیں افضل ہونگی یا حورعین۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا کہ دنیا والی (مومنہ) بیویاں حورعین سے اس قدر افضل ہونگی جیسے (لحاف) کا اوپر کا کپڑا اس کے اندر والے استر سے بہتر ہوتا ہے۔ حضرت ام سلمہ نے عرض کیا کہ یارسول ﷺ کس وجہ سے آپ نے فرمایا اس لئے کہ دنیاوالی عورتیں نمازیں پڑھتی ہیں، روزے رکھتی ہیں اللہ عزوجل کی عبادت کرتی ہیں۔ حضرت ام سلمہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض مرتبہ ایک عورت دنیا میں یکے بعد دیگرے دو یا تین یا چار مردوں سے نکاح کرلیتی ہے پھر اسے موت آجاتی ہے وہ جنت میں داخل ہوگی اور اس کے شوہر بھی اس کے ساتھ جنت میں ہونگے تو اس صورت میں ان میں سے اس کا شوہر کون ہوگا آپ نے جواب دیا اے ام سلمہ اس کو اختیار دیدیا جائے گا جس کے ساتھ چاہے رہے۔ لہٰذا وہ اس کو اختیار کرلے گی جو اخلاق کے اعتبار سے سب سے اچھا تھا اور کہے گی اے رب دنیا کے اندر یہ ان سب سے زیادہ میرے ساتھ بااخلاق تھا اسی کو میرا جوڑا بنادیجئے یہ فرماکر آپ نے فرمایا اے ام سلمہ خوش خلقی دنیاوآخرت کی بھلائی لے اڑی۔

ایک دوسری روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ جس عورت نے پہلے شوہر کے بعد نکاح کرلیا وہ جنت میں آخری شوہر کو ملے گی۔ بہرحال جو بھی ہو اس پر ایمان کا مدار نہیں ہے جنت میں دنیا کی بیوی شوہر کو ملے گی۔ یہ حدیث سے ثابت ہے۔

نکاح کے غلط رسومات کا شرعی جائزہ

یہ مسلمانوں کی بڑی بدقسمتی ہے کہ نکاح جیسا پاکیزہ اور نہایت ہی اہم اورضروری معاملہ بھی غیرقوم کے طریقے اور ہندوانہ رسومات اور ملکی رواجوں سے محفوظ نہیں رہ سکا غیرشرعی رسمیں اس کثرت کیساتھ مسلمانوں کے شادی بیاہ میں داخل ہوچکی ہیں کہ اس کی وجہ سے اس ضرورت کا پورا کرنا بڑا دشوار ہوگیا ہے۔ بہت سی غریب بچیوں کا نکاح ایک مشکل مسئلہ ہوگیا ہے بعض مرتبہ نکاح ہوکر بھی وہ برکت حاصل نہیں ہوتی جو اللہ تعالی نے اس میں رکھی ہے بسا اوقات یہ شادی خانہ آبادی کے بجائے کنبہ بربادی کا سبب بن جاتی ہے اس وقت جس قدر رسمیں رائج ہیں ان سب کا احاطہ کرنا تو مشکل ہے تاہم کچھ رسومات و بدعات اوران کے شرعی احکام کا تذکرہ کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے تاکہ ان سے بچنے کی کوشش کی جائے۔

منگنی کے وقت مخصوص اشیاء کا لین دین

نکاح سے قبل لڑکی والوں کے یہاں لڑکے والے مٹھائی وغیرہ لیکر آتے ہیں اگر یہ بطور شرط اور مجبور ہوکر دیتے ہیں تو یہ رشوت ہے جو کہ ناجائز ہے اور اگر بطور شرط اور بجبوری نہیں دیتے بطیبِ خاطر ہی دیتے ہیں مگر رواج کا پابند ہوکر دینا پڑتا ہے تو بھی ناجائز ہے (المعروف کالمشروط) ہاں اگر کہیں عرف نہ ہو اور بلا طلب اور بلا شرط بطیبِ خاطر یوں ہی دیدے تو یہ ہدیہ ہوگا اس کا لینا جائز اور درست ہوگا۔[1]

[1] قال فی الوسیلة الاحمدیة شرح الطریقة المحمدیة ولعن رسول الله صلی الله علیه وسلم الراشی والمرتشی ومن الرشوة ما اخذه ولی المرأة قبل النکاح اذا کان بالسوال او کان اعطاء الزوج بناء علی عدم رضائه علی تقدیر عدمه اما اذا کان بلا سوال ولا عن عدم رضائه فیکون هدیه فیجوز (مجموعة الفتاوی صفحه ۲۱٦ جلد۲ مأخوذ فتاوی محمودیه صفحه ۳۲۰ جلد۵)

ڈالی مقرری کا رسم

ایک رسم ڈالی مقرری ہے اس کی صورت یہ ہوتی ہے جب جانبین سے لڑکا ولڑکی والے راضی ہوجاتے ہیں تو ایک دن مقرر کیا جاتا ہے پھر اس دن لڑکے والے چند اشخاص کیساتھ کچھ مٹھائی وغیرہ اور لڑکی کیلئے کپڑے، پان، چھالیاں لیکر لڑکی والے کے یہاں پہنچتے ہیں اور وہاں لڑکی والے کے برادری وغیرہ کے لوگ جمع ہوتے ہیں سب سے پہلے ایک ڈالی میں کچھ پان چھالیاں اور کچھ نقد روپئے رکھ کر لڑکی کی والدہ یا دادی وغیرہ کے پاس بھیجی جاتی ہیں وہ سب چیزیں لے لیتی ہیں اور چند پان وچند چھالیاں تقسیم کردیئے جاتے ہیں اور بعض جگہ کا یہ بھی رواج ہے کہ اس ڈالی کو لیکر مسجد میں بھی عورتیں جاتی ہیں اور کہیں کہیں تو مزارات اور ہندوؤں کے معبد میں سلام وغیرہ کرنے کو جاتی ہیں۔

تو جواب اس کا یہ ہے کہ اس ڈالی میں دو امر قابل غور ہیں اوّل ان اشیاء کا حکم (کہ ان کا لینا کیسا ہے) تو اس کا حکم وہی ہے جو پہلے مخصوص اشیاء کا لین دین کے تحت گزر چکا دوم اس ہیئت مخصوصہ کا حکم یہ ہے کہ یہ شرعاً بے اصل محض رسم ہے جس کا التزام کر رکھا ہے اور التزام مالا یلزم ناجائز ہے نیز اس میں فخر اور ریا ہے اسی وجہ سے یہ رسم کی جاتی ہے لہٰذا شرعاً ممنوع ہے (خصوصاً ہندوؤں کے معبد وغیرہ پر لے جانا تو بڑی خطرناک بات ہے) اصلاح رسوم میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔[1]

شادی کے موقع پر نیوتہ پوری کرنے کی رسم

شادی کے موقع پر ایک رسم نیوتہ لینا دینا ہے مثلاً جب ایک نے دوسرے کو دعوت دی تو شادی کے موقع پر کپڑا چاول دودھ روپئے وغیرہ لے جاتے ہیں اس کو

[1] مستفاد فتاویٰ محمودیہ صفحہ ۳۲۰ جلد ۵)

لوگ قرض حسنہ سمجھتے ہیں کہ بھائی بھائی کی مدد کرتا ہے یہ اعانت ہے حالانکہ اس سے مدد اور تعاون مقصود نہیں ہوتا بلکہ صرف رسم ورواج پورا کرنا مقصود ہوتا ہے اگر ایک بھائی کی مدد ہی کرنی ہوتی ہے تو وہی بھائی جب بیمار ہو جاتا ہے یا کوئی اور مصیبت اس پر پڑتی ہے تو کیوں مدد نہیں کرتے شادی کے موقع پر تو اس کی پابندی کی جاتی ہے کہ یہ قضا نہ ہونے پائے ورنہ ناک کٹ جائے گی لوگ کیا کہیں گے کہ کچھ لیکر نہیں آئے اس لئے اپنے پاس نہیں ہوتا تو قرض بھی لے لیا جاتا ہے حضرت تھانویؒ نے اشرف الجواب میں تحریر فرمایا ہے کہ یہ رسم سب رسموں میں گندی ہے وہ یہ ہے کہ یہ امر سب کو مسلم ہے کوئی اس سے منکر نہیں کہ نیوتہ قرض ہے (۲) دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ قرض واجب الاداء ہوتا ہے (۳) تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ قرض خواہ (قرض دینے والے) کی موت کے بعد اس کا کل ترکہ اس کے ورثاء کی ملک ہوتا ہے خواہ وہ ترکہ عین مال ہو یا دین (یعنی وہ رقوم جو قرض کے طور پر چھوڑ کر مرا ہو) اب تینوں مسئلہ کو سامنے رکھ کر یوں سمجھئے کہ اگر کوئی شخص نیوتہ پورنے کیلئے گیا اور اس کو سو روپے دیدیئے پھر اس کے بعد اس کی موت ہوگئی تو اس سو روپے میں میت کے تمام ورثاء کا حصہ ہے نیوتہ واپس کرنے والے کیلئے ضروری ہے کہ وہ تمام ورثاء کو دے مگر ایسا نہیں ہوتا اگر بڑی اولاد کی شادی ہوئی اس نے نیوتہ واپس کرنے والے کو دعوت دی تو وہ سو رپے اسی کو لا کر دیتے ہیں بڑا لڑکا تنہا لے لیتا ہے دوسرے یتیم کا حق مارتے ہیں حالانکہ قرآن میں اس کے متعلق وعید ہے (اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِىْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ۱) یعنی وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں دوسرا گناہ نیوتہ واپس کرنے والے کو ہوا کہ اس نے تمام ورثاء کا مال ایک کو دیدیا اور یہ سمجھ لیا کہ ہم قرض کی ادائیگی سے فارغ ہو گئے حالانکہ دوسرے ورثاء کا قرضہ اس کے ذمہ باقی ہے در مختار میں ایک روایت لکھی ہے کہ اگر

---

۱ سورۃ النساء آیت ۱۰

کسی کے ذمہ کسی کے تین پیسے رہ جائیں گے تو قیامت کے دن اس کی سات سو نمازیں قرض خواہ کو دلائی جائیں گی اس خطرناک رسم کا علاج تو یہ ہے کہ پچھلے قرض کی تحقیق کر کے واپس کیا جائے اور آئندہ کیلئے اس رسم سے توبہ کر لی جائے۔[1]

رسم برات کی ابتداء کس طرح ہوئی

شادی میں برات کی رسم اتنی بری رسم ہے جو بہت سارے خرافات کو شامل ہے جو سنت وشریعت کے بالکل خلاف ہے حضرت تھانوی فرماتے ہیں کہ برات بھی شادی کا بہت بڑا رکن سمجھا جاتا ہے اس کے لئے کبھی دولہا اور کبھی دولہن والے بڑے بڑے اصرار اور تکرار کرتے ہیں اصل غرض اس سے محض ناموری وتفاخر ہے (اور ریا کاری وتفاخر کے لئے کوئی بھی عمل کرنا حرام ہے) برات کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ جب راستوں میں امن وامان نہیں تھا اکثر ڈاکوؤں سے دوچار ہونا پڑتا تھا دولہا دولہن کے اسباب زیور وغیرہ کی حفاظت کے لئے یہ رسم ایجاد ہوئی اس لئے گھر پیچھے ایک آدمی ضرور جاتا تھا مگر اب تو نہ وہ ضرورت باقی رہی اور نہ کوئی مصلحت صرف افتخار واشتہار باقی رہ گیا ہے پھر اس میں ایسا بھی کرتے ہیں کہ بلائے پچاس اشخاص اور جا پہونچے سو اشخاص اوّل تو بے بلائے اس طرح کسی کے گھر جانا حرام ہے حدیث میں ہے جو شخص دعوت میں بے بلائے جائے وہ گیا چور ہو کر اور نکلا وہاں سے لٹیرا ہو کر یعنی ایسا گناہ ہوتا ہے کہ جیسے چوری اور لوٹ مار کا پھر دوسرے شخص کی بے آبروئی بھی ہو جاتی ہے کسی کو رسوا کرنا یہ دوسرا گناہ پھر ان باتوں کی وجہ سے اکثر جانبین سے ایسی ضد اضدی اور ناچاقی ہوتی ہے کہ عمر بھر اس کا اثر دلوں میں باقی رہتا ہے چونکہ نا اتفاقی حرام ہے اس لئے جن باتوں سے نا اتفاقی پیدا ہو وہ بھی حرام ہونگی لہٰذا یہ فضول رسم ہرگز جائز نہیں۔[2]

---

[1] مستفاد ملخص اشرف الجواب ص ٥٤ تا ٥٥ ج ٢

[2] مستفاد بهشتی زیور ص ٢٦ حصه ٦

برادری کے لوگوں کو دعوت (بھوج) نہ کھلانے پر لڑکی والوں کو طعنہ دینا

شادی کے موقع پر لڑکے کی طرف سے دعوت ولیمہ مسنون ومشروع ہے لڑکی والوں کی طرف سے دعوت کھانے اور کھلانے کا رواج بعد کی رسم ہے صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے زمانے میں نہیں تھی اس لئے یہ طریقہ خلاف سنت ہے اور گاؤں برادری کو بھوج نہ دینے پر لڑکی یا لڑکی کے باپ کو طعنہ دینا ناجائز اور گناہ کبیرہ ہے اگر لڑکی والے دباؤ میں آکر یا رسم ورواج کا پابند ہو کر کھلا بھی دیا یا شہرت وتفاخر کے طور سے کھلاتا ہے تو اس کا کھانا حرام ہے حضورﷺ کی حدیث ہے (لایحل مال امرئ الابطیب نفس منه[۱]) کسی کا مال بغیر اس کی رضا اور خوشی کے استعمال کرنا حلال نہیں دوسری حدیث ہے:

عن ابی هریرةؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم المتباریان لا یجابان ولا یأکل طعامهما قال الامام احمد یعنی المتعارضین بالضیافة فخر او ریاء[۲]

ابو ہریرہؓ حضورﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپﷺ نے فرمایا کہ ایک دوسرے پر فخر کرنے کیلئے کھلانے والوں کی دعوت قبول نہ کی جائے ان کا کھانا نہ کھایا جاوے

اسلئے لڑکی والوں کی طرف سے دعوت کا التزام کرنا اور مطالبہ کرنا درست نہیں دعوت کھانے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا حالانکہ معاملہ آج ایسا ہوگیا کہ زیادہ تر لڑکی والوں کی طرف سے ہی اس کا التزام کیا جارہا ہے اس لئے یہ چیزیں واجب الترک ہیں حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کا فتوی ہے کہ لڑکی والوں کی طرف سے براتیوں کو یا برادری کو کھانا دینا لازم یا مسنون اور مستحب نہیں ہے اگر بغیر التزام کے وہ اپنی مرضی سے کھانا دیدیں تو مباح ہے نہ دیں تو کوئی الزام نہیں ۔[۳]

---

[۱] مشکوٰۃ شریف صفحه ۲۵۵ جلد ۱ باب الغصب والعاریة

[۲] (مشکوٰۃ شریف ۲۷۹ جلد۲) [۳] مستفاد کفایة المفتی صفحه ۱۶۱ جلد۵)

شریعت میں جہیز کا حکم

جہیز ان تحائف اور سامان کا نام ہے جو والدین اپنی بچی کو رخصت کرتے وقت دیتے ہیں اس میں کوئی شرعی و اخلاقی خرابی نہیں ہے بلکہ یہ رحمت ومحبت کی علامت ہے کہ ایک باپ اپنی بیٹی کو رخصت کرتے وقت اپنے دل کے تقاضے سے اپنی وسعت کے مطابق ایسی چیزوں کا تحفہ پیش کرے جو اس کے لئے آئندہ زندگی میں کار گر ہو خود حضور اقدس ﷺ نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کو شادی کے موقع پر کچھ جہیز عطا کیا تھا امام نسائی حضرت علیؓ کی ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ:

عن علیؓ قال جهز رسول الله صلى الله عليه وسلم فاطمة فی خميل وقربة ووسادة حشوها اذخر[1]

حضرت علیؓ فرماتے ہیں رسول ﷺ نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کو بطور جہیز جو چیزیں دی تھیں وہ یہ تھیں (۱) چادر (۲) مشکیزہ پانی بھرنے کا (۳) ایک تکیہ جس میں اذخر نامی گھاس بھری ہوئی تھی۔

حضرت تھانوی نے اصلاح الرسوم میں لکھا ہے کہ حضرت فاطمہؓ کا جہیز یہ تھا، دو چادر یمانی، دو نہالی جس میں چھال بھری ہوئی تھی اور چار گدے، دو بازو بند چاندی کے اور ایک کملی اور ایک تکیہ، ایک پیالہ، ایک چکی، ایک مشکیزہ اور پانی رکھنے کا برتن گھڑا اور بعض روایتوں میں ایک پلنگ بھی آیا ہے اس کے بعد حضرت تھانوی فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے تین باتیں ثابت ہوتی ہیں (۱) اوّل بلا تکلف مختصر اور تھوڑا دیدیا جائے گنجائش سے زیادہ تردد نہ کرے (۲) دوم جن چیزوں کی فوری ضرورت ہونے والی ہو وہ دینا چاہئے (۳) سوم اس کا اعلان اور دوسرے سے اظہار نہ ہو کیونکہ یہ تو اپنی اولاد

---

[1] نسائی شریف صفحہ ۷۷ جلد ۲

کے ساتھ صلہ رحمی ہے دوسروں کو دکھلانے کی کیا ضرورت ہے حضور ﷺ کے فعل سے جو اس روایت میں مذکور ہے تینوں امر ثابت ہیں۔[۱]

جہیز فاطمی کے سلسلے میں ایک تحقیق

اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے حضرت مولانا منظور صاحب نعمانیؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے ملک کے اکثر اہل علم لفظ جہیز سے عرفی جہیز مراد لیتے ہیں۔ کہ حضور ﷺ نے جو سامان یعنی چادر مشکیزہ وغیرہ دیا تھا وہ بطور جہیز کے دیا تھا لیکن تحقیقی بات یہ ہے کہ یہاں جہیز سے عرفی جہیز مراد نہیں بلکہ ضروریات کا انتظام اور بندوبست کرنا تھا کیونکہ اس زمانہ میں نکاح شادی کے موقع پر جہیز کے طور پر کچھ سامان دینے کا تصور بھی نہیں تھا سیدہ حضرت فاطمہؓ کے علاوہ حضور ﷺ کی دوسری صاحبزادیوں کے نکاح میں جہیز کا ذکر نہیں ملتا ہے اور حضرت فاطمہؓ کے لئے حضور ﷺ نے ان چیزوں کا انتظام حضرت علیؓ کے سرپرست ہونے کی حیثیت سے انہی کی طرف سے انہی کے پیسوں سے کیا تھا کیونکہ ضرورت کی چیزیں ان کے گھر نہیں تھیں۔[۲]

حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت فاطمہؓ کی شادی کے سلسلہ کی تمام روایتوں کو سامنے رکھنے کے بعد نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ حضرت علیؓ نے اپنی زرہ مہر میں دیدی تھی گھر میں کوئی سامان نہیں تھا خود سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے وہ سامان نہیں کر سکتے تھے اس لئے آپ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ مہر والی زرہ فروخت کردو اور اس سے جو رقم آئے اس سے ضروری سامان خرید لو خود حضرت علی کا بیان ہے کہ:

---

۱ مستفاد اصلاح الرسوم
۲ مستفاد معارف الحدیث صفحہ ۲۹ جلد۷)

فبعتها من عثمان بن عفان باربعماته وثمانین درهما ثم ان عثمان رد بالدرع الی علی فجاء بالدرع والدراهم الی المصطفی صلی الله علیه وسلم فدعا لعثمان رضی الله عنه بدعوات کما فی روایة زرقانی فی شرح مواهب لدنیه صفحه ۳ جلد ۲	میں نے اس زرہ کو عثمان بن عفانؓ کو چار سو اسی درہم میں فروخت کردیا مگر حضرت عثمانؓ نے زرہ حضرت علیؓ کو واپس کردی حضرت علیؓ زرہ اور درہم لیکر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے حضور ﷺ نے حضرت عثمانؓ کے لئے دعا کی۔[1]

(فائدہ) اگر عزت وعظمت کا تعلق جہیز سے ہوتا تو حضور ﷺ اس کے زیادہ مستحق تھے کہ اس پر عمل کرتے اور اپنی گوشہائے جگر سیدۃ النساء حضرت فاطمہؓ، حضرت رقیہؓ، حضرت ام کلثوم، کوزرو جواہر کے ڈھیر جہیز میں دیتے حقیقت میں سیم وزر دنیاوی مال ومتاع کے بجائے حسن معاشرہ پیدا کرنا آپؐ کا مقصد حیات تھا اس لئے نکاح جیسی عام ضرورتوں کے متعلق صاف اعلان کردیا (ان اعظم النکاح برکة ایسره مؤنة) یعنی بہترین نکاح جس میں خیر وبرکت ہوتی ہے وہ نکاح ہے جس میں زیادہ خرچہ اور لاگت نہ ہو۔

موجودہ رسم جہیز کی حقیقت

ہندو قانون کی کتابوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جہیز کا رواج اصل میں ہندو مذہب کے اونچے طبقہ میں تھا کیونکہ ہندو پرسنل لاء کے مطابق وراثت میں عورتوں کا کوئی حق نہیں ہوتا اس لئے شادی کے وقت ہی اچھی خاصی رقوم اور اشیاء ضروریہ کے ساتھ رخصت کردیا جاتا ہے خصوصاً ان کے مذہب میں بڑا مبارک بیاہ برہما کہلاتا ہے جس میں لڑکی کا باپ اپنی لڑکی کو بالکل ہبہ کردیتا ہے کہ اب اس لڑکی کا اس خاندان سے

[1] (مستفاد فتاوی دار العلوم صفحہ ۳۶۲ جلد ۸)

کوئی تعلق باقی نہیں رہا اب وہ باپ کے گھر واپس نہیں آسکتی چاہے سسرال والے کتنا ہی اس کے اوپر ظلم کریں باپ کی وراثت میں حصہ نہیں لے سکتی شوہر کے مرنے کے بعد دوسری شادی بھی نہیں کرسکتی شوہر کے ساتھ چاہے جل کر مر جائے چاہے بیوہ کی طرح زندگی گزارے اس لئے ایسی بے کس بے سہارا کو خاندان سے جدا کرتے وقت باپ اپنی حیثیت کے مطابق سامان جہیز اور زیورات وغیرہ دیکر اپنی لخت جگر کا دل خوش کرتا ہے اس سے صاف ظاہر ہوگیا کہ بیٹی کو جہیز دینا ہندوانہ رسم ہے۔ جسے برصغیر کے مسلمانوں نے بھی اپنالیا ہے برصغیر کے علاوہ دنیا کے اکثر خطے میں مسلمانوں میں جہیز کا کوئی تصور بھی نہیں ہے صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں کہیں بھی اس کا ثبوت نہیں ملتا کہ انہوں نے لڑکی والوں سے جہیز کی فرمائش کی ہو یا بغیر مطالبہ کے لڑکی والوں نے اپنا فرض سمجھ کرادا کیا ہو نہ ادا کرنے پر لڑکی کو طعنے دیئے گئے ہوں۔

رسم جہیز کی تباہ کاریاں

جہیز کے سلسلے میں جو غلط رواج پھیلے ہوئے ہیں اور اسلامی معاشرہ کو مجروح کر رہے ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) آج کے معاشرہ میں جہیز کو لڑکی کے نکاح کا یک لازمی شرط سمجھا جارہا ہے اس لئے مہمانداری میں لڑکے والے لڑکی والوں سے مول تول پکی کرتے ہیں لینے دینے کی ساری باتیں پہلے ہی طے ہوجاتی ہیں تب رشتہ کی بات طے کی جاتی ہے گویا شادی کے بجائے ایک اچھی خاصی تجارت ہے لڑکا آج ایک طرح کا بکاؤ مال ہے جس کو ضرورت ہو بازار سے خرید لائے ہر شخص اپنے کو نیلام کررہا ہے جہاں زیادہ بول بولا جاتا ہے وہاں اپنے لڑکے کو فروخت کیا جاتا ہے یہ اخلاقی ومعاشرتی لحاظ سے ایک گھناؤنا فعل ہی نہیں بلکہ مردانگی کا سودا ہے جو شرعی اعتبار سے ناجائز اور حرام ہے، اور ایک قسم کا سماجی جرم ہے جو قابل مذمت ہے۔

(۲) جہیز کی مانگ اور اس کی لازمی اشیاء کی فہرست میں روز بروز اضافہ ہوتا جارہا ہے صرف لڑکی کی ضروریات ہی نہیں بلکہ داماد کی ضرورت مثلاً اس کے کپڑے جوتے گھڑی سواری کیلئے سائیکل موٹر سائیکل نقدر روپئے کے علاوہ وہ تمام سامان جو اس کے گھر کو مزین کرسکے لازمی اور ضروری قرار دئے جارہے ہیں لڑکی کا باپ چاہے نہ چاہے مگر اس پر تمام لوازمات جھک مار کر پوری کرنی ضروری ہے چاہے جہاں سے پوری کرے اپنے پاس استطاعت نہیں تو جائیداد بیچ کر پوری کرے جائیداد کی گنجائش نہیں تو قرض کے شکنجے میں جکڑ جائے ورنہ پھر رشوت، جعلسازی، دھوکہ، فریب اور دیگر ناجائز ذرائع اختیار کرنے پر مجبور ہوتا ہے جس کی وجہ سے سراسر خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق بنتا ہے۔

(۳) آج جہیز باپ کی طرف سے بیٹی کے دل کو خوش کرنے والا صرف تحفہ ہی نہیں رہا بلکہ ایسا جہیز ہونا ضروری ہے جو برات سرات اور ہر دیکھنے والے کا دل خوش کرے ہر ایک کی زبان سے واہ واہ کے کلمات سنائی دیں حالانکہ یہ ناجائز ہے حضرت مولانا یوسف صاحب لدھیانویؒ لکھتے ہیں کہ لڑکی کو دیئے جانے والے جہیز کا برسرعام دکھانا جاہلی رسم ہے جس کا منشاء محض نمود و نمائش ہے اور مستورات کے زیور اور کپڑے وغیرہ مردوں کو دکھانا تو اور بھی زیادہ بری رسم ہے شرفاء کو اس سے بہت غیرت آتی ہے۔[1]

(۴) جہیز کے غیر معقول رواج نے آج معاشرہ کی ناک میں دم کر رکھا ہے اس کی وجہ سے کتنی لڑکیاں بغیر شادی کے زندگی گزار رہی ہیں کیونکہ باپ کے پاس اتنی وسعت نہیں کہ داماد کے مطالبات کو پورا کرسکے اگر کسی طرح غریب باپ نے قرض وغیرہ لیکر بیاہ کر بھی دیا تو توقع کے مطابق سامان جہیز نہ ملنے پر شوہر یا شوہر کے گھر

[1] (آپ کے مسائل اور انکا حل صفحہ ۱۳۸ جلد۵)

والے لڑکی کو طعنے دیتے دیتے دق کر دیتے ہیں ایسی بے بس لڑکی کا جینا دوبھر ہو جاتا ہے آخر میں وہ گھٹ گھٹ کر مر جانا پسند کرتی ہے اس جنجال سے ہمیشہ کیلئے راحت پانے کی غرض سے پھندا ڈال کر یا زہر کھا کر یا ٹرین کے نیچے کٹ کر اس عذاب سے نکل جانا چاہتی ہے اس طرح آئے دن نوخیز۔ دولہنوں کی خودکشیوں کے واقعات میں اضافے ہو رہے ہیں جہیز کی حریصانہ رسم نے معاشرہ کو انتہائی خوفناک بنا دیا ہے جہیز کے لالچی انسان اپنی نئی نویلی دولہنوں کو جلا کر انہیں نا کردہ گناہوں کی سزا دے رہے ہیں ہر سال ہزاروں عورتیں جہیز کے منحوس دیوتا کی بھینٹ چڑھائی جا رہی ہیں جہیز کی یہ منحوس رسم پورے معاشرے کو جنگل کی آگ کی طرح اپنی لپیٹ میں لے چکی ہے نمائشی جہیز آج معاشرے کی تباہی کی علامت بن چکی ہے۔ اس وقت کے حالات کے اعتبار سے علماء اور اسلام کے نام لیوا ذمہ داروں خصوصاً ہمارے نوجوان طبقے کا فریضہ ہے کہ اس میدان میں آگے بڑھ کر اصلاحی اقدام کریں ہر علاقہ اور گاؤں میں نوجوانوں کی ایک جمعیت ہو سب کی ایک آواز ہو کہ فرمائشی جہیز یا جوڑے گھوڑے کی رقم نہ تو ہم کسی سے لیں گے اور نہ کسی کو لینے دیں گے اس قسم کا اقدام نہ صرف خدا اور رسول کی خوشنودی کا باعث ہوگا بلکہ ایک اچھے اور مثالی معاشرے کی تشکیل نو کی راہ میں معاون و مددگار ثابت ہوگا۔

سامان جہیز کس کی ملکیت ہے

جو سامان جہیز میں دیا گیا ہے وہ سب لڑکی کی ملک ہے باپ کو دوبارہ واپس لینے کا حق نہیں اور نہ شوہر اور نہ سسر وغیرہ کی ملکیت اس میں ثابت ہوتی ہے اور داماد کو جو کپڑا اور سامان گھڑی سائیکل اور نقد روپے دیا گیا ہے وہ لڑکے کی ملکیت ہے لڑکی سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔[1]

[1] (مستفاد فتاوی دارالعلوم صفحہ ۳٦۰ جلد۸)

زیور کا مالک کون ہے

جو زیورات عورت کے والدین نے دیئے ہیں وہ سب عورت کی ملکیت ہیں عورت کے والدین یا سسرال والے اس کے مالک نہیں ہو سکتے اور جو زیورات ساس خسر وغیرہ نے چڑھائے ہیں وہ اصل رواج کے اوپر موقوف ہے یا ساس خسر کے قول پر بعض جگہ عورت کو مالک بنا دیتے ہیں جو زیور کپڑا یا کوئی سامان سسرال کی طرف سے لڑکی کو ملتا ہے اس کے متعلق طے ہوتا ہے کہ لڑکی کو بطور ہبہ ہے تو اسی وقت عورت مالک ہو جائے گی کسی کو واپس لینے کا حق نہیں اور بعض جگہ لڑکی کی ملکیت میں نہیں دیا جاتا اس کو مستعار سمجھا جاتا ہے تو لڑکی کی ملک نہیں ہوتی ہے اس وقت ساس سسر وغیرہ کو واپس لینے کا حق ہوتا ہے۔[۱]

جہیز کا سامان استعمال سے خراب ہو جائے تو کون ذمہ دار ہوگا

جہیز کی جو چیزیں جس حالت میں ہیں وہ عورت کا حق ہے لیکن استعمال سے جو نقصان ہو جائے وہ شوہر یا سسرال والے سے وصول نہیں کیا جا سکتا ہے کیونکہ یہ استعمال عورت کی اجازت یا رضامندی سے ہوا ہوگا۔[۲]

نکاح میں دف اور باجوں کا حکم

دف کو اکثر علماء و مفتیان کرام نے بقدر ضرورت اور بغرض اعلان جائز قرار دیا ہے مگر حضرت تھانویؒ نے امداد الفتاوی میں اخبار فقہیہ سے ایک مضمون نقل

---

[۱] جهز ابنته بجهاز وسلمها ذلك ليس له الاسترداد منها ولالورثته بعده ان سلمها ذلك فى صحته بل تختص به وبه يفتى (درمختار على هامش شامى صفحه ۳۰۶ تا ۳۰۷ جلد٤) ولو بعث الى امرأته شيء ولم يذكر جهة عند الدفع غير جهة المهر الخ فقالت هو اى المبعوث هدية وقال هو من المهر او من الكسوة او عارية فالقول له بيمينه والبينة لها فان حلف والمبعوث قائم فلها ان ترده وترجع بها بباقى المهر (درمختار على هامش شامى ۳۰۱ جلد٤)

[۲] (مستفاد آپ کے مسائل اور ان کلحل صفحه ۱۳۸ جلد۵)

کیا ہے جس سے باجوں کے جواز پر ایک زبردست چوٹ ہے افادۂ عام کے لئے اس کا خلاصہ پیش کیا جارہا ہے۔

مذہب احناف کی تحقیق

مذہب حنفی میں تمام باجے حرام ہیں جیسا کہ ہدایہ میں ہے کہ (ان الملاحی کلھا حرام حتی التغنی بضرب القصب) اسیطرح بزازیہ اور درمختار کی عبارت (استماع صوت الملاھی کضرب قصب ونحوہ حرام) سے حرمت ثابت ہے دف بھی چونکہ ایک قسم کا باجا ہے اس لئے یہ بھی حرام ہے چنانچہ شامی میں ہے (استماع ضرب الدف والمزمار وغیر ذالک حرام) اسی طرح شرح نقایہ ابوالکارم اور مجموعہ فتاوی عزیزی کی کئی عبارتوں سے حرمت معلوم ہورہی ہے۔

مذہب شافعی کی تحقیق

اس کے برخلاف مذہب شافعیہ میں شادی اور ختنہ کے موقع پر چند شرائط کے ساتھ مباح قرار دیا ہے جس کو علامہ ابن حجر مکی شافعی اپنے رسالہ کف الرعاع عن بحرمات اللھو والسماع میں تفصیل سے بیان کیا ہے اس کا خلاصہ درج ہے (آگے معلوم ہوگا کہ ان شرائط کا لحاظ کرنا حنفیہ کو بھی ضروری ہے)۔

(۱) شرط اوّل یہ ہے کہ دف بجانے والی خاص عورتیں اور لڑکیاں ہوں کیونکہ دف کے بجانے میں جسقدر روایت وآثار ثابت ہیں وہ سب عورتوں سے متعلق ہیں اس لئے مرد کا بجانا جائز نہیں تشبہ بالنساء کی وجہ سے ملعون ہوگا۔

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ جھانجھ نہ ہو اور بجانے میں کوئی تکلف وتصنع نہ کیا جاوے طرب یعنی خوش آوازی معلوم نہ ہو بلکہ سادگی کیساتھ ہاتھوں سے پیٹا جاوے انگلیوں کے سروں سے نہ بجایا جاوے کیونکہ اس میں ایک طرح کی صنعت طرب ہے۔

(۳) تیسری شرط یہ ہے کہ وقت نکاح یا وقت زفاف یا اس کے بعد تھوڑی دیر تک عورتیں دف بشرائط مذکورہ بجاویں۔ علامہ ابن حجر نے ماوردی کا قول نقل کیا ہے کہ (واما فی زماننا قال فیکرہ فیہ لانہ ادی الی السحف والسفاھة) یعنی اب ہمارے زمانے میں دف استعمال کرنا مکروہ ہے کیونکہ بے وقوفی اور سفاہت پائی جاتی ہے اس کے بعد علامہ ابن حجر مکی تحریر فرماتے ہیں کہ ہمارے اور ماوردی کے زمانہ میں پانچ سو برس کا فاصلہ ہے اب تو اس سے زیادہ خرابی آگئی اور میں کہتا ہوں کہ علامہ ابن حجر کو بھی گزرے ہوئے قریب چار سو برس ہوئے اب تو شر و فساد کے سواء خیر واصلاح کا نام نہیں اب تو بالکل ترک کر دیا جاوے۔

حنفیہ کا اصل مذہب

اوپر کی عبارت سے معلوم ہوا کہ اصل مذہب حنفیہ میں عموماً باجا اور خصوصاً دف بھی حرام ہے اور حنفیہ کی جس کتاب میں اعلان نکاح کے واسطے دف کے جواز پر جو عبارت ہے وہ ظاہر الروایت کے خلاف ہے ہوسکتا ہے کہ علماء احناف کو روایات شافعیہ سے دھوکا ہو گیا ہو اس کے نظائر وامثال کتب حنفیہ میں کثرت سے ملتے ہیں کہ کسی ایک کتاب میں دوسرے مذہب کا کوئی قول کسی مصنف نے لکھا تو دیکھا دیکھی اعتماد کر کے دوسرے مصنف نے بھی اپنی تصنیف میں درج کر دیا اور یہ خلاف مذہب قول نقل در نقل ہوتا چلا آیا اب کسی کو شبہ بھی نہیں ہوتا ہے کہ یہ مذہب حنفی کا مسئلہ نہیں ہے مگر تحقیق کے وقت معلوم ہوتا ہے کہ یہ قول خلاف مذہب ہے چنانچہ علامہ ابن ہمام فتح القدیر باب نکاح الرقیق میں تحریر کرتے ہیں (فھذا ھو الوجہ و کثیر اما یقلد الساھون الساھین) یعنی ایسا بہت ہوتا ہے کہ بھولنے والے بھولنے والوں کی پیروی کر لیتے ہیں اسی طرح کی عبارت بحر الرائق میں بھی منقول ہے۔

لہٰذا کتبِ حنفیہ میں دف کے جواز پر جو قول منقول ہے وہ غلط نقل ہے جس کا اصل مذہب میں پتہ نہیں اس لئے یہ منشاء تقلید نہیں اسی وجہ سے علامہ تورپشتی فرماتے ہیں کہ دف اکثر مشائخ کے نزدیک حرام ہے اور حدیث (اعلنوا هذا النکاح واجعلوه فی المساجد ا) جس میں اعلان نکاح کیواسطے دف بجانے کا ذکر آیا ہے اس سے مراد اکثر مشائخ کے نزدیک اعلان نکاح ہے۔ نہ کہ حقیقۃً دف کا بجانا چنانچہ شرح نقایہ میں ہے کہ (قال التورپشتی انه حرام علی قول اکثر المشائخ وما ورد من ضرب الدف فی العرس کنایة عن الاعلان)

جب دف سے مراد اعلان نکاح ہے تو پھر متاخرین حنفیہ کا جائز کہنا اور اس حدیث کو استدلال میں پیش کرنا صحیح نہیں ہے اور اعلان وتشہیر کے مراد ہونے پر سب سے بڑا قرینہ یہ ہے کہ اب تک کسی ضعیف روایت سے بھی ثابت نہ ہوا کہ زمانۂ رسالت میں کسی صحابی نے اعلان نکاح کیلئے دف بجا کر اس حدیث کی تکمیل کی ہو حالانکہ صحابہ کرام کو اتباع سنت میں جو شغف تھا وہ علماء پر مخفی نہیں اور اس سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ خود حضورﷺ نے متعدد نکاح اپنا اور اپنی صاحبزادیوں کا کیا مگر کبھی کسی نکاح میں آپؐ نے دف بجانے کا حکم نہیں دیا زیادہ سے زیادہ بخاری کی حدیث ربیع بنت معوذ سے ثابت ہوتا ہے کہ چند نابالغہ لڑکیوں نے بعد زفاف دف بجایا تھا جو غیر مکلف تھیں۔ اس سے بالغہ عورتوں کا بجانا کہاں ثابت ہوتا ہے اگر کسی روایت سے بالغہ عورتوں کا بجانا ثابت بھی ہو جائے تو اس کے جواب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث کافی ہے (ان رسول الله صلی الله علیه وسلم نهی عن ضرب الدف ولعب الصنج وضرب الزمارة) اس حدیث کی رو سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ نے

ا ترمذی شریف ملخوذ فتاویٰ شامی صفحه ٦٦ جلد ٤ کتاب النکاح

اجازت دی ہوگی پھر منع فرمادیا جس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ظاہر فرمادیا۔ نیز حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حضورﷺ کے سامنے دف کو مزمار الشیطان کہا تو حضورﷺ نے سکوت فرمایا۔

غور کیجئے اگر حضرت صدیق اکبر کا دف کو مزمار الشیطان فرمانا صحیح نہ ہوتا تو حضورؐ ضرور منع کرتے لہٰذا جب دف مزامار شیطان ٹھہرا تو یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ صحابہ کرام اس کو بجا کر نکاح کا اعلان کرتے پس اکثر مشائخ حنفیہ کا حدیث ضرب دف سے اعلان اور تشہیر مراد لینا صحیح ہے کیونکہ عربی اور فارسی میں ضرب دف بول کر اعلان اور تشہیر مراد ہوا کرتی ہے عربی کا حال تو ابھی علماء محققین کے قول سے معلوم ہو چکا۔ اور فارسی میں حضرت شیخ سعدی نے گلستاں کے ایک مصرعہ میں فرمایا (بدف برزوندش دیوانگی) یعنی اس کی دیوانگی کا دف بجایا اس کو دیوانہ مشہور کیا پس جس طرح یہاں مشہور کرنا مراد ہے اسی طرح حدیث میں دف سے مراد نکاح کا اعلانیہ اور شہرت کیساتھ کرنا مراد ہے۔

دف کا جواز اگر ہو بھی تو چند شرائط کیساتھ

اگر تنزل کے درجے میں متاخرین احناف کا استدلال مان بھی لیا جائے تو دف کا بجانا مباح ہے مگر چند شرائط کا لحاظ کرنا ضروری ہے۔

(۱) جھانجھ نہ ہو (۲) تضریب نہ ہو جیسا کہ شامی وغیرہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے (**هذا اذا لم يكن له جلاجل لم يضرب على هيئة التضريب**) (۳) تیسری شرط یہ ہے کہ تھوڑی دیر تک بجایا جائے لمعات میں ہے (**دل الحديث على اباحة مقدار اليسير**)

آج کا مروجہ طریقہ خلاف شرع ہے

آج کل جو متعدد دف برات کیساتھ لیکر چلتے ہیں بجانے والے بھی کاریگر ہوتے ہیں اور اس میں بسا اوقات بے پردہ عورتیں بھی ساتھ ہوتی ہیں اسکے علاوہ بہت ساری خرافات پر مشتمل مجمع ہوتا ہے جو محتاج بیان نہیں تو یہ طریقہ کیونکر جائز ہوسکتا ہے جواز کی صورت جن علماء نے بیان کی ہے اس سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ نکاح کے بعد چند مرتبہ ہاتھ سے دف پیٹ دیا جائے تاکہ معلوم ہوجائے کہ نکاح ہو چکا اس کے علاوہ اور کچھ نہیں اس لئے مروجہ طریقہ کے مطابق دف جائز نہیں ہوگا۔

خلاصۂ تحریر اور مذہب حنفی

ان تمام بیانوں کا خلاصہ یہ نکلا کہ دف وغیرہ کل باجے حرام ہیں شادی اور غیر شادی کسی وقت میں جائز نہیں ہاں مذہب شافعیہ میں چند قیود کیساتھ جائز ہے مگر ترک کردینا ان کے یہاں بھی اولیٰ اور بہتر ہے۔ جن علماء احناف نے خلاف مذہب چند قیود کیساتھ جائز لکھا ہے وہ تو اولاً غلط نقل کی اتباع ہے دوسری بات یہ ہے کہ اس کی وجہ سے مروجہ طریقہ جائز نہیں ہوگا حرام ہی ہوگا پس مقلدین امام ابوحنیفہ کیلئے خیریت اسی میں ہے کہ ہرگز اس کو اختیار نہ کریں ورنہ سخت خطرہ میں مبتلا ہوں گے۔[۱]

گولہ اور پٹاخا کے ذریعہ اعلان

نکاح میں مروجہ طریقہ سے گولہ اور پٹاخا پھوڑنا اور آتش بازی کرنا وغیرہ ہندووانہ رسم ہے نیز اضاعت مال ہونے کی وجہ سے ناجائز اور واجب الترک ہے۔[۲]

---

[۱] ملخص امداد الفتاوی ص ۲۷۹ تا ۲۸۶ ج ۲

[۲] فتاوی محمودیه ص ۳۹۵ ج۷

شادی کے موقع پر عورتوں کا اشعار اور گیت گانا

بہت سارے مقامات میں شادی کے موقع پر عورتیں اور بالغ لڑکیاں غلط اور برے برے اشعار وگیت گا گا کر اچھلتی کودتی ہیں بعض لوگ اس کو جائز کہتے ہیں کیونکہ سفر ہجرت کے موقع پر یا اس کے قریب تر جب حضرت عائشہؓ کی رخصتی کا موقع تھا تو کچھ بچیوں نے یہ اشعار پڑھے تھے۔

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع وفینا نبی یعلم ما فی غد

قائلین جواز اس سے استدلال کرتے ہیں حالانکہ استدلال کرنا اس سے اس لئے غلط ہے کہ اولاً تو وہ بچیاں تھیں جو غیر مکلّف تھیں آج تو دوشیزائیں بے پردہ ہوجاتی ہیں جن کی آواز بھی باعث فتنہ ہے دوسری بات یہ ہے کہ یہ اعمال باب تربیت کے قبیل سے ہیں شریعت مطہرہ میں احکام تربیت عموماً تدریجاً اور آہستہ آہستہ مکمل ہوتے ہیں خود نماز میں بھی کلام الناس اور لوگوں کے سلام کا جواب دینا وغیرہ کی ممانعت بعد میں ہوئی شروع میں سب کچھ نماز کے اندر جائز تھا اسی طرح شراب کی حرمت تین مرحلوں میں مکمل ہوئی وغیرہ ذالک۔ اسی طرح گانا بجانے والا معاملہ بھی باب تربیت کے قبیل سے ہے رفتہ رفتہ تربیت کے انداز میں مکمل ہوکر آخری حکم یہ ہوا:

کل لهو المسلم حرام الا ثلثة ملاعبته باهله ومسابقته بفرسه ومناضلته بقوسه او کما قال علیه الصلوة والسلام رواه الصحاح بلفظه

کہ مسلمان کا لہو ولعب اور بیکار چیزوں میں مشغول رہنا حرام ہے مگر تین چیزوں میں کھیل جائز ہے ایک تو اپنی بیوی کیساتھ کھیلنا (یعنی بے تکلفی سے رہنا) دوسرے گھوڑے کا مسابقہ میں دوڑانا تیسرے تیر اندازی کرنا لہٰذا گانے بجانے کو بھی حضور علیہ ﷺ نے دھیرے دھیرے ختم فرمادیا اسلئے حضرت عائشہؓ کی شادی میں گانے بجانے اور ابتداءً اسلام کے محض ان واقعے سے دلیل پکڑنا صحیح نہیں کیونکہ وہ شروع کی بات تھی اب منسوخ ہوکر گانا بجانا

وغیرہ حرام ہوگیا۔[1]

مرد کا مہندی لگانا

مرد کے لئے صرف سر اور ڈاڑھی میں خضاب کے مقصد سے مہندی لگانے کی اجازت ہے ہاتھ وغیرہ میں مہندی لگانا مرد کیلئے جائز نہیں حرام ہے خواہ شادی کا موقع ہو یا غیر شادی کا۔

عورتوں کے لئے ہاتھ وغیرہ پر مہندی لگانا مستحب ہے

عورتوں کو ہاتھوں میں مہندی لگانیکا حدیث میں حکم آیا ہے نہ لگانے پر تنبیہ فرمائی گئی ہے۔

وعن عائشة ان هندا بنت عتبة قالت يا نبی الله بايعنی فقال لا ابايعک حتی تغيری کفيک فكانهما كفا سبع [2]

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ عتبہ کی بیٹی ہندہؓ نے جب یہ کہا کہ اے اللہ کے نبیؐ مجھ کو بیعت کر لیجئے تو آپ نے فرمایا کہ جب تک تم اپنے دونوں ہاتھوں کو مہندی لگا کر ان کی رنگت کو) متغیر نہ کرلوگی میں تم سے زبانی بیعت نہیں لونگا تمہارے ہاتھ مہندی کے بغیر ایسے ہیں جیسے درندے کے ہاتھ ہوں۔

دوسری حدیث میں ہے:

وعن عائشةؓ قالت اومت امرأة من وراء ستر بيدها كتاب الی رسول الله صلی الله عليه وسلم فقبض النبی صلی الله عليه وسلم يده فقال ما ادری اَيد رجل ام يد امرأة قالت بل يد امرأة قال لو كنت امرأة لغيرت اظفارک يعنی بالحناء الخ[3]

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ایک دن ایک عورت نے پردے کے پیچھے سے اپنے ہاتھ کے ذریعہ اشارہ کیا جس میں ایک پرچہ تھا جو کسی شخص نے رسول کریم ﷺ کو بھیجا تھا (یعنی حضور ﷺ کو اس عورت نے پرچہ دینا چاہا) لیکن حضور ﷺ نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور فرمایا کہ مجھے نہیں معلوم کہ یہ

[1] نظام الفتاوی صفحه ۲۵۰ جلد۱) [2] (مشكوة شريف صفحه ۳۸۳ جلد ۲)
[3] مشكوة شريف ۳۸۳ جلد ۲ باب الترجل

ہاتھ مرد کا ہے یا عورت کا اس عورت نے کہا یہ ہاتھ عورت کا ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تو عورت ہوتی تو اپنے ناخنوں کو مہندی کے ذریعہ ضرور تبدیل کرتی۔

صاحب مظاہر حق فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورتوں کو مہندی لگانا مستحب ہے اور اس کو ترک کرنا مکروہ ہے یہ کراہت مردوں کی مشابہت اختیار کرنے کی وجہ سے ہے (کیونکہ مرد مہندی نہیں لگا سکتا)۔[1]

ابٹن لگانا

بعض علاقے میں شادی سے قبل عورتیں جو جوار ہلدی وغیرہ ملا کر ابٹن بناتی ہیں اس کے بنانے کا اہتمام عورتوں کے اجتماع کیساتھ ہوتا ہے اپنے گھر ابٹن نہیں پیستیں دوسرے کے گھر جا کر پیستیں ہیں اور راستے میں گیت گانے وغیرہ گاتے جاتی ہیں نیز اس کے بھوننے کیلئے عام چولہا نہیں ایک نیا چولہا بنایا جاتا ہے اور ابٹن کے سامان کو کسی لڑکی کے سر پر دیکر ڈھانپ دیا جاتا ہے اور پھر اس کو پیس کر دولہا دولہن کو لگایا جاتا ہے غیر محرم عورتیں بھابھی وغیرہ اکثر دولہا کو لگایا کرتی ہیں اور ایک مرتبہ نہیں سات سات مرتبہ کئی مجلسوں میں لگاتی ہیں لگاتے وقت پورے بدن کا کپڑا ہٹا دیا جاتا ہے غیر محرم کا ہاتھ اس کے بدن پر پڑتا ہے اس کے علاوہ اور بھی خرافات رسمیں پائی جاتی ہیں یہ بالکل حرام اور ناجائز ہے حدیث و قرآن میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے حضرت مفتی محمود صاحب نے بھی فتاوی محمودیہ میں اس کو واجب الترک لکھا ہے۔ اسلئے دولہا دولہن کو خاص طور سے دولہا کو تو بالکل نہیں لگانا چاہئے کیونکہ اس میں رنگ ہوتا ہے میل وغیرہ دور کرنے کا تو صرف بہانا ہوتا ہے اصل مقصد نمائش کرنا اور رسم کو پورا کرنا ہوتا ہے اس لئے یہ چیزیں جائز نہیں ہیں۔

---

[1] مظاہر حق صفحہ ۲۲۲ جلد ۵

نکاح میں سہرا و گجرا وغیرہ باندھنا

نکاح کے موقع پر دولہا کو پھول یا کاغذ اور روپئے وغیرہ کا ہار مالا گلے میں باندھنا اور سہرا سر پر باندھنا اور ہاتھ و گلے میں گجرے پہنانا ہتھیلی یا جوڑ بند باندھنا وغیرہ یہ سب ہندوانہ رسومات ہیں ان رسومات کا ادا کرنا غیر کیساتھ مشابہت ہے جس سے حضور نے منع فرمایا ہے۔ حضور ﷺ کی حدیث ہے (**من تشبه بقوم فهو منهم**) جو کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے وہ انہیں میں سے ہے۔ اس حدیث کیوجہ سے معلوم ہوا کہ غیر کے طریقے کو اپنانا بہت بڑا گناہ ہے اکثر علماء و مفتیان کرام نے اس کو واجب الترک بتلایا ہے۔[1]

لڑکی سے اجازت لینے کا غلط طریقہ

نکاح سے کچھ دیر پہلے لڑکی عورتوں کے مجمع میں بیٹھتی ہے پھر تین اجنبی مرد ایک وکیل اور دو گواہ اس بھرے مجمع میں پہنچ کر اجازت لیتے ہیں اب بھلا سوچئے ایسے موقع پر کون بے شرم لڑکی ہوگی جو قولاً وفعلاً انکار کرے گی اور ناراضگی ظاہر کرے گی حالانکہ اجازت لینے کا مقصد عورتوں کی رضامندی معلوم کرنی ہوتی ہے اور یہ بات اس وقت ہوگی جبکہ کہیں سے نکاح کا مناسب پیغام آئے تب اسی وقت لڑکی سے آزادانہ ماحول میں اجازت لی جائے اجنبی مرد اجازت لینے ہرگز نہ جائیں اور نہ اجازت کے وقت گواہ کی ضرورت ہے۔ شریعت اسلامیہ نے اجازت لینے کا حق ولی (باپ دادا بھائی چچا وغیرہ) کو دیا ہے حدیث میں ہے (**يستاذنها ابوها**) کہ لڑکی کا باپ اجازت لے اور اسی حدیث میں آگے ہے۔ (**اذنها صماتها**) کہ لڑکی کا خاموش رہنا اجازت

---

[1] نظام الفتاوی صفحہ ۳۹۰ جلد ۱۔ فتاوی محمودیہ صفحہ ۳۱۸ جلد ۱۰

ہے جبراً منھ سے کہلوانا غیر مہذب طریقہ ہے۔ لیکن اگر غیر ولی اجازت لینے جائے تو پھر خاموش رہنا اجازت نہیں سمجھا جائے گا۔[1]

نکاح کے وقت جھک کر چلنا

جب دولہا کو نکاح کی مجلس میں لایا جاتا ہے تو دولہا کو اندھا ہو کر چلنے اور اسی طرح آہستہ آہستہ جھک کر چلنے کو کہا جاتا ہے اگر کوئی اپنی روش پر چلے تو اس کو بے ادب کہا جاتا ہے یہ سب رسومات ناجائز ہیں اور تکلف بارد ہے اس طرح چلنے اور کسی کے سامنے ادباً جھکنے کی حدیث شریف میں ممانعت آئی ہے چنانچہ حضرت انسؓ سے منقول ہے ایک شخص نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔

یارسول الله الرجل منا یلقی اخاه او صدیقه اینحنی له قال لا[2] کہ ہم میں سے کوئی اپنے کسی بھائی یا دوست سے ملاقات کرتا ہے تو کیا اس کے سامنے جھک سکتا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا نہیں۔

لہٰذا یہ رسم واجب الترک ہے، اپنے وقار کے ساتھ مجلس نکاح میں آجائے۔[3]

نکاح کے وقت سلام کرنا

لوگ عقد نکاح کے بعد مجلس ہی میں فوراً کھڑے ہو کر دولہا کے سلام کرنے کو لازم سمجھتے ہیں اگر کوئی ایسا نہ کرے تو برا سمجھا جاتا ہے سلام تو پہلی ملاقات پر کیا جاتا ہے یا رخصت ہوتے وقت، بیچ میں سلام کرنے کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں ملتا ہے لہٰذا اس رسم کے ترک پر ملامت کرنا ناجائز ہے۔[4]

---

۱ مستفاد بهشتی زیور ۲ مشکوۃ شریف ۴۰۱ جلد ۲
۳ مستفاد فتاوی محمودیه ۳۱۶ جلد۳ ٤ مستفاد فتاوی محمودیه صفحه ۳۱٦ جلد۳

نکاح کے بعد مصافحہ

اسی طرح یہ رواج ہے کہ نکاح پڑھانے کے بعد دولہا حاضرین مجلس سے مصافحہ کرتا ہے اس مصافحہ کا شرعاً کوئی ثبوت نہیں ہے بے اصل اور بدعت ہے مصافحہ نہ کرنے والے کو برا کہنا کسی طرح درست نہیں ہے اس سے اجتناب کرنا چاہئے مصافحہ بھی سلام کی طرح صرف شروع ملاقات یا رخصت کے وقت کیا جاتا ہے۔[۱]

نکاح کے بعد چھوہارے لٹانا

نکاح کے بعد چھوہارے کا لوٹنا اور لٹانا حضرت انس کی ایک حدیث سے اگر چہ ثابت ہوتا ہے مگر حدیث ضعیف ہے ایسے جزئی عمل کو کرنا کچھ ضروری نہیں ہے ایسے فعل سے اکثر چھینا جھپٹی ہو جاتی ہے اور لوگوں کو چوٹ بھی لگ جاتی ہے جو اذیت مسلم ہے اگر مسجد میں نکاح ہوا ہے تو مسجد کی بے حرمتی ہوتی ہے اس لئے چھوہارے پھینکنے کے بجائے ایک آدمی مجلس میں کھڑے ہو کر تقسیم کر دے اگر مسجد میں ہو تو مسجد سے باہر گیٹ پر کھڑے ہو کر اطمینان سے تقسیم کر دے تو مناسب طریقہ ہے[۲] حضرت تھانوی نے بھی اصلاح الرسوم میں تقسیم پر کفایت کرنے کو لکھا ہے۔

دولہا والے سے مسجد یا مدرسہ کا جبراً چندہ لینا

ایک دستور یہ بھی ہے کہ شادی کے موقع پر گاؤں والے یا مسجد والے دولہا والے سے جبراً چندہ لیتے ہیں یہ طریقہ خلاف شریعت ہے کسی مسلمان کا مال بغیر اس کی رضامندی اور خوش دلی کے لینا جائز نہیں ہے ایسی رقم جو رسم ورواج کیوجہ سے دی جاوے مسجد و مدرسہ میں اس کا استعمال کرنا بھی زیادہ برا ہے حدیث پاک میں ہے (ان الله طيب لا يقبل الا الطيب) کہ اللہ پاک ہے اور پاک ہی مال کو پسند کرتا ہے۔[۳]

---

۱ (مستفاد فتاوی محمودیه صفحه ۳۱٦ جلد۳

۲ فتاوی رشیدیه صفحه ٥٦٧ جلد۱) ۳ اصلاح الرسوم

دولہا سے دربانی وغیرہ کا روپیہ لینا

آج کل یہ بھی رسم ہے کہ دولہا سے دربانی کا روپیہ لیا جاتا ہے اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ دولہا جس راستے سے جاتا ہے وہاں ایک شخص کھڑا ہو جاتا ہے اور روپیہ نہ دے تو روک لیا جاتا ہے اور برا بھلا کہا جاتا ہے (اسی طرح کبھی دولہا کا جوتا چرا لیا جاتا ہے یا اور بھی کئی طریقے سے لوگ روپیہ حاصل کرنا چاہتے ہیں) یہ سب رسم بد ہے اگر دولہا شرم کے مارے یا جبراً دیدے تو اس کی واپسی ضروری ہے نہ دینے پر برا کہنا سخت گناہ ہے۔[1]

نکاح کے بعد دولہن کا منہ دکھلانا

بعض جگہ تو نکاح کے فوراً بعد دولہن کا منہ دکھلاتے ہیں اسی طرح دولہا کے گھر آنے کے بعد آدمی دولہن کا منہ دیکھنا ضروری سمجھتے ہیں اور اس پر روپئے پیسے دینے کا بھی التزام ہوتا ہے یہ سب رسم بد ہے اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے خاص طور سے غیر محرم مردوں کو تو دیکھنا اور دیکھانا حرام ہے اس سے اجتناب ضروری ہے۔[2]

شب زفاف کی رسم

شب زفاف کی رسموں میں سے ایک بہت ہی خراب اور گھناؤنی رسم یہ ہوتی ہے کہ دولہا اور دولہن کو یکجا گھر میں کر کے دروازہ یا کھڑکی وغیرہ سے بعض لڑکیاں اور عورتیں جھانکتی اور تاکتی ہیں یہ بیحد گھناؤنا طریقہ حدیث کی رو سے ایسی لڑکیاں لعنت میں داخل ہوتی ہیں۔[3]

ایک حدیث میں حضورﷺ نے فرمایا:

---

[1] فتاوی محمودیه صفحه ۳۱٦ جلد۳

[2] مستفاد فتاوی محمودیه صفحه ۳۱٦ جلد۳

[3] بهشتی زیور صفحه ۳۵ حصه ٦

من كشف سترا فادخل بصره فی البيت قبل ان يؤذن له فرأى عورة اهله فقد اتى حدا لايحل له ان يأتيه ولو انه حين ادخل بصره فاستقبله رجل ففقأ عينه ما عيرت عليه [۱]

کہ اگر کسی شخص نے کسی کے گھر کا پردہ کھولا اور اسکے گھر میں اپنی نظر ڈالی اس کی اجازت دینے سے قبل اور اس کے گھر والے کے ستر کو دیکھا (تو اس نے ایسے جرم کا ارتکاب کیا ہے) جس کی وجہ سے وہ مستحق سزا ہوگا اس کیلئے ہرگز جائز نہیں کہ وہ بلا اجازت کسی کے گھر میں آئے اور اس کے گھر میں جھانکے اگر اسنے گھر میں جھانکر دیکھا اور گھر والوں میں سے کوئی شخص سامنے آگیا اور اس نے اس جھانکنے والے کی آنکھ پھوڑ ڈالی تو میں اس آنکھ پھوڑنے والے کو کوئی سرزنش نہیں کرونگا اور نہ (بطور تاوان) اس پر کوئی چیز واجب کرونگا۔

شب زفاف گزارنے کا صحیح طریقہ

نکاح سے قبل میاں بیوی کے درمیان غیر موانست اور اجنبیت تھی کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں تھا اور ہونا بھی نہیں چاہئے نکاح کے بعد ایک دم عجیب تعلق پیدا ہوگیا ہے کہ دونوں کو یکجا ہونے اور خلوت گزینی کا موقع مل رہا ہے جو ایک عجیب، پرکیف مرحلہ ہوتا ہے اسلئے اس کے کچھ آداب بتلا دینا مناسب ہے۔

(۱) دونوں کی ملاقات کے وقت طبیعت میں انبساط اور شگفتگی اور بدن میں تازگی ہو اور دل و دماغ فرحاں اور شاداں ہو ذہن میں کسی قسم کا انتشار اور بدن میں کسی طرح کی کوئی سستی نہ ہو۔ اس لئے شب زفاف سے پہلے والے دن میں موقع نکال کر کچھ آرام کر لینا چاہئے اور طبیعت کے کھلنے کے کچھ اسباب مثلاً پھل فروٹ خوشبو وغیرہ کا انتظام کر لینا چاہئے۔ (۲) اگر مہر نقد ہو تو اس کا پہلے انتظام کر کے رکھ لیا جائے اگر مہر

[۱] مشکوۃ ۳۰۶ کتاب النکاح

معجّل نہیں ادھار ہےتو کوئی بھی چیز مہر کے علاوہ زوجہ کے مزاج کے موافق بطور ہدیہ پیش کردینی چاہیئے جیسا کہ مہر کے بیان میں گزر چکا ہے کہ حضورﷺ نے حضرت علیؓ کو فاطمہؓ کے پاس جانے سے اس وقت تک منع کردیا تھا جب تک کہ اُن کو کچھ پیش نہ کردے۔(۳) پہلی ملاقات میں کلام سے قبل سلام کرے اور پھر دولہن کی پیشانی اور اس کے بالوں پر ہاتھ رکھ کر یہ دعاء پڑھے۔

اللھم انی اسئلک من خیرھا وخیر ما جبلت علیه واعوذبک من شرھا وشرما جبلت علیه[1] اے اللہ میں تجھ سے اس عورت کی بھلائی اور اسکے عادات واخلاق کی بھلائی کا سوال کرتا ہوں اوراس کے شر اوراس کے اخلاق وعادات کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

(۴) ملاقات ہونے کے بعد دونوں وضو کرے پھر دو رکعت صلوۃ الحاجہ پڑھ کر خیر وبرکت اور محبت وموافقت اور خوشگواری کیساتھ رشتۂ نکاح کے نبھاؤ اور دوام وبقاء نیز صالح اولاد کے حصول کیلئے دعاء کرے۔ دولہن کے سامنے دینی انداز میں بات چیت کرتے ہوئے مال ودولت اور دنیا کی بےوقعتی کا تذکرہ کرے۔(۵) جماع اور صحبت میں جلد بازی نہ کرے اس کے لئے تو پوری زندگی پڑی ہے اس لئے شروع میں دل لگی اور خوش طبعی کی باتیں ہوں رات کا اکثر حصہ تو اس کے ساتھ محبت اور تعلقات کی باتیں ہوں آہستہ آہستہ مانوس کرکے اپنی طرف مائل کرے جب وہ پورے طور پر مائل ہوجائے اور کھل کرابھر کر سامنے آجائے تو پھر صحبت کرے۔(۶) فقیہ ابواللیث نے بستان میں لکھا ہے کہ جماع کا بہتر وقت آخری شب ہے کیونکہ اول وقت میں پیٹ بھرارہتا ہے اس حالت میں جماع کرنے سے معدہ خراب اور بدہضمی ہونے کا اندیشہ ہے۔ حضرت عائشہؓ سے روایت منقول ہے کہ حضورﷺ جب آخری شب

---

[1] ابن ماجه شریف ۱۳۸

میں وتر پڑھ چکے ہوتے اور آپ کو اپنی بیویوں سے ملنے کی خواہش ہوتی تو حاجت پوری فرماتے ورنہ لیٹ جاتے یہاں تک کہ حضرت بلالؓ فجر کیلئے نماز کی اطلاع دیتے ویسے اول شب میں بھی آپؐ سے جماع کرنا ثابت ہے اسلئے جس وقت چاہے جماع کرسکتا ہے۔

ہم بستری کرنے کے آداب

(۱) مباشرت اور جماع دن اور رات ہر وقت کر سکتے ہیں مگر زیادہ بہتر رات کا وقت ہے کیونکہ اکثر حضورﷺ سے رات ہی میں مباشرت ثابت ہے۔ (۲) مباشرت بالکل خلوت میں ہو ایسی جگہ اور ایسے مکان میں ہو جہاں چھت بھی ہو اور کسی کے آنے جانے کا اندیشہ بھی نہ ہو اگر چھوٹا بچہ بھی ہو تو بیدار نہ ہو حتیٰ کہ جانور بھی نہ ہو۔ (۳) مباشرت کرتے وقت بالکل ننگا ہونا اچھا نہیں ہے کوئی چادر وغیرہ اوپر سے ڈال لینا چاہئے حضورﷺ تو مباشرت کے وقت اپنا سر مبارک بھی کپڑے سے چھپا لیتے تھے اور آواز کو ہلکی فرما لیتے تھے اور بیوی سے فرماتے کہ اطمینان وسکون سے رہو۔ (۴) دخول سے قبل عورت کو خوب آمادہ کرلیا جائے اور اس کے جذبات کو جوان کرلیا جائے ورنہ مرد جلد فارغ ہو جائے گا اور عورت کی خواہش نا تمام رہے گی کیونکہ مرد کا مزاج گرم اور عورت کا مزاج اکثر سرد ہوتا ہے عورت کو ابھارنے کے طریقے ہر شخص سمجھ سکتا ہے مثلاً چومنا، بھینچنا، پیار ومحبت کی باتیں کرنا تو عمومی چیزیں ہیں عورت کے پستان کی گھنڈی یعنی گول حصہ کو آہستہ آہستہ سہلانے اور شرمگاہ کے اوپر کے چھوٹے ابھرتے ہوئے ٹنا کو گدگدانے سے جذبات بہت جلد ابھر جاتے ہیں مگر مرد اس وقت دھیان کو ہٹا کر خواہش کو دبائے رکھے ورنہ پہلے انزال ہو جانے کا خطرہ ہے۔ (۵) خواہشات کے ابھر جانے کے بعد جماع کرے مگر اس سے قبل یہ دعاء پڑھ لے جو صحیح حدیث سے ثابت ہے۔

بسم الله اللهم جنبنی الشیطان وجنب الشیطان مارزقتنا[۱] — اللہ پاک کے نام سے شروع کرتا ہوں اے اللہ ہم کو شطان سے بچااور اس سے جواولاد تو عطا کرے اس کو بھی شیطان سے محفوظ فرما۔

(نوٹ) بغیر دعاء اور بغیر بسم اللہ کے ہمبستری کرنے سے مرد کے نطفے کیساتھ شیطان کا نطفہ بھی اندر شرمگاہ میں چلا جاتا ہے جس سے اولاد میں شیطانی اثرات آجاتے ہیں۔

(٦) جماع ہر طرح سے کرنا جائز ہے مگر بہتر طریقہ یہ ہے کہ عورت کو چت لٹا دے اور اس کے دونوں گھٹنوں کو موڑ کر اس کی پستان سے لگادے اس کے بعد مرد اس کو پورے طور پر ڈھانپ لے جیسا کہ قرآن میں ہے (فَلَمَّا تَغَشّٰهَا)[۲] یعنی جب شوہر نے اپنی بیوی کو ڈھانپ لیا اور حدیث میں ہے کہ:

اذا جلس احدکم بین شعبها الاربع ثم جهدها فقد وجب الغسل[۳] — یعنی جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی کے چار پائے (یعنی دونوں ہاتھ اور پیروں) کے بیچ میں بیٹھا اور پھر کوشش کی (یعنی جماع کیا) تو اس کے اوپر غسل واجب ہو جائیگا۔

(٧) مجامعت کرتے ہوئے مرد کو اتنی کوشش کرنی چاہئے کہ عورت کی بھی خواہش پوری ہو جائے اور منی نکل جائے یہ بڑی بے مروتی کی بات ہے کہ خود تو تسکین حاصل کرلے اور عورت کو یوں ہی تڑپتی چھوڑ دے ایسا کرنے سے آپسی محبت کے بجائے نفرت وعداوت پیدا ہو جاتی ہے (٨) جماع کے بعد حدیث میں آتا ہے کہ استنجا کرلے اور آلہ تناسل دھوکر وضو کر کے سوئے اس سے پاکیزگی زیادہ حاصل ہوتی ہے۔

---

۱ بخاری شریف ٧٧٦ جلد ٢ ۲ سورة الاعراف آیت ١٨٩ ۳ مشکوة شریف ص ٤٧ ج ١

(تنبیہ) یہ باتیں بظاہر حیا سوز ہیں مگر بے تکلف لکھدی گئی ہیں تا کہ ہمارا ہر کام شریعت اور سنت کے مطابق ہو یہ شریعت اسلامیہ کا کمال ہے کہ اسمیں کسی چیز کے متعلق تشنگی نہیں ہے بڑی سے بڑی اور چھوٹی سے چھوٹی چیزوں کا بھی طریقہ بتلایا گیا ہے۔

صحبت کا غلط طریقہ

اپنی بیوی سے حیض کی حالت میں جماع کرنا حرام ہے اسی طرح عورت کے پیچھے کے مقام دبر میں وطی کرنا بھی ناجائز اور حرام ہے قرآن میں ہے:

یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْمَحِیْضِ قُلْ هُوَ اَذیً فَاعْتَزِلُوْا النِّسَآءَ فِیْ الْمَحِیْضِ وَلاَ تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰی یَطْهُرْنَ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَیْثُ اَمَرَکُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَ نِسَاؤُکُمْ حَرْثٌ لَّکُمْ فَاْتُوْا حَرْثَکُمْ اَنّٰی شِئْتُمْ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِکُمْ وَاتَّقُوْاللّٰهَ وَاعْلَمُوْا اَنَّکُمْ مُلٰقُوْهُ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ[۱]

کہ لوگ آپ سے حیض کی حالت میں (اپنی بیوی سے صحبت وغیرہ) کا حکم پوچھتے ہیں تو آپ فرمادیجئے کہ حیض گندی چیز ہے (تو حالت حیض میں تم عورتوں سے صحبت کرنے سے پرہیز کرو اور ان کے قریب بھی مت جاؤ جب تک کہ وہ پاک نہ ہوجائیں ہاں جب وہ اچھی طرح پاک ہوجائیں تو پھر ان کے پاس آؤ اس جگہ سے جہاں سے اللہ نے تمہیں اجازت دی ہے (یعنی آگے کے مقام میں صحبت کرو) بیشک اللہ تعالی توبہ کرنے والے اور پاک صاف رہنے والوں سے محبت کرتے ہیں اور تمہاری بیویاں تمہارے لئے (بمنزلہ) کھیت کے ہیں (جس میں نطفہ بیج اور بچہ کی پیدوار ہے) سو اپنے کھیت میں جسطرف سے چاہو آؤ (مگر آگے ہی کیطرف سے نہ کہ پیچھے کے مقام میں کیونکہ اس سے بچہ پیدا نہیں ہوسکتا

---

[۱] سورہ بقرہ پ ۲ رکوع ۱۲ آیت ۲۲۲ و ۲۲۳

ہے) اور آئندہ کیلئے بھی اپنے لئے کچھ اعمال صالحہ کرتے رہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو (ایسا نہ ہو کہ خواہشات میں مشغول ہو کر خدا کو بھول جاؤ) جان لو کہ اللہ کے سامنے پیش ہونے والے ہو اور اے محمدؐ ایمانداروں (یعنی جو خدا سے ڈر ڈر کر کام کریں) اُن کو جنت کی خوشخبری سنا دیجئے۔

اور پیچھے کے مقام میں صحبت کرنے والے کے متعلق حضور ﷺ کی حدیث ہے۔

ملعون من اتی امرأته فی دبرها[۱]	یعنی جو شخص اپنی بیوی کے پیچھے کے مقام میں وطی کرے وہ شخص عنداللہ ملعون ہے۔

مسئلہ: حالت حیض میں ناف سے گھٹنے تک عورت کے بدن کو دیکھنا اور ہاتھ لگانا بھی درست ہے۔

مسئلہ اگر غلبہ شہوت سے حالت حیض میں صحبت ہوگئی تو خوب توبہ کرنا واجب ہے اور اگر کچھ خیرات وصدقہ بھی دیدے تو زیادہ بہتر ہے۔[۲]

ہم بستری اور خلوت کے راز کو بیان کرنا

میاں بیوی اپنی خلوت اور تنہائی کی باتیں دوسرے سے بیان نہ کریں نہ شوہر اپنے دوستوں سے نہ بیوی اپنی سہیلیوں سے حدیث میں ہے کہ (ان اعظم الامانة عندالله یوم القیامة) یعنی میاں بیوی کے بوس وکنار اور ہمبستری سے متعلق حرکات وسکنات ایک بہت بڑی امانت ہے ایک حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا

(ان من اشر الناس عندالله منزلة یوم القیامة الرجل یفضی الی امرأته وتفضی الیه ثم ینشرسرها)[۳]	قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک مرتبہ اور مقام کے اعتبار سے سب سے بدتر اور شریر وہ شخص ہوگا جو اپنی بیوی سے ہمبستر ہو اور اس کی بیوی اس کے

[۱] مشکوۃ شریف صفحہ ۲۷۶ جلد۲ [۲] بیان القرآن صفحہ ۱۲۹ جلد۱
[۳] مشکوۃ شریف صفحہ ۲۷۶ جلد۲

اسکے ہم آغوش ہو اور پھر اسکی پوشیدہ باتیں ظاہر کرتا پھرے۔

اسکی قباحت کو حضور ﷺ نے مزید مثال دیکر یوں بیان کیا ہے کہ:

فلاتفعلوا فانما ذلک مثل الشیطان لقی الشیطانة فی طریق فغشها والناس ینظرون [1]

ہمبستری کی باتیں دوسرے کے سامنے ظاہر نہ کرو کیونکہ اسکی مثال ایسی ہے جیسے شیطان شیطانہ سے عام راستے پر صحبت کرے اور لوگ اسکے تماشے دیکھ رہے ہوں۔

بہر حال یہ بڑی گھناؤنی اور اخلاق سے گری ہوئی بات ہے کہ اپنی عزت و شرافت کو دوسرے کے سامنے کھولے۔ اللہ تعالی حفاظت فرمائے۔

غسل جنابت

اگر رات میں جماع کیا تو صبح ہوتے ہی فجر سے قبل فوراً غسل کر لینا چاہئے اگر غسل نہ کیا تو نماز قضاء ہونے کا گناہ تو الگ اسکے علاوہ حدیث میں آتا ہے کہ جنابت کے غسل میں بہت تاخیر کرنے اور سستی سے ناپاک پڑے رہنے سے رحمت کے فرشتے گھر میں نہیں آتے مگر اس سے مراد بہت تاخیر ہے رات کا تھوڑا حصہ بغیر غسل کے صرف وضو کر کے سو جائے تو اس حدیث کے تحت وہ داخل نہیں ہوگا۔

چوتھاری نہانے کی رسم بد

ایک رسم نکاح کے موقع پر نہایت ہی خطرناک اور خلاف شریعت پائی جاتی ہے جسکو چوتھاری نہانا کہتے ہیں اسکی صورت یہ ہوتی ہے کہ دولہن تین چار روز کے بعد چوتھاری نہان نہاتی ہے اس سے قبل اسکو غسل کی اجازت نہیں حالانکہ اس سے پہلے وہ ہمبستر ہونے کی وجہ سے جنابت کی حالت میں رہتی ہے نماز تو تین چار روز کی جو ضائع اور قضاء ہوگئی اس کا گناہ تو الگ ہے اسکے ساتھ ساتھ جنابت کی حالت میں زیادہ دیر

[1] مسند احمد

رہنے کی وجہ سے نحوست اور بے برکتی میں خود مبتلا رہی اور پورے گھر والوں کو مبتلا رکھا حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا لاتدخل الملائکۃ بیتاً فیہ صورۃ ولا کلب ولا جنب [۱] یعنی رحمت کے فرشتے اس گھر میں نہیں آتے جس میں تصویر اور کتے اور جنبی رہتے ہوں۔ اس لئے یہ رسم واجب الترک ہے ورنہ اس میں جتنے لوگ شریک ہیں وہ سب اپنے گھر والوں کے ساتھ گناہ میں مبتلا ہوں گے (اللھم احفظنا منھم) آمین۔

بیمار یا بوڑھی اور نابالغہ سے جماع

بیوی سے پوری عمر جماع کر سکتے ہیں اسکے لئے عمر کی کوئی قید نہیں البتہ عمر کے زیادہ یا کم ہونے کی وجہ سے بوڑھی اور نابالغہ بیوی جماع کی متحمل نہیں یا کسی مرض کی وجہ سے جماع پر اسکو قدرت نہیں یا جماع کرنے سے کسی ضرر کا اندیشہ ہو تو پھر جماع کرنا درست نہیں۔ [۲]

بیوی سے حالت حمل میں وطی کرنا

بیوی سے حالت حمل میں بھی وطی کرنا جائز ہے البتہ اگر وطی سے بچہ یا عورت کو ضرر اور نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہو تو پھر وطی کرنا مناسب نہیں، ماہر ڈاکٹر اور حکیم حاذق سے معلوم کرلیا جائے کہ کب جماع نقصان دہ ہوتا ہے۔ [۳]

---

[۱] مشکوۃ شریف صفحہ ۵۰ جلد ۱

[۲] وفی الاشباہ من لحکام غیبوبۃ الحشفۃ فیما یحرم علی الزوج وطأ زوجتہ مع بقاء النکاح قال وفیما اذا کانت لا تحتملہ لصغر او مرض اوسمنہ فعلم من ھذا کلہ انہ لا یحل لہ توطؤ ھا لما یؤدی الی اضرادھا (شامی نعمانیہ صفحہ ۵٤۹ جلد ۲ ماخوذ فتاوی محمودیہ صفحہ ۳۱۸ جلد ۱۲)

[۳] (فتاوی محمودیہ صفحہ ۳۱۸ جلد ۱۲)

دودھ پلانے کی مدت میں جماع

دودھ پلانے کی مدت میں بیوی سے جماع کرنا بلا کراہت جائز ہے البتہ دودھ پینے والے بچے کو نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہو تو جماع سے پرہیز کرنا چاہئے۔ کیونکہ صحبت کرنے سے دوسرا حمل شروع ہونے کا امکان ہے جو دودھ کے بند ہو جانے کا سبب ہوتا ہے۔ نیز حمل کیوجہ سے کبھی دودھ میں خرابی پیدا ہو جاتی ہے چنانچہ حضور ﷺ کی اس سلسلہ میں ایک حدیث منقول ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

لقد هممت ان انهى عن الغيلة فنظرت فى الروم وفارس فاذاهم يغيلون اولادهم فلا يضروا اولادهم ذالک شيأ[1]

کہ میں چاہتا تھا کہ دودھ پلانے والی عورت سے جماع کرنے کو منع کردوں لیکن پھر میں نے دیکھا کہ روم اور فارس کے لوگ اپنی اولاد کی موجودگی میں جماع کرتے ہیں مگر اسکی وجہ سے ان کے بچوں کو نقصان نہیں پہنچتا (تو میں نے یہ ارادہ ترک کردیا)

(فائدہ) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مدت رضاعت میں بیوی سے جماع کرنا جائز ہے مگر نقصان پہنچنے کی صورت میں احتیاط کرنا بہتر ہے۔

عزل اور نرودھ کا استعمال

جماع کرتے وقت عزل کی صورت یہ ہوتی ہے کہ انزال کے وقت اپنے آلۂ تناسل کو باہر نکالکر مادۂ منویہ کا اخراج باہر کیا جائے۔ اسی کے مشابہ نرودھ ہے کہ فرنچ لیدر (ربڑ کی تھیلی) اپنے عضو مخصوص پر چڑھا لیا جاتا ہے تا کہ منی کا قطرہ اسی تھیلی میں رہے عورت کی فرج میں نہ پہنچے۔ تو اس کے جواز اور عدم جواز کے سلسلے میں روایات مختلف ہیں۔ چنانچہ ایک روایت میں آپ ﷺ نے سختی سے منع کرتے ہوئے فرمایا

[1] (مشکوۃ شریف) صفحہ ۲۷۶ جلد ۲

(ذالک الوأدالخفی [١]) کہ عزل کرنا گویا بچہ کو زندہ درگور کرنا ہے۔ اس کے برخلاف ایک دوسری روایت میں حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ (کنا نعزل و القرآن ینزل [٢]) ہم لوگ حضور ﷺ کے زمانہ میں عزل کرتے تھے اور قرآن نازل ہورہا تھا یعنی نزول شریعت کے وقت ہم یہ کام کررہے تھے مگر اس کی ممانعت نازل نہیں ہوئی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جائز ہے۔

بہرحال حدیث کے مختلف ہونے کی وجہ سے علماء کی آراء بھی مختلف ہیں مگر صحیح قول یہ ہے کہ بیوی کی اجازت کیساتھ جائز ہے کیونکہ انزال کیوجہ سے جنسی لذت حاصل ہوتی ہے جو بیوی کا حق ہے اس لئے بغیر اس کی اجازت کے عزل کرنا یا نرودھ کا استعمال مکروہ ہے۔ [٣]

ضبط تولید (برتھ کنٹرول) کا شرعی جائزہ

ضبط تولید یعنی برتھ کنٹرول اور مانع حمل دواؤں کے استعمال کی اولاً دو صورتیں ہیں وقتی اور دائمی پھر وقتی کی بھی دو صورتیں ہیں ضرورۃً، بلاضرورت ہر ایک کا حکم علیحدہ ہے وقتی ضبط تولید بعض اعذار شدیدہ کیوجہ سے جائز ہے مثلاً ماں بچے کی پرورش کے لائق نہ ہو، حمل اور ولادت کیوجہ سے عورت کی ہلاکت کا خطرہ ہو۔ یا اس کی جسمانی ودماغی صحت کے خراب ہونے اور کمزوری لاحق ہونے یا کسی اور شدید مرض میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو یا بچہ کے ناقص لاغر اور کمزور ہونے کا امکان ہو، یا دو بچوں میں مناسب فاصلہ رکھنا مقصود ہو (وغیرہ ذلک) تو ان مجبوریوں کیوجہ سے چند ماہ جب تک

---

[١] مشکوۃ شریف ص ٢٧٦ ج٢

[٢] مشکوۃ شریف ص ٢٧٥ ج ٢

[٣] والاذن فی العزل وھو الانزال خارج الفرج (درمختار) وفی الفتح وفی بعض اجوبة المشائخ الکراھة وفی بعض عدمھا نھر وعنھما ان الاذن لھا وفی القھستانی ان للسید العزل عن امته بلا خلاف وکذا لزوج الحرة باذنھا (شامی صفحه ٣٣٥ جلد٤)

عذر باقی رہے حمل کو روکنے کیلئے تدابیر و معالجہ کرانا جائز ہے اس کے علاوہ بلا عذر شرعی مثلاً عورت کے حسن و جمال سے حسن آرائی اور مستی نکالنے کی غرض سے عورت کو جوان رکھنا، یا چھوٹا گھرانہ، چھوٹا خاندان اور سماجی دلچسپی کیلئے اولاد کے سلسلے کو منقطع کرنا یا اقتصادی و معیشت کی تنگی کے خوف سے قطع نسل کی تدبیریں کرنا یا سرکاری ملازمت ختم ہونے یا اس میں فرق پڑنے کے ڈر سے قانونی دباؤ میں آکر ضبط تولید اور مرد و عورت کا آپریشن وغیرہ کے ذریعہ ہمیشہ کیلئے اولاد سے محرومی کی کوشش کرنا حرام اور زمانہ جاہلیت کے مشابہ رسم بد اور گناہ کبیرہ ہے اللہ رب العزت خود ارشاد فرماتا ہے کہ:

وَلاَ تَقْتُلُوْا اَوْلاَدَکُمْ خَشْیَۃَ اِمْلاَقٍ نَحْنُ نَرْزُقُھُمْ وَاِیَّاکُمْ[۱]

(اے لوگو!) اپنی اولاد کو مفلسی اور ناداری کے خوف سے قتل مت کرو ہم انہیں بھی رزق دیتے ہیں اور تمہیں بھی۔

دوسری جگہ ارشاد باری ہے

وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًا وَّیَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لاَ یَحْتَسِبُ وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ[۲]

یعنی جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ تعالی اس کے لئے تمام مشکلات سے نجات کی راہ پیدا کر دیتا ہے اور ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جس کے متعلق اسکو وہم و گمان تک نہیں ہوتا اور جو خدا پر بھروسہ رکھے گا اس کے لئے خداوند تعالی مشکلات دور کرنے کے لئے کافی ہے۔

کثرت اولاد بہت بڑی نعمت ہے اس کو ختم کرنا کفران نعمت خداوندی ہے حضور ﷺ نے بھی ایک موقع پر ارشاد فرمایا تھا۔

تزوجوا الودود الولود فانی مکاثر بکم الامم[۳]

کہ ایسی عورت سے نکاح کرو جو بہت زیادہ محبت کرنے والی اور زیادہ اولاد جننے

---

[۱] سورہ بنی اسرائیل پارہ ۱۵ آیت ۳۱ [۲] سورہ طلاق پارہ ۲۸ آیت ۳
[۳] مشکوۃ شریف صفحہ ۲۶۷ جلد ۲

والی ہو۔ کیونکہ قیامت کے دن میں تمہاری کثرت کیوجہ سے دوسری امتوں پرفخر کرونگا۔
چنانچہ حضور ﷺ کے زمانے میں بعض صحابہ نے اپنے اوقات کو عبادت کیلئے یکسو کرنے کی غرض سے خصی کرانے کی حضور ﷺ سے اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے منع کیا اسی وجہ سے فقہاء نے لکھا ہے (**واما خصاء الآدمی فحرام**) انسان کا خصی ہو جانا اور نسل انسانی کو بالکل ختم کر دینا حرام ہے۔[1]

اسقاط حمل

اسقاط حمل کی دو صورتیں ہیں حمل کو گرانا بچہ میں جان پیدا ہونے کے بعد یا جان پیدا ہونے سے قبل ہر ایک کا حکم علیحدہ ہے۔

اسقاط الحمل بعد نفخ الروح

استقرار حمل کے چار ماہ یعنی ایک سو بیس (۱۲۰) دن کے بعد حمل میں روح پیدا ہو جاتی ہے اتنے دنوں میں بچہ کے ہاتھ، پیر، انگلیاں اور بال وغیرہ تمام اعضاء مکمل ہو جاتے ہیں گویا یہ بھی عام انسانوں کی طرح ایک انسان ہے فرق صرف اتنا ہے کہ ایک زندہ نفس تو اس دنیائے آب وگل میں آچکا ہے اور وہ رحم مادر میں پڑا ہے اس کا اسقاط خواہ آپریشن کے ذریعہ آلہ دھار دار سے کاٹ کر نکالنے کی شکل میں ہو یا دواؤں اور گولیوں کے زور سے گلا سڑا کر نکالنا ہو یہ سب قتل نفس اور نفس کشی میں داخل ہے اور آیت کریمہ (**لاتقتلوا اولادکم خشیه املاق الخ**) میں یہ بھی داخل ہے۔ اسی لئے فقہاء نے بالاتفاق اس صورت میں اسقاط حمل کو ناجائز اور حرام قرار دیا ہے۔[2]

البتہ بچہ پیٹ میں مر گیا اور ماں زندہ ہے، مردہ بچہ کے پیٹ میں رہنے سے

---

[1] درمختار مع الشامی صفحه ۵۵۷ جلد ۹

[2] وفی الذخیره لو ارادت اِلقاء الماء بعد وصوله الی الرحم قالوا اِن مضت مدة ینفخ فیه الروح لا یباح لها وقبله اختلف المشایخ فیه والنفخ مقدر بمائة وعشرین یوما بالحدیث (شامی صفحه ۵۳۷ جلد ۹)

ماں کی زندگی خطرہ میں ہے تو پھر بچہ کو کاٹ کر نکالنا جائز ہے یا اس کے برعکس حاملہ عورت مرگئی اور بچہ پیٹ میں زندہ ہے تو اس صورت میں عورت کے پیٹ کے بائیں جانب چیر کر بچے کو نکالا جائے۔

اگر بچہ پیٹ میں زندہ ہے اور ولادت نہ ہونے کی وجہ سے حاملہ پریشان ہے تو علامہ شامی کا فتویٰ یہ ہے کہ اس صورت میں بھی بچے کو کاٹ کر نکالنا درست نہیں ہوگا کیونکہ بچے کیوجہ سے ماں کی موت یقینی نہیں احتمالی ہے لہٰذا شک کی بنا پر ایک زندہ نفس کا قتل کرنا درست نہیں ہوسکتا۔[1] اس لئے آپریشن وغیرہ کے ذریعہ دونوں کی زندگی بچانے کی کوشش کی جائے۔ ہاں ولادت کی عام مدت نو ماہ پورے ہونے میں کافی دیر ہے حمل کیوجہ سے عورت بیحد پریشان ہے، بچہ کے اسقاط کئے بغیر آپریشن وغیرہ کے ذریعہ کسی بھی طرح دونوں کی زندگی بچانا ممکن نہ ہو تو مسلمان حاذق طبیب، ماہر ڈاکٹر یہ تشخیص کرے کہ اسقاط سے ماں کی زندگی بچ سکتی ہے تو استحساناً اسقاط کی اجازت ہوجائے گی کیونکہ ماں کی زندگی موجود و مشاہد ہے اور بچہ کی زندگی مظنون ہے نیز بچہ کی موت کے مقابل ماں کی موت کا ضرر بڑھا ہوا ہے۔

اسقاط الحمل قبل نفخ الروح

نفخ روح سے قبل یعنی استقرار حمل کے بعد چار ماہ سے قبل اسقاط کے متعلق علماء کی آراء مختلف ہیں بعض علماء نے مطلقاً جائز قرار دیا ہے مگر بعض حنفیہ نے مطلقاً نہیں بلکہ اعذار شدیدہ کیوجہ سے ہی جائز قرار دیا ہے مثلاً حاملہ کی جان کا خطرہ ہو، دماغی وجسمانی صحت کے متاثر ہونے کا اندیشہ ہو یا اسقدر معذور ہو کہ بچہ کی پرورش کرنے کی

[1] حامل ماتت وولدها حيى يضطرب شق بطنها من الايسر ويخرج ولدها ولو بالعكس وخيف على الام قطع واخرج لوميتا والا لاكما فى كراهية الاختيار (درمختلر) اى لوكان حيا لا يجوز تقطيعه لان موت الام به موهوم فلا يجوز قتل آدمى حى لأمر موهوم .)شامى صفحه ١٤٥ جلد ٣ باب صلوة الجائز)

اہل نہ ہو یا زنا بالجبر سے حاملہ ہوگئی ہو اسی طرح جنین کے خلقی نقص، جسمانی اعتبار سے عدم اعتدال یا خطرناک موروثی امراض وغیرہ کا خطرہ ہو تو اسقاط جائز ہوگا۔ ورنہ اقتصادی ومعاشی تنگی کے خوف سے یا عورت کے حسن وجمال سے حسن آرائی ومستی نکالنے کی غرض سے ولادت کو نہ چاہنا اور اسقاط کرانا جائز نہیں ہوگا۔[۱]

شادی کی دیگر رسومات

نکاح میں مذکورہ رسومات کے علاوہ اور بھی بے شمار خرافات ہیں حضرت تھانوی نے تو ایک رسالہ اسی سلسلے میں اصلاح الرسوم کے نام سے تالیف فرمایا ہے۔ ان رسومات کو معلوم کر کے بچنا ضروری ہے مثلاً ناچ، گانا، قوالی، کٹھ پتلیوں کے کھیل، غیر معمولی اسراف، دیواروں کو کپڑوں سے ڈھانکنا، گھوڑے پر دولہا کو سوار کرنا، بارات لیکر بلاضرورت شہروں میں پھرنا، دولہا کا شہر اور آبادی کے مزارات پر جانا، وہاں کچھ نقد چڑھانا لڑکیوں اور جوان عورتوں کا بارات میں شامل ہونا، مردوں کے سامنے عورتوں کا جلوہ آرائی کرنا، دولہا کو ریشمی مسند پر بٹھانا، دولہا کی پگڑی کو ڈوری سے ناپنا پھر اس ڈوری کو ٹوٹکا کرنے والے ساحروں کو دیدینا تاکہ زوجین کی محبت میں کوئی ٹوٹکا نہ کرے۔ براتیوں اور دولہا کے رشتہ داروں کی حد سے زیادہ تعریف وتوصیف کرنا اور بے جا خوشامد وچاپلوسی اور ایسی باتیں جو بالکل جھوٹی ہوں کہنا، دولہا کے سر سے پگڑی اتار کر دولہن کے سر پر رکھدینا، دولہا اور دولہن کو سب کے سامنے برابر کر کے اونچ نیچ دیکھنا، دولہا اور اس کے خادم (لوکنیہ) کے پاس اجنبی عورتوں کا آنا اس کو ہاتھ لگانا اس کی ناک اور اس کا کان پکڑنا، اور اس کے ساتھ بے حیائی کی باتیں کرنا، دلہا سے سپاری اور مٹی کا برتن ایک چوٹ میں توڑوانا، نہ توڑ سکے تو اس کا مذاق اڑانا، دولہا اور دولہن کو گھیرے رہنا، دولہا اور دولہن کو ایک ساتھ بیٹھا کر چومانا اور پوجنے کی شکل اختیار کرنا،

[۱] مستفاد حلال وحرام صفحہ ۳۰۹ تا ۳۱۰

وغیرہ وغیرہ معلوم نہیں کتنے خرافات اور بدعات نے آج نکاح کو جکڑ رکھا ہے جو سراسر حرام ہیں شریعت اور سنت سے ان کا کوئی تعلق نہیں اس لئے اس سے اجتناب کرنا انتہائی ضروری اور واجب ہے۔[1]

غلط رسموں کے اختیار کرنے پر وعید

رسومات اور غیروں کے طور طریقے کو اپنانے پر حدیث میں بہت وعیدیں آئی ہیں چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

ابغض الناس الى الله ثلثة (وعدمنها) مبتغ فى الاسلام سنة الجاهلية[2]

کہ تین قسم کے لوگ اللہ کے نزدیک بڑے مبغوض اور ناپسندیدہ ہیں پھر آپؐ نے ان تینوں میں سے اس شخص کا ذکر کیا جو اسلام میں جاہلیت کا طریقہ اختیار کرے۔

اس حدیث سے غیروں کے طریقے اختیار کرنے والوں پر حق تعالیٰ کا سخت غصہ ہونا بیان کیا گیا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کے ادنیٰ غصہ کی تاب کوئی نہیں لاسکتا تو سخت غصہ کا کیا حال ہوگا خود اندازہ کر سکتے ہیں۔

جس شادی میں منکرات ہوں اس میں شرکت کرنے کا حکم

جس شادی میں گانا بجانا اور دیگر رسومات بدعیہ ہوں اس میں شرکت کرنا اور نکاح پڑھانا ممنوع اور معصیت ہے خاص کر علماء اور مقتداء حضرات کو تو بہت احتیاط کی ضرورت ہے تاکہ ان کی اتباع میں دوسرے لوگ بھی شریک نہ ہوں اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن میں غلط مجلس میں بیٹھنے کی ممانعت فرمائی ہے۔

---

[1] مستفاد مظاهر حق بهشتی زیور وغیره
[2] (مشکوة صفحه ۲۷ جلد۱)

فَلاَ تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّکْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۱ (کہ اگر تجھ کو شیطان بہکادے) تو پھر یاد آنے کے بعد ایسے ظالم لوگوں کی مجلس میں مت بیٹھ (جو اللہ کے ذکر اور اس کی شریعت سے غافل ہوں)

تاہم اگر ان قبائح کے باوجود نکاح پڑھا دیا تو نکاح منعقد ہو جائیگا۔۲

نکاح شغار کی ممانعت

نکاح شغار کی صورت یہ ہے کہ دو آدمی ایک دوسرے کی بیٹی سے بغیر مہر کے نکاح کرے جیسے زید بکر سے اپنی بیٹی کا نکاح اس شرط پر کرے کہ وہ اپنی بیٹی کا نکاح زید سے کردیگا اور ان دونوں کے نکاح میں مہر کچھ بھی متعین نہ ہو بلکہ ان دونوں کے درمیان ایک دوسرے کی بیٹی کا تبادلہ ہی گویا مہر ہو (اسی طرح ایک شخص اپنی بہن کا نکاح کسی سے اس شرط پر کرے کہ دوسرا بھی اپنی بہن کا نکاح اس سے کردے اور ان دونوں کے درمیان ایک دوسرے کی بہن کا تبادلہ ہی گویا مہر ہو اس طرح کا نکاح زمانۂ جاہلیت میں لوگ کیا کرتے تھے اسلام نے اس سے منع کیا ہے۔

عن ابن عمر ان رسول الله صلی الله علیه وسلم نهی عن الشغار والشغار ان یزوج الرجل ابنته علی ان یزوجه الآخر ابنته لیس بینهما صداق ۳

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے منقول ہے کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شغار سے منع کیا اور شغار یہ ہے کہ کوئی شخص (کسی دوسرے آدمی سے) اپنی بیٹی کا نکاح اس شرط پر کرے کہ اس دوسرے شخص کو اپنی بیٹی کا نکاح اس سے کرنا ہوگا اور دونوں میں مہر کچھ بھی نہ ہو۔

---

۱ سوره انعام پ ۷ آیت ٦٨
۲ فتاوی محمودیه صفحه ۱۹٤ جلد۱۳
۳ بخاری شریف صفحه ٧٦٦ جلد ۲

ہمارا مذہب تو یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اس طرح کا نکاح کرتا ہے تو نکاح صحیح ہو جائے گا مگر دونوں پر مہر مثل لازم ہوگا۔ لیکن شریعت کا حکم یہ ہے کہ اس طرح کے نکاح سے اجتناب کرنا چاہئے۔[۱]

نکاح متعہ کی ممانعت

کسی متعینہ مدت تک ایک متعینہ رقم یا کسی اور چیز کے عوض نکاح کرنے کو متعہ کہا جاتا ہے جیسے کوئی شخص کسی عورت کیساتھ یہ کہہ کر نکاح کرے کہ میں فلاں مدت (مثلاً دو سال تک کیلئے) اتنے روپئے (مثلاً ایک ہزار روپئے) یا دو جوڑے کپڑے کے عوض تم سے فائدہ اٹھاؤنگا نکاح کا یہ خاص طریقہ یعنی متعہ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں تو جائز تھا مگر بعد میں حرام قرار دیدیا گیا۔ تحقیقی بات یہ ہے کہ متعہ دو مرتبہ حلال ہو کر حرام قرار دیا گیا۔ (۱) پہلی مرتبہ تو جنگ خیبر سے پہلے کسی جہاد میں صحابہ تجرد کیوجہ سے سخت پریشان ہوئے یہاں تک کہ بعض لوگوں نے حضور ﷺ سے خصی کرانے کی اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے انہیں وقتی طور سے نکاح متعہ کی اجازت مرحمت فرمادی پھر جنگ خیبر ۷ھ میں آپ ﷺ نے متعہ کو حرام قرار دیدیا۔ (۲) پھر اس کے بعد دوبارہ ۸ھ میں فتح مکہ کے سال غزوہ حنین میں جس کو اوطاس بھی کہتے ہیں وقتی طور سے متعہ کو جائز قرار دیا گیا پھر اسکے بعد ہمیشہ ہمیش کیلئے حرام قرار دیدیا گیا چنانچہ دونوں روایت کو صاحب مشکوٰۃ نے نقل کیا ہے ایک راویت حضرت علیؓ سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ:

ان رسول الله ﷺ نهى عن متعة النساء يوم خيبر	کہ حضور ﷺ نے خیبر کے دن عورتوں کیساتھ نکاح متعہ کرنے سے منع فرمایا

اور دوسری روایت سلمہ ابن الاکوع سے منقول ہے فرماتے ہیں:

---

۱ حاشیه بخاری صفحه ٧٦٦ جلد ٢ حاشیه نمبر٦

رخص رسول الله صلی الله علیه وسلم عام اوطاس فی المتعة ثلاثا ثم نهی عنها (راوه مسلم) [1]	کہ حضور ﷺ نے جنگ اوطاس کے سال تین یوم کیلئے متعہ کی اجازت دی تھی پھر اس کے بعد (ہمیشہ کیلئے) ممنوع قرار دیدیا۔

بہرحال اس کے بعد متعہ کی حرمت پر تمام فقہاء ومحدثین بلکہ تمام اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے۔ اور متعہ کے طور سے جو بھی نکاح ہو وہ صحیح نہیں ہوگا وہ نکاح باطل ہے مگر فرقۂ شیعہ اب تک نکاح متعہ کو جائز ہی نہیں کہتے بلکہ اس کے فضائل بھی بیان کرتے ہیں۔[2]

نکاح کے غیر اسلامی طریقے

دین فطرت اور شریعت اسلامیہ نے انسانی جذبات کا لحاظ کرتے ہوئے شادی بیاہ کی اہمیت کو اس قدر اجاگر اور اس کے جائز وناجائز طریقہ کو اس طرح ممتاز اور جدا کر کے واضح طور سے بیان کیا ہے کہ اس کا کوئی گوشہ تشنہ نہیں چھوڑا ہے اس کی نظیر کسی دوسرے مذہبی یا غیر مذہبی وضعی یا غیر وضعی قانون میں ملنی نہ صرف دشوار بلکہ ناممکن ہے اس لئے دین فطرت اور قانون شریعت سے باخبر ہونے کے بعد دیگر مذاہب وادیان میں نکاح کی حقیقت اور جنسی تقاضوں کی تکمیل کے طریقوں کو معلوم کرنا نامناسب اور بے محل نہ ہوگا بلکہ تقابلی مطالعہ سے مذہب اسلام کی حقانیت کا اعتراف کرتے ہوئے اسلامی مذہب پر شکر گزاری کی توفیق بھی ہوگی۔

زمانۂ جاہلیت کے ازدواجی رشتے

امام بخاری نے حضرت عائشہؓ کی ایک طویل حدیث ذکر کی ہے جس میں

---

[1] مشکوۃ شریف صفحہ ۲۷۲ جلد ۲ [2] مظاہر حق صفحہ ٤٤تا٤٥ جلد٤)

تفصیل سے جاہلیت کے نکاح کی اقسام اور موجودہ اسلامی نکاح کے علاوہ باقی نکاحوں کے ممنوع ہونے کا ذکر موجود ہے۔[۱]

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جاہلیت کے زمانہ میں عرب لوگ چار طرح سے نکاح کرتے تھے (۱) ایک تو اسی طرح جیسے آج لوگ کرتے ہیں کہ ایک مرد دوسرے آدمی (یعنی عورتوں کے سرپرست) کے پاس پیغام بھیجتا ہے (وہ اپنی رشتہ دار عورت مثلاً بہن بھتیجی بھانجی وغیرہ) یا بیٹی کا مہر ٹھہرا کر نکاح کر دیتا ہے۔ (۲) دوسرے یہ کہ شوہر اپنی بیوی کو حیض سے پاک ہونے کے بعد کہتا کہ تو فلاں مرد کو بلا لے اور اس کے ساتھ لیٹ جا (جماع کر لے) جب عورت ایسا کر لیتی تو شوہر اس سے اس وقت تک جدا رہتا جب تک اس کا حمل اس غیر مرد سے نمایاں نہ ہو جاتا جب حمل نمایاں ہو جاتا تو اس کا خاوند بھی اگر چاہتا تو اس کے ساتھ ہم بستر ہوتا یہ کام شوہر عورت سے اسلئے کراتا کہ بچہ شریف اور عمدہ پیدا ہو اور فرضی باپ کی ناموری کا باعث ہو اس نکاح کا نام استبضاع تھا۔ (۳) تیسرا نکاح یہ تھا کہ دس سے کم آدمی کسی عورت کے پاس جاتے اور

---

[۱] ان النکاح فی الجاھلیة کان علی لربعة انحاء فنکاح منها نکاح الناس الیوم یخطب الرجل الی الرجل ولیته او ابنته فیصدقها ثم ینکحها و نکاح اخر کان الرجل یقول لامرأته اذا طهرت من طمثها ارسلی الی فلان فاستضبعی منه ویعتزلها زوجها ولایمسها ابدا حتی یتبین حملها من ذلك الرجل الذی تستبضع منه فاذا تبیّن حملها اصابها زوجها اذا احبَّ وانما یفعل ذلك رغبة فی نجابة الولد فکان هذا النکاح نکاح الاستبضاع ونکاح اخر یجتمع الرهط مادون العشرة فیدخلون علی المرأة کلهم یصیبها فاذا حملت ووضعت ومر علیها لیال بعد ان تضع حملها ارسلت الیهم فلم یستطع رجل منهم ان یمتنع حتی یجتمعوا عندها تقول لهم قد عرفتم الذی کان من امرکم وقد ولدت فهو ابنك یا فلان تسمی من احبّت باسمه فیلحق به ولدها ولا یستطیع ان یمتنع به الرجل ونکاح الرابع یجتمع الناس الکثیر فیدخلون علی المرأة لا تمتنع متّن جاء ها وهن البغایلکن ینصبن علی ابوابهن رایات تکون علما فمن اراد هن دخل علیهن فاذا حملت احداهن ووضعت حملها جمعوا لها ودعوا لهم القافة ثم الحقو ولدها بالذی یرون فالتاط به ودعی ابنه لایمتنع من ذلك فلما بعث محمد صلی الله علیه وسلم بالحق هدم نکاح الجاهلیة کله الا نکاح الناس الیوم (بخاری کتاب النکاح صفحه ۷٦۹ تا ۷۷۰ جلد۲)

سب صحبت کرتے اس کے نتیجے میں جب عورت امید سے ہوجاتی اور بچہ جننے کے بعد کی رات گزر جاتی تو یہ عورت ان سب مردوں کو بلا بھیجتی اور سب کو آنا پڑتا کسی کی مجال نہ تھی کہ نہ آئے۔ جب سب عورت کے پاس جمع ہوجاتے تو عورت ان سب کو یاد دلاتی کہ تم جانتے ہو جو تم نے کیا ہے اب میرا یہ بچہ پیدا ہوا ہے اور یہ تم میں سے فلاں شخص کا بچہ ہے جس شخص کے متعلق چاہتی بچہ کو اس کی طرف منسوب کردیتی اور اس کا نام دھر دیتی وہ بچہ اس کا ہوجاتا اس مرد کو انکار کی مجال نہ ہوتی (کیونکہ قومی رسم یوں ہی تھی)

(۴) چوتھا نکاح یہ تھا کہ ایک عورت کے پاس بہت سے آدمی آتے جاتے رہتے تھے وہ ہر ایک سے صحبت کراتی کسی سے انکار نہیں کرتی وہ عورت رنڈی ہوتی تھی اس کے دروازے پر پہچان کیلئے ایک جھنڈا (صلائے عام سائن بورڈ) لگا رہتا تھا جس مرد کا دل چاہتا اس سے صحبت کرلیتا اگر اس کو حمل رہ جاتا اور پھر وہ بچہ جنتی تو جتنے مرد اس کے پاس گئے تھے وہ ان سب کو بلا بھیجتی ساتھ ہی قیافہ شناس کو بلایا جاتا قیافہ شناس (اپنے علم کی روسے) جس مرد کو اس بچہ کا باپ بتاتا وہ بچہ اسی کا بیٹا ہوجاتا اور اس کا باپ وہی مرد کہلاتا اس کو انکار کی مجال نہ ہوتی۔ حضرت عائشہؓ اس کے بعد فرماتی ہیں کہ جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی بنا کر بھیجے گئے تو آپ نے موجودہ اسلامی طریقۂ نکاح کے علاوہ تمام نکاح کو ختم فرمادیا۔ بخاری کے مشہور شارح حافظ ابن حجر عسقلانی نے جاہلیت کے ان چار نکاح کے علاوہ مزید تین صورتیں اور نقل کی ہیں جو زمانہ جاہلیت میں رائج تھیں [1]

[1] قال الداودی وغیرہ بقی علیها انحاء لم تذکرها الاول نکاح الخدن وھو فی قوله تعالی (ولامتخذات اخدان) کانو یقولون ما استتر فلا بأس به وما ظھر فھو لوم الثانی نکاح المتعة وقد تقدم بیانه الثالث نکاح البدل وقد اخرج الدار قطنی عن حدیث ابی ھریرة کان البدل فی الجاھلیة ان یقول الرجل للرجل لنزل لی عن امرأتك وانزل لك عن أمراتی وازیدك ولکن اسناده ضعیف جدا (فتح البلاری صفحه ۲۳۱ جلد ۱۰)

(۱) پہلی قسم نکاح الخذن ہے یعنی مرد اور عورت دونوں اپنی رضامندی سے چھپ کر تعلق قائم کر لیتے۔ جیسا کہ اللہ تعالی نے بھی قرآن میں فرمایا (اور نہ خفیہ آشنائی کرنے والی ہو) بہر حال زمانہ جاہلیت میں اس پوشیدہ تعلق کے متعلق لوگوں کا نظریہ یہ تھا کہ اگر یہ تعلق پوشیدہ ہی رہتا تو کوئی حرج اور عیب کی بات نہیں ظاہر ہونے پر عیب شمار کیا جاتا (آج بھی مختلف شکلیں موجود ہیں اس پر موڈرن لیبل لگایا جاتا ہے کہیں کال گرل اور کہیں گرل فرینڈس وغیرہ) (۲) دوسری قسم نکاح متعہ تھا جس کا بیان گذر چکا۔ (۳) تیسری قسم کا نکاح۔ نکاح البدل تھا۔ یعنی دو شخص کا آپس میں اپنی بیویوں کا تبادلہ کرنا۔ دار قطنی نے ابو ہریرہؓ کی ایک روایت نقل کی ہے کہ نکاح البدل کی صورت زمانۂ جاہلیت میں یوں تھی کہ ایک شخص دوسرے سے یوں کہتا کہ تم مجھے اپنی بیوی دیدو تو میں تم کو اپنی بیوی دیدیتا ہوں اور اس کے ساتھ مزید کچھ رقم وغیرہ بھی دونگا۔ (مگر اس روایت کی سند بہت ہی ضعیف ہے)

مذہب یہودیت میں عورت

یہود جو اپنی پوری تاریخ میں اخلاقی انحطاط کیساتھ جس قدر بخیل شمار ہوتے چلے آرہے ہیں وہ اپنی مثال آپ ہیں تو بھلا عورتوں کیساتھ وہ انصاف کیسے کر سکتے تھے یہودیوں کی نگاہ میں ہر عورت شیطان کی سواری اور بچھو ہے جو ضروری طور سے ہر انسان کو ڈنک مارنے کی فکر میں رہتا ہے انہوں نے عورتوں کی حقیقتوں کو اتنا ہی گرادیا کہ گویا وہ انسان نہیں بلکہ مردوں کی خدمت کیلئے انسان نما حیوان ہے اسی وجہ سے عورتیں یہودیوں کے یہاں مرد کے ہوتے ہوئے مال میں حصہ دار بھی نہیں ہوسکتیں تھیں اور نہ میراث کی حقدار ہوتی تھیں یہودیوں کی مستند جیوش انسائیکلو پیڈیا میں ہے کہ معصیت اول چونکہ بیوی ہی کی تحریک پر سرزد ہوتی ہے اس لئے اس کو شوہر کا محکوم رکھا

گیا اور شوہر اسکا حاکم اور مالک ہوتا ہے۔ طلاق کے بارے میں ان کے یہاں یہ شائستگی ہے کہ اگر کوئی مرد کسی عورت سے نکاح کر لیتا اور پھر کوئی پلید بات پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے عورت سے نفرت ہو جاتی ہے تو اسکا طلاق نامہ لکھ کر اس کے ہاتھ میں تھما دیا جاتا ہے اور پھر اس کو اپنے گھر سے باہر کر دیا جاتا ہے باہر نکل کر پھر وہ بغیر کسی ضابطے کے دوسرے مرد کی ہو کر رہ جاتی ہے۔

مذہب عیسائیت میں نکاح

تعجب خیز بات ہے کہ دنیا کے ایک مشہور مذہب عیسائیت میں نکاح جیسی اہم ضرورت کے بارے میں کوئی واضح ہدایت نہیں ملتی خود ایک عیسائی محقق اخلاقِ مذہب کی انسائیکلوپیڈیا کا مقالہ نگار اسکا اعتراف کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ عہد نامہ جدید میں شادی کے بارے میں کوئی واضح ہدایت نہیں، انجیل میں دراصل شادی کے بارے میں کچھ نہیں کہا گیا آگے بڑھ کر اس نے یہ حقیقت بھی تسلیم کی ہے کہ عیسائیت میں شادی کی کوئی ایسی رسم نہیں جو قدیم رومی رسم ورواج میں نہ پائی جاتی ہو گیارہویں اور پندرہویں صدی کے بیچ (یعنی اسلام کے ظہور سے آٹھ نوسو سال بعد تک) میں انگلستان میں عام طور پر بیویاں فروخت کی جاتی تھیں گیارہویں صدی کے آخر میں عیسائی مذہبی عدالتوں نے ایک قانون کو رواج دیا جس میں شوہر کو حق دیا گیا کہ وہ اپنی بیوی کو کسی دوسرے شخص کو عاریۃً دے سکتا ہے چاہے جتنی مدت کیلئے ہو اور جس طرح چاہے۔[1]

اس سے بھی زیادہ شرمناک اور حیرت انگریز بات یہ تھی کہ روحانی پیشواؤں کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ کسانوں اور مزدوروں کی نئی نویلی دولہن کو چوبیس گھنٹے تک اپنے پاس رکھ کر اس سے لطف اندوز ہو سکیں۔[2]

---

[1] انسائیکلو پیڈیا ۴۳۳ جلد ۸ ماخوذ معاشرتی مسائل

[2] المرأة بین الفقه والقانون۔ ماخوذ معاشرتی مسائل

ہندو دھرم میں شادی

ہندو دھرم میں تو شادی بیاہ کے بارے میں اگر چہ کچھ تفصیلی ہدایات ملتی ہیں مگر عورت کی عفت وعصمت محفوظ رہنے اور کسی ایک ہی مرد کیساتھ مخصوص رہنے کا اتنا صاف ستھرا تصور نہیں ملتا ہے کہ عورت میں شرکت کا امکان ختم ہوجائے شادی کے علاوہ جنسی تعلقات کی اور بھی صورتیں ان کے یہاں رواں ہیں۔اس کے علاوہ اس مذہب میں ازدواجی تعلقات کو دائمی قرار دیکر ناقابل انقطاع مانا گیا ہے طلاق کی ضرورت کا کوئی حل نہیں پیش کیا گیا پھر شادی کی بھی اتنی ساری قسمیں ہیں کہ جنسی تعلقات وخواہشات کی تکمیل پر ناجائز ہونے کا اطلاق بہت محدود ہوتا ہے۔اسی انسائیکلو پیڈیا کا مقالہ نگار لکھتا ہے کہ سمرتی میں آٹھ قسم کی شادیوں کوتسلیم کیا گیا ہے اسی طرح ہندو مذہب کی معتبر ومشہور کتاب منوسمرتی میں نکاح کے متعدد دفعات نقل کئے گئے ہیں چند قسموں کو یہاں بھی نقل کیا جاتا ہے۔

(۱) ان نکاحوں میں سے ایک کا نام اسوار (ASURA) ہے یعنی عورتوں کو خرید لینا ہی نکاح قرار دیدیا جاتا یہ طریقہ جنگجو اور اونچی ذات کے لوگوں میں رائج تھا۔ (۲) دوسری قسم کا نام راکش (RAKSASA) ہے یعنی عورتوں پر زبردستی قبضہ کر لینا ہی نکاح شمار ہوجاتا ہے۔(۳) نکاح کی تیسری قسم یہ ہے کہ اگر عورت کو اپنے شوہر سے اولاد نہ ہوتو اپنے خاندان کے بزرگوں سے اجازت لیکر مالک (یعنی شوہر) کے کسی رشتہ دار مثلاً دیور وغیرہ سے جنسی تعلق قائم کر کے اولاد پیدا کرسکتی ہے۔

(نوٹ) ہندو مذہب میں شوہروں پر مالک کا اطلاق عام طور سے ہوتا ہے اس لئے شوہر کو مالک لکھا گیا ہے (۴) والد کا حکم پاکر بدن میں گھی لگا کر خاموش ہوکر بیوہ عورت سے لڑکا پیدا کرے سوائے ایک لڑکا کے دوسرا کبھی پیدا نہ کرے (۵) بہت سے اچارج

وید کے عالم بیوہ عورتوں میں دوسری اولاد کو بھی جائز اور دھرم کے موافق جانتے ہیں کیونکہ ایک سنتان (اولاد) بعض حالتوں میں نفی کے برابر ہوتی ہے۔ (۶) اسی طرح جس دختر کے بارے میں کسی کو زبان سے دینے کو کہہ دیا گیا اور وہ شخص جس کو دینا تھا شادی سے قبل ہی مر گیا تو اس کا برادر حقیقی اس دختر کی شادی مندرجہ ذیل طریقہ کے مطابق کرے۔ (۷) پاکی سے برات کرنے والی سفید کپڑے پہنے ہوئے کینا کا بواہ شاستری کی رِیت (طریقہ) سے کر کے اس سے جو اولاد ہوگی وہ اس کی ہوگی جس کو وہ دختر زبانی اقرار سے پہلے دی گئی ہے۔ (۸) چھوٹا بھائی بڑے بھائی کی زوجہ سے بیٹا پیدا کرے تو اس بیٹے کیساتھ چاچا لوگ برابر تقسیم اور حصہ کریں۔

تنبیہ: ہندوانہ شادی کی اس غیر مہذب طریقہ کے علاوہ اور بھی بہت ساری قسمیں ہیں ان میں سے ایک شادی ہندوؤں میں اب بھی رائج ہے وہ نیوگ (عارضی نکاح) ہے دیانند سرسوتی نے اپنے لکچر میں بغیر کسی تردید کے اس کی اجازت دی ہے اور مزید تائید کیساتھ بیان کیا ہے، نیوگ کی صورت یہ ہوتی ہے کہ بیوی کا اپنے شوہر سے تعلق عمر بھر کیلئے نہیں ہوتا بلکہ صرف ایک یا دو اولاد پیدا ہونے تک رہتا ہے اسکے بعد یہ عورت آزاد ہو کر اس مرد کے علاوہ سے بھی نیوگ کر سکتی ہے۔ ہندوؤں اور غیر ہندوؤں میں ازدواجی رشتے کے اور بھی گھناؤنے طریقے رائج ہیں سب کو تفصیلی طور سے بیان کرنے کا موقع نہیں ہے صرف غیر مذہب کے ازدواجی قانون کی جھلکیاں دکھانا ہے جو ہمارے لئے باعث عبرت ہو اور ہم کو اس بات پر آمادہ کرے کہ ہم مذہب اسلام پر خدا کا شکر ادا کریں۔[1]

[1] (ملخص معاشرتی مسائل)

مسائل متعلقہ

غیر مسلم میاں بیوی ایک ساتھ ایمان قبول کرلیں

ہندو اور دیگر غیر مسلم کا نکاح اگر چہ ہماری شریعت کی رو سے صحیح نہیں ہوتا مگر جب وہ اپنے مذہبی ضابطے کے اعتبار سے صحیح نکاح کرلیں اور پھر بعد میں میاں بیوی دونوں ایمان قبول کرلیں تو تجدید نکاح کی ضرورت نہیں پہلا نکاح ان کا باقی رہے گا البتہ احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد ان دونوں کا نکاح دوبارہ کردیا جائے۔

(نوٹ) کفر کے زمانہ کے نکاح کے باقی رہنے کی شرط یہ ہے کہ بیوی شوہر کی محرمات میں سے نہ ہو اگر بیوی شوہر کی محرمات میں سے ہو مثلاً اگر اس نے بہن یا پھوپھی سے نکاح کررکھا ہے یا رضاعی اور سسرالی رشتے کی محرمات میں سے کسی عورت سے رشتۂ نکاح قائم کررکھا ہو تو پھر قاضی یا حاکم دونوں کے مابین تفریق کرادے[1]

کافر کی بیوی جب مسلمان ہوجائے تو اس سے نکاح کا حکم

اگر کسی کافر شخص کی بیوی تنہا بغیر شوہر کے مسلمان ہوگئی تو شوہر پر اولاً اسلام پیش کیا جائے اگر اسلام قبول کرلے تو ٹھیک ورنہ انکار کرنے کی صورت میں تفریق کردی جائے پھر اس کے بعد عورت تین حیض یا حیض نہ آتا ہو تو تین ماہ گزار کرہی نکاح

[1] اسلم المتزوجان بلا سماع شهود او فی عدة کافر معتقدین ذلك اقرا علیه ...... ولوکلنا ای المتزوجان اللذان اسلما محرمین او اسلم احد المحرمین...... فرق القاضی اوالذی حکماه بینهما لعدم المحلیة (درمختار علی هامش شامی ۳۵۱ تا ۳۵۲۔)

ثانی کرسکتی ہے اس سے قبل نہیں۔ہاں اگراس کی عدت کے ایام گزرنے سے قبل شوہر بھی مسلمان ہوگیا تو اس کا نکاح برقرار رہے گا عورت دوسرا نکاح نہیں کرسکتی ہے[۱]

کافرہ بیوی یا کافرہ مطلقہ عورت مسلمان ہوجائے تو اس کے نکاح کا حکم

اگر کافرہ کا شوہر عورت کے اسلام قبول کرنے سے اتنا عرصہ پہلے مرچکا ہے کہ عورت حالت کفر ہی میں اپنی عدت وفات گزار چکی ہے اسی طرح اگر عورت کو اسکے شوہر نے حالت کفر میں طلاق دے دیا اور عورت نے ایمان قبول کرنے سے قبل ہی عدت طلاق گزار لی ہے تو ان دونوں صورتوں میں ایمان قبول کرنے کے بعد فوراً دوسرا نکاح کرسکتی ہے الگ سے اس پر عدت واجب نہیں ہے[۲]

زوجین میں سے کسی ایک کے مرتد ہوجانے سے نکاح ٹوٹ جائیگا

میاں بیوی میں سے کسی ایک کے (نعوذ باللہ من ذلک) مرتد ہوجانے سے ان دونوں کا نکاح ختم ہوجاتا ہے اگر دوبارہ اسلام قبول کرلے تو نکاح کا اعادہ کیا جائے گا بغیر تجدید نکاح کے ایک ساتھ نہیں رہ سکتے۔اگر عورت شوہر کیساتھ رہنے پر راضی نہیں اس لئے دوبارہ اس سے نکاح نہیں کرتی ہے تو دوسرا نکاح کرسکتی ہے لیکن اگر عورت شوہر سے پریشان اور عاجز آکر نکاح توڑنے اور خاوند سے علیحدگی کی ہی غرض سے مرتد ہوئی ہے تو اس میں حضرات فقہاء نے لکھا ہے کہ ایسی عورت کو جبراً مسلمان کرکے شوہر اول سے ہی کم مہر پر دوبارہ نکاح کردیا جائے مگر یہ جبر واکراہ اس وقت ہے

---

[۱] واذا اسلم احد الزوجین المجوسیین او امرأة الکتابی عرض الاسلام علی الاخر فان اسلم فیها و الا بان ابی اوسکت فرق بینهما الخ ولو اسلم احدهما ای احد المجوسین او امرأة الکتابی الخ لم تبن حتی تحیض ثلاثا او تمضی ثلثة اشهر قبل الاسلام الاخر لقامة لشرط الفرقة مقام السبب (درمختار) قوله اقامة لشرط الفرقة وهو مضی هذه المدة مقام السبب وهو الآباء(درمختار مع الشلمی صفحه ٣٥٤ تا ٣٦٣ جلد٤)

[۲] (مستفاد فتاوی دارالعلوم صفحه ٣٨٥ جلد٨)

جبکہ شوہر اس کا طالب ہو اگر خاموش ہے یا صراحۃً چھوڑ رکھا ہے تو پھر عورت دوسرے مرد سے نکاح کرسکتی ہے۔[1]

میاں بیوی دونوں ساتھ مرتد ہو جائیں

اگر میاں بیوی دونوں ایک ہی ساتھ مرتد ہو گئے اور پھر ایک ہی ساتھ ایمان کی طرف لوٹ آئے تو ان کا نکاح باقی رہے گا۔ البتہ اگر دونوں میں سے ایک پہلے اسلام کی طرف لوٹا پھر بعد میں دوسرا بھی لوٹتا ہے تو نکاح ٹوٹ جائے گا۔[2]

ارتداد کا نقصان عظیم

کسی دنیاوی مقصد کے حاصل کرنے کے لئے اپنے دین سے کھیلنا اور مرتد ہو کر وقتی غرض پوری کرنا بہت بڑے خطرے کی بات ہے اگرچہ اس صورت میں وقتی طور پر کچھ فائدے حاصل ہو جاتے ہوں مگر اپنی پوری زندگی کا سرمایۂ اعمال خیر سب رائگاں اور بیکار ہو جاتے ہیں حتی کہ اگر کسی نے حج ادا کرلیا تو ارتداد سے وہ بھی ختم ہو جاتا ہے دوبارہ مسلمان ہونے کے بعد بشرط وسعت پھر سے حج فرض ادا کرنا ضروری ہوگا ارتداد سے پہلے کئے ہوئے اعمال نماز روزہ زکوۃ صدقات وغیرہ کا ثواب آخرت میں کچھ نہیں ملے گا۔ (نعوذ باللہ) اگر اسی ارتداد کی حالت میں موت آگئی تو ہمیشہ کیلئے جہنم رسید ہونا پڑے گا اللہ تبارک وتعالی اسی کو قرآن میں اس طرح بیان کیا ہے۔

---

[1] وارتداد احدهما ای الزوجین فسخ فلا ینقض عدداً عاجل بلا قضاء الخ لو ارتدت لمجی الفرقة الخ تجبر علی الاسلام وعلی تجدید النکاح زجراً لها بمهر یسیر کدینار وعلیه الفتوی (درمختار) ولا یخفی ان محله ما اذا طلب الزوج ذلك امالوسکت او ترکه صریحا فانها لا تجبر وتزوج من غیره (شامی باب النکاح الکافر صفحه ٣٦٧ جلد٤)

[2] وبقی النکاح ان ارتدا معا الخ ثم اسلما کذالك استحسانا وفسد ان اسلم احدهما قبل الاخر (درمختار علی هامش شامی صفحه ٣٦٩ تا ٢٧٠ جلد٤)

وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ[۱]

اور جو شخص تم میں سے اپنے دین (اسلام) سے پھر جائے پھر کافر ہونے کی حالت ہی میں مرجائے تو ایسے لوگوں کے نیک اعمال دنیا اور آخرت میں سب غارت ہو جاتے ہیں اور ایسے لوگ جہنمی ہیں جو اس میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔

لہٰذا ہر وقت اور ہر لمحہ ایمان کی حفاظت ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سبھوں کو اسلام پر زندہ رکھے اور ایمان پر خاتمہ نصیب فرمائے آمین ثم آمین۔

والحمدلله الذی بنعمته تتم الصالحات

العبدالفقیر
محمد کوثر علی سبحانی ارریاوی

---

[۱] (سورہ بقرہ پ ۲ رکوع ۲۱۷)

مراجع وماخذ

نام کتاب	نام مصنف	کتب خانہ
قرآن مجید		
حدیث		
صحیح البخاری	امام ابوعبداللہ محمد بن اسمٰعیل البخاری	اصح المطابع ،رشیدیہ دہلی
الصحیح لمسلم	ابوالحسین مسلم ابن الحجاج بن مسلم القشیری	اصح المطابع ،رشیدیہ دہلی
جامع الترمذی	ابوعیسی محمد بن عیسی الترمذی	اسلامی کتب دیوبند
سنن ابوداؤد	ابوداؤدسلیمان بن الاشعث السجستانی	اصح المطابع ،نبراسکڈ پود
سنن نسائی	ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی	اصح المطابع مکتبہ ندیم اینڈ کمپنی دیوبند
سنن ابن ماجہ	ابوعبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ القزوینی	مطبع نظامی دہلی
مسند احمد	امام ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی	مطبع میمنہ مصری
مشکوۃ المصابیح	محی السنۃ محمد ابن مسعود البغوی (ولی الدین محمد الخطیب الترمذی)	اصح المطابع اینڈ کمپنی دہلی
تفسیر		
تفسیر مظہری	قاضی ثناءاللہ عثمانی مجددی پانی پتی	
حاشیہ جلالین	مولانا مولوی وصی علی بن حکیم محمد یوسف ملیح آبادی	اصح المطابع ،اینڈ کمپنی دہلی
بیان القرآن	حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ	تاج پبلشرز دہلی

نام کتاب	نام مصنف	کتب خانہ
معارف القرآن	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ پاکستانی	ربانی بکڈ پولال کنواں دہلی
تفسیر مولانا شبیر احمد عثمانی برحاشیہ ترجمہ شیخ الہند	حضرت مولانا محمد شبیر احمد عثمانی	شائع کردہ شاہ فہد ملک المملکۃ العربیۃ سعودیہ

شروح حدیث

نام کتاب	نام مصنف	کتب خانہ
نووی شرح مسلم	محی الدین ابوزکریا یحیٰ بن شرف النووی	اصح المطابع، رشیدیہ دہلی
فتح الباری (شرح صحیح البخاری)	حافظ احمد بن حجر العسقلانی	دار الفکر بیروت لبنان
عمدۃ القاری (شرح صحیح البخاری)	علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی	دار الطباعۃ العامرہ مصر
مرقاۃ المفاتیح (شرح مشکوۃ المصابیح)	ملاعلی ابن السلطان القاری	بنگلہ اسلامک اکیڈمی دیوبند
مظاہر حق جدید (شرح مشکوۃ)	علامہ نواب قطب الدین خاں دہلوی	ادارۂ اسلامیات دیوبند
معارف الحدیث	حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی	الفرقان بکڈ پونظیر آباد لکھنؤ

فقہ اسلامی

نام کتاب	نام مصنف	کتب خانہ
ہدایہ	علامہ برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی	کتب خانہ رشیدیہ دہلی
قدوری	ابوالحسن احمد بن ابوبکر محمد بغدادی	تاج کمپنی چوک بازار سہارنپور
فتح القدیر (شرح ہدایہ)	محقق کمال الدین ابن ہمام	دار احیاء التراث العربی بیروت
بدائع الصنائع	ملک العلماء علاء الدین الکاسانی	مطبع شرکات العلمیہ مصر
بحر الرائق (شرح کنز)	علامہ زین الدین ابن نجیم المصری	دار الکتاب دیوبند
الدر المختار (مطبوعہ برحاشیہ شامی)	علاء الدین الحصکفی	مکتبہ زکریا دیوبند
رد المحتار (معروف بہ شامی)	علامہ ابن عابدین الشامی	مکتبہ زکریا دیوبند

نام کتاب	نام مصنف	کتب خانہ
الفتاوی الہندیہ (عالم گیری)	شہنشاہ اورنگ زیب کے حکم سے مرتب کردہ فتاویٰ کا مجموعہ	مکتبہ زکریا دیوبند
شرح الوقایہ	علامہ عبید اللہ ابن مسعود ابن تاج الشریعہ	مکتبہ تھانوی دیوبند
عمدۃ الرعایہ (حاشیہ شرح وقایہ)	حضرت مولانا عبد الحی فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ	مکتبہ تھانوی دیوبند
تبیین الحقائق (شرح کنز)	الامام فخر الدین عثمان بن علی الزیلعی الحنفی	دار الکتاب العلمیہ بیروت لبنان
طحطاوی علی مراقی الفلاح	العالم العلامہ احمد بن محمد بن اسماعیل الطحطاوی	دار الکتاب دیوبند
فتاوی قاضیخاں (برحاشیہ عالمگیری)	شیخ حافظ الدین محمد بن شہاب المعروف باابن البزار	مکتبہ زکریا
جواہر الفقہ	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب عثمانی	مکتبہ سیرت النبی جامع مسجد دیوبند
بہشتی زیور	حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ	فرید بکڈپو مٹیا محل دہلی
امداد الفتاویٰ	حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ	زکریا بک ڈپو دیوبند
فتاویٰ رشیدیہ	امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ	درسی کتب خانہ دہلی
کفایت المفتی	مفتی اعظم حضرت مولانا کفایت اللہ صاحبؒ	نعمانی پریس دہلی
فتاویٰ دار العلوم دیوبند	حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب مفتی اعظم دار العلوم دیوبند	زکریا بک ڈپو دیوبند
فتاویٰ محمودیہ	فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود الحسن مفتی اعظم ہند	زکریا بک ڈپو دیوبند
احسن الفتاویٰ	فقیہ العصر حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ	زکریا بک ڈپو دیوبند
فتاویٰ رحیمیہ	حضرت مولانا قاری مفتی عبد الرحیم صاحب لاجپوری	مکتبہ رحیمیہ منشی اسٹریٹ راندیر سورت گجرات

نام کتاب	نام مصنف	کتب خانہ
نظام الفتاویٰ	حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب اعظمی دارالعلوم دیوبند	ساجدہ بک ڈپو دہلی
آپکے مسائل اور انکا حل	حضرت مولانا یوسف لدھیانویؒ	کتب خانہ نعیمیہ دیوبند
قرآن اور فقہی احکام	حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب مفتی اعظم	ادارہ تحقیقات مسائل جدید دیوبند
دیگر موضوعات		
اصلاح انقلاب امت	حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ	تاج کمپنی دہلی
اصلاح الرسوم	حضرت حکیم الامت تھانویؒ	مطبع مجیدی واقع کانپور
اشرف الجواب	حضرت تھانویؒ	مکتبہ نعیمیہ دیوبند

ایک نظر

جامعۃ الفلاح دار العلوم الاسلامیہ

زیر اہتمام: الفلاح ایجوکیشن فاؤنڈیشن، فاربس گنج، ارریا بہار (الہند)

ہمارے ملک ہندوستان کا مسلم باشندگان ہندی ہے، پرانی شاہی مسجد، مقابر، مسافر خانے وقف کردہ بڑی بڑی اراضی اس پر شاہد ہیں۔ مسلمان بادشاہوں نے کئی کئی سو سال اس سرزمین پر حکومتیں کی ہیں۔ مگر مدارس و مکاتب اور تبلیغی ادارے کی طرف ان کی توجہ نہ ہونے کی وجہ سے جہالت بڑھتی گئی۔ مسلمان اپنے دین اور بانیٔ دین حضرت محمدؐ کی لائی ہوئی شریعت بیضہ سے ناواقف ہوگئے ایسے موقع سے فائدہ اٹھا کر مختلف فتنہ نے مسلمانوں کو اپنے جال میں پھنسانا شروع کیا۔ لیکن بعد کے قائد الناس اور درویش صفت علماء نے امت مسلمہ کی ڈوبتی ہوئی نیا کو سہارا دیا۔ مسلمانوں کے دین وایمان کی حفاظت کے لئے محنتیں کیں۔ اور ملک کے جس خطہ میں ضرورت کا احساس ہوا مدارس ومکاتب قائم کئے۔ آج ہندوستان میں جو دینی ماحول کسی نہ کسی حد تک پایا جاتا ہے وہ انہیں سلف وخلف علماء کی جدوجہد اور انتھک محنتوں کا صدقہ ہے مگر بہار و نیپال کے سرحدی علاقے آج تک اسی ضلالت وجہالت کے دلدل میں پھنسا ہوا ہے۔ سرکاری اور غیر سرکاری ہر اعتبار سے اسے نظر انداز کیا جاتا رہا ہے۔ تعلیمی اور تبلیغی ادارے کا کوئی انتظام نہیں ہے بعض ادارے ٹمٹماتے چراغ کی شکل میں نظر بھی آرہے ہیں تو اسباب وسائل نہ ہونے کی وجہ سے دم توڑ رہے ہیں۔ جاہل، غریب اور سادہ لوح مسلمان مختلف فرقِ ضالہ خصوصاً قادیانی فتنہ کی لپیٹ میں آرہے ہیں۔ اسی سرحدی علاقہ کے چند حساس اور قابل اعتماد علماء خصوصاً مفتی محمد کوثر علی سبحانی کے توجہ دلانے پر ہم نے چند با اثر علماء کرام کا ٹرسٹ بنا کر آل انڈیا الفلاح ایجوکیشن فاؤنڈیشن ادارہ رجسٹرڈ کرا کے مکاتب کا سلسلہ شروع کیا اور مشہور سرحدی شہر فاربس گنج میں ایک وسیع زمین خرید کر جامعۃ الفلاح دار العلوم الاسلامیہ اور الفلاح اسلامک اکیڈمی اسکول کا بھی آغاز کیا گیا ہے یہ سارے کام اس وقت چھپر اور کچے مکانات میں کئے گئے ہیں۔ پختہ تعمیری کام باقی ہے۔ نیز سیکڑوں مکاتب اور قائم کرنے کے سخت تقاضے ہیں یہ ادارہ ایک نہ ایک دن انشاء اللہ پورے ملک خصوصاً اس علاقہ کے مسلمانوں کے دین کی حفاظت کے لئے سنگ میل ثابت ہوگا۔

اس لئے جملہ قارئین اور اہل ثروت سے ہماری پرزور اپیل ہے کہ دعاء کے ساتھ خود بھی تعاون کا دست دراز فرما کر اپنے دوست واحباب کو اس کار خیر میں حصہ لینے کی ترغیب دیں۔ اللہ رب العزت آپ کو اس کا بہترین بدلہ دے گا۔

اپیل کنندہ (مولانا مفتی) محمد امتیاز میمن احمد آبادی

بانی وصدر الفلاح ایجوکیشن فاؤنڈیشن